

موجودہ حالات میں سیرتِ رسولؐ کا پیغام

پسند فرمودہ

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی دامت برکاتہم

مولانا سید احمد و میض صاحب ندوی نقشبندی دامت برکاتہم
خلیفہ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم

تالیف

تحقیق و تخریج

مفتی احمد اللہ نشار قاسمی
حنا دم التدریس مدرسہ خیر المدارس حیدرآباد

موجودہ حالات میں سیرت رسول ﷺ کا پیغام

پسند فرمودہ

محبوب العلماء و الصالحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی دامت برکاتہم

تالیف

مولانا سید احمد و میض صاحب ندوی نقشبندی دامت برکاتہم
خلیفہ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم

تحقیق و تخریج

مفتی احمد الہ منٹاڑ قاسمی

غلام التدریس مدرسہ خیر المدارس حیدرآباد

تفصیلات

سیرت رسول ﷺ کے تابندہ نقوش	مکتب
مولانا سید احمد و میض ندوی (9440371335)	تالیف
مفتی احمد اللہ شارقاسمی (9944288841)	ترتیب
	صفحات
۲۰۱۷ء مطابق ۱۳۳۹ھ	اشاعت ثانی
مفتی محمد سعید احمد قاسمی (8106575687)	قیمت
	کمپوزنگ

فاشر

مکتبة الدعوة والارشاد حیدرآباد

فہرست مضامین

۱۳	مقدمہ	❦
۱۵	عرض مؤلف	❦
۱۷	عرض مرتب	❦

(پہلا باب) سیرت رسول ﷺ -- تعارف اور خصوصیات

سیرت رسول ﷺ - تعارف اور خصوصیات

۱۹	سیرۃ النبی کے مآخذ	❦
۲۰	قرآن کریم	❦
۲۰	احادیث مبارکہ	❦
۲۰	دور رسالت کے عربی اشعار	❦
۲۰	کتب سیرت	❦
۲۱	اقسام سیرت	❦
۲۲	ہجرت مدینہ تا وفات رسول ﷺ	❦
۲۳	سیرت رسول کی پہلی قسم	❦
۲۴	سیرت رسول ﷺ کی دوسری قسم	❦
۲۶	دلائل نبوت کا مطالعہ کیوں؟	❦
۲۷	سیرت کی تیسری تقسیم	❦
۲۷	سیرت رسول ﷺ کی خصوصیات	❦
۲۷	تاریخیت	❦
۲۹	کاملیت	❦

۳۰	جامعیت	❁
۳۳	عملیت	❁
۳۳	ایک اور خصوصیت	❁
۳۴	مطالعہ سیرت کے مقاصد و فوائد	❁
۳۹	مضامین سیرت	❁

ہر چیز کو محیط ہے سیرت رسول ﷺ کی

۴۱	(خصائص سیرت پر مشاہیر کے اقتباسات)	❁
۴۲	علامہ شبلی نعمانیؒ اور دلکش پیرایہ	❁
۴۳	سیرت کی جامعیت	❁
۴۵	سب کے لئے ایک ہی اسوہ	❁
۴۶	انقلاب آفریں سیرت	❁
۴۸	توازن و اعتدال	❁
۴۹	نبوی کمالات اور انقلاب پر انوکھی تحریر	❁
۵۱	مولانا گیلانیؒ کا البیلا انداز	❁
۵۱	سیرت رسول ﷺ سے امت مسلمہ کی غفلت	❁

۵۳

انسانیت آج بھی اسی در کی محتاج ہے

۵۵	سیرت محمدی دنیا کا آئینہ خانہ ہے	❁
----	----------------------------------	---

(دوسرا باب) سیرت رسول اور ہمارا طرز عمل

سیرت رسول اور ہمارا طرز عمل

۵۸	سیرت رسول ﷺ اور ہماری ذمہ داریاں	❁
----	----------------------------------	---

۵۹	سیرت رسول اور ہماری عملی زندگی	❁
۶۰	سیرت رسول اور دعوت دین	❁
۶۱	سیرت رسول ﷺ اور دفاعِ سیرت	❁

سیرت رسول اکرم ﷺ کا پیغام

۶۳	ماہِ ربیع الاول اور محافلِ سیرت	❁
۶۴	سیرت سبب انقلابِ حیات	❁
۶۶	محافلِ سیرت کو تہوار نہ بناؤ	❁
۶۷	سیرت نگار کی ذمہ داری	❁

عشق رسول جز ایمان ہے صرف دعوائے محبت کافی نہیں

۶۹	عشق رسول کا پہلا تقاضہ	❁
۷۰	دوسرا تقاضہ	❁
۷۱	تیسرا تقاضہ	❁
۷۲	چوتھا تقاضہ	❁
۷۳	پانچواں تقاضہ	❁

ماہِ ربیع الاول کے جلسہ اور ہمارا طرزِ عمل

۷۵	یومِ پیدائش یا غیروں کی نقالی	❁
۷۷	تاریخِ ولادت و طریقہٴ فرحت	❁
۷۸	۱۲ ربیع الاول کی بے اعتدالیاں	❁
۸۰	ربیع الاول میں کیا کریں؟	❁

۸۱	سیرت کی جامعیت کو اجاگر کیا جائے	❖
۸۳	سیرت کے انقلابی پہلو پر زور	❖
۸۳	کرنے کے کام:	❖

یہ کیسی جفا ہے؟ یہ کیسا ہے ظلم!

۸۵	(محبت رسول کے تقاضے اور ہمارا طرز عمل)	❖
۸۵	محسن انسانیت کی کرشمہ سازی	❖
۸۶	اشرف المخلوقات پر کرم گستری	❖
۸۸	جفا ہی جفا	❖
۸۹	سنت رسولؐ سے دوری	❖
۸۹	اصحاب محمد اور عشق مصطفیٰ ﷺ	❖
۹۱	اسلاف کا اتباع سنت	❖
۹۱	مسلمانوں کا حال	❖
۹۲	سچی محبت کا ثمرہ	❖
۹۶	حقیقی محبت کا فقدان	❖
۹۷	جاثاری تقاضائے عشق ہے	❖
۱۰۱	عشق و تعظیم نبی ﷺ اطاعت سے ہے	❖
۱۰۳	محبت رسولؐ کیسے پیدا کی جائے؟	❖
۱۰۴	رفعت شان مصطفیٰ	❖
۱۰۵	عظمت رسولؐ میں کوتاہی	❖
۱۰۶	اسلاف کے عظمت رسولؐ پر حیرت انگیز واقعات	❖

۱۰۹	عظمتِ رسول ﷺ کے تقاضے	❦
۱۱۰	عظمتِ نامِ پاک کا نمونہ	❦
۱۱۱	ذکرِ رسول ﷺ کی برکات	❦

تیسرا باب (واقعاتِ سیرت کا پیغام)

واقعاتِ ہجرت کا پیغام

۱۱۳	واقعہ ہجرت - ایک مطالعہ	❦
۱۱۳	ہجرت کا پس منظر اور مستشرقین کا بدو پیچیدہ	❦
۱۱۵	ایک مغالطہ کا جواب	❦
۱۱۶	ہجرت اور چند حقائق	❦
۱۱۷	ہجرت کا آغاز	❦
۱۱۹	شبِ ہجرت شبِ عشق و امتحان	❦

واقعہ ہجرت کی عصری معنویت

۱۲۲	ہجرت قرآن میں	❦
۱۲۳	ہجرت احادیث میں	❦
۱۲۵	دین میں ہجرت کا مقام	❦
۱۲۶	قرآن میں ہجرت کی تیاری کا حکم	❦
۱۲۸	آمدِ برسرِ مطلب	❦
۱۲۸	ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد	❦
۱۲۹	مسلم معاشرہ قنوطیت کی چادر میں	❦

۱۳۰	اسباب کا پہلو	❖
۱۳۲	ایثار و قربانی	❖
۱۳۳	اسلامی اخوت	❖

معراج کا پس منظر

۱۳۹	موجودہ حالات میں واقعہ معراج کا پیغام	❖
۱۴۰	عبدیت انسان کی معراج ہے	❖
۱۴۱	کہ تیرے زماں و مکاں اور بھی ہیں	❖
۱۴۱	محدود دائرہ عقل کے لئے ذہنی ارتقاء راہ کشادہ ہوگی	❖
۱۴۳	معاشرتی آداب کی تعلیم	❖
۱۴۵	سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے	❖

(چوتھا باب) سیرتِ رسول کے نمایاں گوشے

سیرتِ رسول کے چند نمایاں گوشے

۱۵۳	سلام اس پر کہ جس نے جھولیاں بھر دیں فقیروں کی	❖
۱۵۴	صفاتِ الہی کا مظہر اتم	❖
۱۵۵	سخاوت کی تعریف	❖
۱۵۶	خالی نہ لوٹا جس کے در سے کوئی	❖

خدمتِ خلق -- سیرتِ رسول کا جلی عنوان

۱۶۳	ام المؤمنین کے تاریخانہ جملے	❖
۱۶۴	خدمتِ خلق کا عملی مظاہرہ	❖
۱۶۶	خدمتِ خلق کی تاسکید	❖

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب

۱۷۰	طلب علم کی فضیلتیں	❁
۱۷۱	پہلی اسلامی درسگاہ	❁
۱۷۲	خلافت عباسیہ میں علم کی اہمیت	❁
۱۷۳	۷۰ ملین بچے علم سے محروم	❁

حضور ﷺ دونوں عالم میں سہارا

۱۷۵	جہلاء عرب ایک بے سہارا قوم	❁
۱۷۶	ہر مظلوم طبقے کا سہارا	❁
۱۷۷	غلاموں کا مولیٰ	❁
۱۷۹	یتیموں کا والی	❁
۱۸۰	بے کسوں کا سہارا	❁
۱۸۲	سہارا امت کا آخری سہارا	❁

بے کسوں کی دستگیری اور اسوۂ رسول رحمت

۱۸۵	مظلوموں کا مسیحا	❁
۱۸۷	ماتحتوں کے ساتھ حسن سلوک	❁
۱۸۹	دعوت حق اور اسوۂ رسول ﷺ	❁

سیرت رسول ﷺ میں حسن اعتدال کی جھلکیاں

۱۹۳	عالم اکبر کا حیرت انگیز منظر	❁
۱۹۴	عالم اصغر کا تعجب خیز منظر	❁
۱۹۵	بے اعتدالی کے نقصانات	❁

۱۹۶	اسوہ رسول اعتدال کا شاہکار	❦
۱۹۷	احادیث میں لفظ اعتدال	❦
۱۹۷	روحانیت و مادیت میں اعتدال	❦
۱۹۸	عبادات میں اعتدال	❦
۲۰۲	دین و دنیا میں اعتدال	❦
۲۰۳	محبت و نفرت میں اعتدال	❦
۲۰۴	معاملات اور لین دین میں اعتدال	❦

(پانچواں باب) سیرت رسول ﷺ اور عصری مسائل

سیرت رسول ﷺ میں عصری مسائل کا حل

۲۰۸	انسان عدم تحفظ کا شکار	❦
۲۰۹	عالمی غربت کا حل	❦
۲۱۰	معاشی بحران کا حل	❦
۲۱۰	نسل پرستی، کرپشن اور خاندانی نظام کا محل	❦
۲۱۲	مغربی معاشرہ غلاظتوں کی آماجگاہ	❦
۲۱۲	منشیات کا انجام	❦

دختر کشی کا حل اسوہ رسول ﷺ کی روشنی میں

۲۱۳	یوم خواتین اور کرائم کارڈ	❦
۲۱۶	اس لعنت سے چھٹکارا کیونکر ہو	❦
۲۱۸	آپ ﷺ کی زینہ اولاد با حیات نہ رہنے کی وجہ	❦
۲۱۹	لعنت جہیز و دختر کشی کا سبب	❦

اختلافات کا حل سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں

۲۲۱	عالم اسلام اور آپسی انتشار	❖
۲۲۳	انتشار و اختلاف کا حل	❖
۲۲۵	اتحاد کو متاثر کرنے والے صفات سے اجتناب	❖
۲۲۷	حل اختلاف کی روشن مثالیں	❖
۲۲۸	اجتماعی معاملہ اختلاف کا حل	❖
۲۳۱	حل اختلاف کے نکات	❖
۲۳۳	صلح حدیبیہ	❖
۲۳۵	حاطب بن ابی بلتعہ کا واقعہ	❖
۲۳۵	حل اختلاف کے سات کامیاب اصول	❖
۲۳۷	رحلت مصطفیٰ کے بعد پہلا اختلاف	❖
۲۳۸	امت مسلمہ کا نازک اختلاف	❖
۲۳۹	فروعی مسائل میں اختلاف کا حل	❖

سیرت رسول ﷺ اور انسانی حقوق

۲۴۲	حقوق انسانی کا ارتقاء	❖
۲۴۳	موجودہ انسانی حقوق حقیقت کے آئینہ میں	❖
۲۴۴	انسانی حقوق اور تصور آخرت	❖
۲۴۵	حقوق انسانی کا جامع تصور	❖
۲۴۵	انسانی حقوق میں فرد اور معاشرہ کی رعایت	❖
۲۴۶	تحفظ جان یا حق زندگی	❖

۲۳۷	تخفظ مال	❖
۲۳۸	تخفظ ناموس	❖
۲۳۸	حق مساوات	❖
۲۳۹	تخفظ آزادی	❖
۲۳۹	آزادی ضمیر کا حق	❖
۲۵۰	پناہ اور معاہدہ کا حق	❖
۲۵۱	عورتوں کے حقوق	❖
۲۵۱	غلاموں کے حقوق	❖
۲۵۲	یتیموں اور کمزوروں کے حقوق	❖

(چھٹا باب) سیرتِ رسول ﷺ اور تربیتِ اصلاح

سیرتِ رسول ﷺ اور تربیتِ اصلاح

۲۵۳	معلم انسانیت کا طریق تربیت	❖
۲۵۵	دنیاوی سطح کا لحاظ	❖
۲۵۶	حسن تربیت کا ایک اور نمونہ	❖
۲۵۸	غلطی کا احساس دلانا	❖
۲۵۹	مشاورانہ لب و لہجہ	❖
۲۵۹	نصیحت مختصر ہو	❖
۲۶۰	حمل و قوت برداشت	❖
۲۶۰	مختلف ذرائع کا استعمال	❖

نبی اکرم ﷺ کا اسلوب دعوت واقعہ ہجرت کی روشنی میں

۲۶۳	واقعہ ہجرت..... دعوت کا بنیادی محرک	❖
۲۶۴	واقعہ ہجرت کے دعوتی نکات	❖
۲۶۶	داعی اعلیٰ صفات کا حامل ہو	❖
۲۶۷	داعی جذبہ قربانی سے سرشار ہو	❖
۲۶۷	داعی اولوالعزم ہو	❖
۲۶۸	داعی میں یقین کامل ہو	❖

سیرت رسول اور اصلاح معاشرہ

۲۶۹	مادی ترقی نے روحانی قدروں کو پامال کر دیا	❖
۲۷۰	انسانی سماج کی نجات کا نبوی نسخہ	❖
۲۷۱	ایمان راسخ اور یقین کامل	❖
۲۷۲	احساس جواب دہی	❖
۲۷۳	اخوت و بھائی چارگی کی روح	❖
۲۷۴	تربیت اولاد کی	❖
۲۷۵	اصلاح خواتین پر زور	❖
۲۷۶	کسب حلال کی تائید	❖
۲۷۷	اصول اصلاح کی رعایت	❖

خاندانی زندگی اور اسوۂ رسول ﷺ

۲۸۰	اسوۂ رسول ﷺ بحیثیت بیٹا	❖
-----	-------------------------	---

۲۸۱	بحیثیت باپ	❖
۲۸۳	بحیثیت شوہر	❖
۲۸۶	بحیثیت داماد	❖
۲۸۷	بحیثیت خسر	❖
۲۸۸	بحیثیت سرپرست خاندان	❖
۲۸۹	رشتہ کے بھائیوں کے ساتھ برتاؤ	❖

اختتامیہ

نفس گم کردہ می آید جنید و یازید ایس جا

۲۹۲	روضہ رسول پر حاضری دینے والوں کی قلبی کیفیات	❖
۲۹۲	روضہ اطہر کیا ہے؟	❖
۲۹۵	سید ابوالخیر عسکریؒ کی کیفیت حاضری	❖
۲۹۶	مولانا ابوالقلم خاموش کے تاثرات	❖
۲۹۶	امجد حیدر آبادی کے تاثرات	❖
۲۹۸	حافظ افروغ حسن کلتاؤ	❖
۲۹۸	بشری اعجازی کی زبان کلتاؤ	❖
۲۹۹	حافظ خالد لدھیانوی کی منظر کشی	❖
۳۰۰	ریاض حسن چودھری کی حاضری	❖
۳۰۳	فہرست مآخذ	❖

مقدمہ

حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی

صدر مفتی دارالعلوم حیدرآباد

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم.....

حضور ﷺ کی محبت و عقیدت ایمان کی علامت اور آخرت میں نجات کا سہارا ہے، آپ ﷺ کی زندگی قیامت تک انسانیت کے لئے اسوہ اور نمونہ ہے، اس لئے سیرت نبوی ﷺ ہمیشہ اہل علم اور اصحاب نظر کے زبان و قلم کا محبوب موضوع رہا ہے، مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم اصحاب نظر نے بھی آپ ﷺ کی زندگی پر قلم اٹھایا ہے، اور نثر و نظم کے ذریعہ آپ ﷺ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے، لیکن یہ موضوع ایسا سدا بہار اور تروتازہ ہے کہ اس کی تروتازگی اور حلاوت کبھی کم نہیں ہوگی، اصحاب قلم کے سامنے حیات طیبہ کے نئے نئے پہلو سامنے آتے رہتے ہیں اور وہ سیرت نگاری کی بزم سعادت میں شرکت سے سرفرازی حاصل کرتے ہیں۔

اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی یہ کتاب ”سیرت رسول کے تابندہ نقوش“ آپ کے ہاتھوں میں ہے، حضرت مولانا سید احمد میض ندوی صاحب دامت برکاتہم جن کی شخصیت اپنی خدمات کی وجہ سے ریاست اور بیرون ریاست اب محتاج تعارف نہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں زبان ہوشمند اور سیال قلم کی دولت سے نوازا ہے، آپ ایک طویل عرصے سے سیرت نبوی ﷺ کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے آرہے ہیں، آپ نے تعلیمی سماجی، معاشی اور دیگر سلگتے ہوئے موضوعات پر سیرت نبوی کی روشنی میں تشذیب اصحاب ذوق اور قارئین روزنامہ کی پیاس بجھائی ہے، ان مضامین کا امتیازی پہلو یہ رہا ہے کہ سیرت کے متعلق کسی واقعہ کو اجمالی طور پر بیان کر کے اس سے ملنے والے عملی اسباق کو اخذ کرنے اور موجودہ حالات و واقعات کو سیرت پر منطبق کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

بڑی مسرت کی بات ہے کہ مختلف اوقات میں لکھے گئے ان مضامین کا انتخاب کر کے ان کو چھ ابواب اور اختتامیہ میں تقسیم کر کے کتابی شکل دی گئی ہے، مزید مسرت کی بات یہ ہے کہ کتاب میں شام تمام مضامین کی تخریج اور ذیلی عناوین لگا کر مولانا مفتی احمد اللہ ثناء صاحب قاسمی دامت برکاتہم نے کتاب کی افادیت کو دو بالا کر دیا ہے اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے یہ کتاب ان شاء اللہ موجودہ حالات کے تناظر میں صحیح رہنمائی کے لئے سنگ میل ثابت ہوگی، اور مکتب سیرت میں ایک مفید اضافہ ہوگا، قارئین کرام سے خواہش ہے کہ وہ اس کتاب کو اس نقطہ نظر سے پڑھیں کہ حیات محمدی میں ہماری زندگی کے لئے عبرت و نصیحت کے کیا کیا پہلو موجود ہیں، اور ہمیں کس طرح ان کو مفید عملی راہ بنانا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ مصنف، مرتب، ناشر اور کتاب کو موجودہ شکل میں لانے کی جدوجہد میں شامل تمام حضرات کی عمر میں برکت عطا فرمائے، ان کے علمی، قلمی اور علمی فیض کو عام و تمام فرمائے اور دوسری کتابوں کی طرح اسے بھی ذخیرہ آخرت اور امت مسلمہ کے لئے نافع بنائے۔

محمد جمال الدین

۱۳۳۵/۸/۵ھ

عرض مؤلف

تمام تعریفیں اس رب ذوالجلال کے لئے سزاوار ہیں جس نے رحمۃ للعالمین سرور کونین ﷺ کو مبعوث فرما کر ساری انسانیت پر احسان عظیم فرمایا، نبی رحمت ﷺ کی حیات طیبہ قیامت تک آنے والی انسانیت کے لئے اسوہ اور نمونہ ہے، موجودہ دور کے مسائل میں گھری انسانیت کے لئے دامنِ رسول سے وابستگی کے بغیر چارہ کار نہیں، اقوامِ عالم سیرتِ رسول سے جس قدر دور ہوتی جائیں گی اس کے مسائل شدید و پیچیدہ ہوتے جائیں گے، خود امتِ مسلمہ کے سارے مسائل کی بنیاد سیرت سے دوری ہے، تاریخ کے جس دور میں مسلمانوں نے سیرتِ رسول ﷺ کو حرزِ جان بنالیا وہ مسلمانوں کا تابناک اور زرین عہد کہلایا، وہ جہاں بھی جاتے کامیابی ان کے قدم چوم لیتی لیکن جب مسلمان سیرتِ رسول ﷺ سے کنارہ کش ہو گئے تو ذلت و ادبار کی گھٹائیں ان پر چھا گئیں، اور اقوامِ عالم میں وہ بے وزن ہو گئے، مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو بحال کرنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اپنے پیارے نبی کی سیرت سے گھری وابستگی پیدا کر لیں، سیرتِ رسول ﷺ کی اسی اہمیت کے پیش نظر علماء نے اس کی نشر و اشاعت اور اس کے مختلف گوشوں کو نمایاں کرنے میں موجودہ حالات میں اس سے رہنمائی حاصل کرنے کا خوب اہتمام کیا ہے، سیرتِ رسول ﷺ ایک ایسا سدا بہار موضوع ہے کہ اس پر جتنا بھی لکھا جائے اہلِ علم کو کبھی حاصل نہیں ہوتی، رفتارِ زمانہ کے ساتھ سیرت کے منت نئے گوشے سامنے آتے رہتے ہیں۔

زیرِ نظر کتابِ احقر کی کوئی وقیع علمی کاوش نہیں ہے بلکہ مختلف موقعوں پر لکھے گئے مضامین ہیں لیکن ان میں موجودہ حالات میں سیرتِ رسول ﷺ سے رہنمائی حاصل کرنے کے تعلق سے اچھا خاصا مواد آگیا ہے، فی زمانہ واقعاتِ سیرت کو حصولِ برکت کے لئے تو خوب پڑھا اور سنا جاتا ہے لیکن اس نقطہ نظر سے نہیں پڑھا جاتا کہ یہ زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی کرنے والی ایک متحرک سیرت ہے، زیرِ نظر مضامین میں حالاتِ حاضرہ میں واقعاتِ سیرت سے حاصل ہونے والے پیغام، سیرتِ رسول ﷺ کے ساتھ امتِ مسلمہ کی زیادتی، سیرتِ رسول ﷺ کے خصوصیات

وامتیازات، سیرت رسول میں تربیت و اصلاح کے اصول اور سیرت رسول کے بعض اہم گوشوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، یہ ایک طالب علمانہ کوشش ہے جسے فروگذاشت سے پاک نہیں قرار دیا جاسکتا، اس میں اگر عام مسلمانوں کے لئے کچھ مفید مواد آگیا ہے تو یہ میرے سرپرستوں اور اساتذہ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے بالخصوص پیر طریقت حضرت شاہ جمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم کی توجہات اور عنایتیں احقر کو شروع سے حاصل ہیں اللہ تعالیٰ حضرت دامت برکاتہم کا سایہ تادیر قائم رکھے، اسی طرح میں حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب دامت برکاتہم کا صدر شعبہ افتاء و صدر مفتی و ناظم تعلیمات دارالعلوم حیدرآباد کا بھی بے حد ممنون ہوں کہ مفتی صاحب نے کتاب کے لئے اپنا قیمتی پیش لفظ عنایت فرما کر ایک طالب علم کی حوصلہ افزائی فرمائی، یہاں اس بات کا تذکرہ مناسب ہوگا کہ احقر نے سفر حرمین شریفین کے موقع پر مضامین کے اس مجموعہ کو محبوب العلماء والصلحاء حضرت پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش کیا تھا حضرت نے پورے مضامین پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے غیر معمولی حوصلہ افزائی فرمائی اور بڑی مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازا، اللہ تعالیٰ حضرت کا سایہ تادیر قائم رکھے، اور باذوق نوجوان عالم دین عزیزم مفتی احمد اللہ ثار قاسمی صاحب قابل تعریف ہیں کہ از سر نو کمپوزنگ کروائی، ذیلی عناوین و تخریج کا کافی اہتمام کیا اور بڑی محنت سے کتاب کی ترمیم جدید کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس مجموعہ کو امت کے لئے نافع اور مؤلف کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔

طالب دعا

سید احمد میض ندوی

۵ / جون ۲۰۱۳ء

عرض مرتب

حقیقت یہ ہے کہ ہم جیسے ناکاروں کو اکابر علمائے امت اور علم و معرفت سے آراستہ شخصیات کی خدمت کا موقع مل جانا زہے نصیب و سعادت کی بات ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ”چاول کے ساتھ کنکر، سونے کے ساتھ غبار کی بھی قیمت لگ جاتی ہے“۔ احقر اپنی خدمت کو مثل غبار ہی سمجھتا ہے، حضرت مولانا سید احمد میض صاحب نقشبندی عمت فیوضہم کی کتاب ”اعجاز قرآن کے حیرت انگیز نمونے“ ترتیب و تخریج کے بعد نیٹ پر اپلوڈ کی گئی تو کئی اہل علم حضرات نے حضرت والا کی مزید تحریرات کا شدت سے مطالبہ کیا، جس سے آپ دامت برکاتہم کی دیگر تمام کتابوں کو جلد از جلد منظر عام پر لانے کا مزید داعیہ پیدا ہوا، آپ کی اکثر کتابیں حیدرآباد کے مختلف اداروں اور کتب خانوں سے کئی بار شائع ہو چکی ہیں، فی زمانہ انٹرنیٹ، وائسپ وغیرہ عمومی و عالمی ذرائع استفادہ میں سے ہیں، آپ کی تمام کتابیں ترتیب و تخریج کے بعد ”راہ اسلام ڈاؤن نیٹ“ ویب سائٹ پر اپلوڈ کی جا رہی ہیں۔

حضرت کی تمام کتابوں میں ترتیب کے دوران جو بھی تبدیلی یا حذف عمل میں آیا ہے حضرت والا کی اجازت سے ہے، بندہ نے زیر نظر کتاب میں ذیلی عناوین اور تخریج کا اہتمام کرنے کی کوشش اپنی علمی و عملی سرمایہ کے فقدان کے ساتھ کی ہے، اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائیے، اور خادمہ فرسائی کی خامیوں سے درگزر فرمائیے۔

احمد اللہ شارقاسمی

خادم التدریس مدرسہ خیر المدارس حیدرآباد

۱۸/صفر/۱۴۳۹ھ کے ۲۰/۱۱/۸، بدھ

پہلا باب

سیرت رسول ﷺ -- تعارف اور خصوصیات

پہلا باب

سیرت رسول ﷺ - تعارف اور خصوصیات

لفظ ”سیرت“ ساری سیر اسے ماخوذ ہے جس کے معنی چلنے کے آتے ہیں، ”سیرۃ“ طریقہ اور زندگی کے لئے بولا جاتا ہے (مجموع مقانیس الفقہ ۳/۱۲۰) قرآن مجید میں یہ لفظ حالت اور ہیئت کے لئے بھی استعمال ہوا ہے، ارشاد ربانی ہے ”سنعیدہا سیرتہا الاولیٰ“ (طہ ۲۱:) صاحب لسان العرب کے مطابق ابتدائی لوگوں کی باتوں پر ”سیرۃ“ کا اطلاق ہوتا ہے، (لسان العرب ۴/۳۹۰) فنی اصطلاح کی رو سے ”سیرۃ“ کے مختلف معنی بیان کئے گئے ہیں، محدثین سیرت کو سنت کا مترادف قرار دیتے ہیں، علماء اصول و عقیدہ سیرت سے نبی کریم ﷺ کا طریقہ اور آپ ﷺ کا طرز زندگی مراد لیتے ہیں، علماء تاریخ سیرت کا اطلاق نبی کے حالات و واقعات اور آپ کے غزوات پر کرتے ہیں، ابتداء میں یہ لفظ اپنے لغوی معنی کی مناسبت سے غزوات پر لکھی گئی کتابوں کے لئے سیر کا نام دیا گیا، اس لئے کہ غزوات میں چلنے کی ضرورت پڑتی ہے، چنانچہ جہاد کے ابواب کے لئے ”ابواب السیر“ کا عنوان اختیار کیا ہے، اس کے بعد فقہاء کرام نے اس میں مزید وسعت پیدا کی، اسلام کے بین الاقوامی قوانین جنگ و صلح کی تفصیلات اور غیر مسلموں سے معاہدات کے لئے سیر کی تعبیر استعمال فرمائی، لفظ سیرت نبی کی جانب منسوب کرتے ہوئے جب سیرۃ النبی ﷺ کو کہا جاتا ہے تو اس میں نبی کریم ﷺ کی حیات مقدسہ کے تمام حالات و واقعات آپ کے عادات و شمائل غزوات و سرایا، اقوال، افعال وغیرہ شامل ہو جاتے ہیں۔

سیرۃ النبی کے مآخذ

ویسے سیرت نگاروں نے سیرت النبی ﷺ کے تقریباً مآخذ کا تذکرہ کیا ہے جن سے سیرۃ النبی ﷺ کی تفصیلات اخذ کی گئی ہیں لیکن ان میں سے چار قابل اعتماد مراجع کی حیثیت رکھتے ہیں (۱) قرآن کریم (۲) احادیث صحیحہ (۳) دور رسالت کے عربی اشعار (۴) کتب سیرت۔

قرآن کریم

قرآن کریم سیرت نبوی ﷺ کا سب سے بااعتماد اولین ماخذ ہے، قرآن کریم میں جگہ جگہ سیرت نبوی کی جھلکیاں نظر آتی ہیں، اس عظیم کتاب میں نبی آخر الزماں کے قبل بعثت کے احوال، بعثت کے ابتدائی حالات، دعوت اسلام کے مختلف مراحل اور اسلامی آداب و اخلاق کے نمونے پائے جاتے ہیں، قرآن مجید میں آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا ذکر ہے۔

احادیث مبارکہ

سیرت رسول کا دوسرا اہم مستند ماخذ احادیث ہیں، حضرات صحابہ کرامؓ نے بڑی احتیاط اور دیانت داری کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو احادیث کی شکل میں پہنچا دیا ہے اور ذخیرہ احادیث میں سفر و حضر کی تمام جزئیات پائی جاتی ہیں، قرآن کریم نے نبی محترم ﷺ کی زندگی سے متعلق جن پہلوؤں کو اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے احادیث میں ان کی تفصیل ملتی ہے، ماخذ سیرت کی حیثیت سے احادیث اس لئے بھی اہمیت رکھتی ہیں کی کتب احادیث میں صحابہ سے متصل سندوں کا ذکر ہے، سیرت رسول کا جو حصہ احادیث سے ثابت ہے وہ استناد کے لحاظ سے دوسرے ذرائع کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

دور رسالت کے عربی اشعار

اشعار عربوں کا دیوان ہے، اہل عرب شروع سے اشعار میں اپنی تاریخ مرتب کرتے آئے ہیں، دور رسالت میں بہت سے وہ صحابہ تھے جنہیں فن شاعری میں کمال حاصل تھا، حضور ﷺ کی شان میں اشعار کہتے تھے جن میں سیرت رسول ﷺ سے متعلق خاصا مواد آگیا ہے، شعراء صحابہ کرامؓ میں سے حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور دیگر معروف ہیں۔

کتب سیرت

احادیث کے علاوہ سیرت نبوی ﷺ کے بہت سے واقعات ایسے ہیں جنہیں حضرات صحابہ

کرامؑ نے بعد والوں سے بیان کیا پھر تابعین نے ان حالات و واقعات کو اخذ کر کے انہیں کتابوں میں مدون کیا، عہد رسالت میں سیرت نگاری پر توجہ نہیں دی گئی، اس وقت تدوین قرآن کا مسئلہ سب سے اہم تھا، سیرت کی تدوین کا کام سب سے پہلے دوسری صدی میں حضرت عمر بن عبد العزیز کے عہد میں ہوا، سیرت نبوی ﷺ سے متعلق احادیث پر خصوصی توجہ دینے والے صحابہ کرامؓ میں حضرت عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمرؓ، انس بن مالکؓ، جابر بن عبد اللہؓ اور حضرت براء بن مازب نمایاں ہیں ان کے بعد حضرت ابان بن عثمان، حضرت عروہ بن زبیر بن عوام کا نمبر آتا ہے، تابعین میں بہت سے تابعین نے سیرت کی تدوین پر توجہ دی، اس طرح بتدریج سیرت ایک فن کی شکل اختیار کرتی گئی اور ابن ہشام اور ابن اسحاق جیسے سیرت نگار پیدا ہوئے اور یہ فن آگے بڑھتا گیا۔

اقسام سیرت

علمائے سیرت نے استفادہ کی آسانی کے پیش نظر سیرت رسول ﷺ کی دو تقسیمیں کی ہیں، ایک تقسیم باعتبار زمانہ اور دوسری تقسیم باعتبار مضامین کے، زمانہ اور حیات رسول کی مدت کے اعتبار سے سیرت کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) ولادت تا بعثت: اس کی مدت چالیس ہے، سیرت کے اس حصہ میں بعثت رسول سے قبل جزیرۃ العرب اور عربوں کے حالات مکہ مکرمہ کے مراحل، کعبۃ اللہ کی تعمیر اور اس کے علاوہ اصحاب اقبیل کا واقعہ اور دیگر تفصیلات بیان کی جاتی ہیں۔

(۲) بعثت سے ہجرت مدینہ تک: اس کی مدت ۱۳ سال ہے، سیرت کے اس حصہ کو عہدِ مکی سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ دعوت و رسالت کا ابتدائی اور اساسی دور ہے، اس عرصہ میں قرآن کریم کا جو حصہ نازل ہوا اس میں زیادہ دلائل توحید، شرک کی مذمت، صفات باری تعالیٰ بعثت بعد الموت اور آخرت کا اثبات، جنت و دوزخ پر زور دیا گیا ہے اور مشرکین کی جانب سے پیش آنے والی تکالیف پر صبر کی تلقین کی گئی ہے، سیرت کے اس حصہ میں دین کی راہ میں اٹھائی جانے والی مشقتوں، ہجرت، شعب ابی طالب کا حصار، مختلف قبائل میں اسلام کا تعارف، واقعہ معراج، بیعت

عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ اور اخیر میں ہجرت الی المدینہ کی تفصیلات بیان کی جاتی ہیں۔

ہجرت مدینہ تا وفات رسول ﷺ

اس کی کل مدت دس سال ہے، اس عرصہ کو عہد مدنی سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ اسلامی معاشرہ کی تشکیل و تعبیر اور جہاد و دعوت کا دور کہلاتا ہے، اس دور میں مسلمانوں نے اللہ کی راہ میں خوب جہاد کیا اس دور میں ۳۰ / غزوات اور ۷۰ / سے زائد سرایا پیش آئیں۔ (۱)
اس عہد میں دعوت اسلام خوب پھیلی اور قرآن مجید میں اسلامی معاشرہ سے متعلق ضروری احکام کا نزول ہوا۔

مضامین کے لحاظ سے سیرت کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

(۱) سیرت رسول کا وہ حصہ جو آپ کے اخلاق شمائل و عادات اور خصوصیات پر مشتمل ہے۔

(۲) سیرت رسول کا وہ حصہ جو دلائل نبوت پر مشتمل ہے۔

(۳) سیرت رسول کا وہ حصہ جو غزوات اور جنگوں کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔

(۱) غزوات کی تعداد میں چار قول ہیں (۱) تائیس (۲) چوبیس (۳) اکیس (۴) انیس، اور سرایا کی تعداد کے بارے میں پانچ اقوال ہیں، چالیس، پینتیس، اڑتیس، اڑتالیس اور چھپن (سیرت مصطفیٰ: ۲۸/۲) دراصل حضور ﷺ کی تمام غزوات و سرایا کی تعداد میں سیرت نگاروں کا اختلاف ہے چنانچہ:

(۱) البلاذری نے فتوح البلدان میں ۱۶۔

(۲) قاضی سلیمان منصور پوری نے رحمۃ للعالمین میں ۲۰۔

(۳) شبلی نعمانی نے سیرۃ النبی میں ۳۵۔

(۴) ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں ۳۶۔

(۵) طبری نے اپنی تاریخ میں ۳۹۔

(۶) ابن سعد نے طبقات میں ۸۸۔ ۹ / غزوات ایسے ہیں جن میں حضور ﷺ نے دشمنوں سے جنگ کی تھی یعنی بدر، احد، مرہ، خیبر، فتح مکہ، حنین اور طائف اور باقی ۱۸ میں شمشیر کا استعمال نہیں ہوا تھا

سیرت رسول ﷺ کی پہلی قسم

جہاں تک آپ ﷺ کے شمائل کا تعلق ہے تو اس کے دو حصے ہیں۔

(۱) حلیہ مبارکہ : جس میں آپ کا قد، رنگ، اعضاء و جوارح کا تناسب ظاہری حسن و جمال آپ کی نشت و برخاست، آپ کی رفتار و گفتار، آپ کے سونے اٹھنے اور لباس کی تفصیلات ذکر کی جاتی ہیں، سیرت کے اس حصہ کا مطالعہ درج ذیل وجوہ سے ضروری ہے:

(۱) نشت و برخاست اور گفتار و رفتار اور لباس، سونے جاگنے میں آپ کی پیروی کی جاسکے۔

(۲) رسول ﷺ کے حسن و جمال اور ظاہری کمالات کی جانکاری سے اس بات کا علم ہوتا ہے

کہ آپ پر اللہ کا کس قدر فضل و احسان ہے کہ آپ کو کامل و مکمل انسان بنایا۔

(۳) آپ کی شکل و صورت جاننے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ کسی کو خواب میں آپ کا دیدار

ہو جائے تو وہ شکل اس کے موافق ہوگی جیسا کہ اس نے کتابوں میں پڑھا ہے۔

(۲) شمائل کا دوسرا حصہ آپ کے اخلاق و عادات اور اسوۂ حسنہ سے تعلق رکھتا ہے، آپ

اخلاق کے اونچے مقام پر فائز تھے، آپ کی سخاوت و شجاعت شرم و حیا عفو و درگزر، صلح و بردباری، تقویٰ، انفاق، تواضع، زہد اور ان جیسے اعلیٰ صفات سے متصف تھے۔

حضرت عائشہؓ سے جب لوگوں نے حضور ﷺ کے اخلاق کے تعلق سے دریافت کیا تو انہوں

نے فرمایا کہ آپ کے اخلاق میں سراپا قرآن تھے، یعنی جو کچھ اخلاق قرآن مجید میں الفاظ کی شکل میں پائے جاتے ہیں آپ کی ذات و مالی ان کا عملی نمونہ تھی۔ (۱)

مفسر ابن کثیر اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں جن

جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے آپ نے ان پر عمل کیا اور جن چیزوں سے منع کیا گیا ان سے اجتناب

کیا، اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر آپ میں ایسے اخلاق و دیعت فرمائے کہ ویسے اخلاق کسی انسان میں

(۱) ”سكان خلقه القرآن“ (مسند احمد حدیث المسیدہ عائشہ، حدیث: ۲۴۶۴۵) شعب الاریوط نے اس روایت

کو صحیح کہا ہے۔ (مسلم حدیث: ۷۴۶۰)

نہیں پائے جاتے بلکہ ان کا کچھ حصہ بھی نہیں پایا جاتا، اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے جس عظیم دین کو مشروع فرمایا ویسا دین کسی پیغمبر کو نہیں دیا گیا، آپ میں حیا، سخاوت، شجاعت، صلح، عفو و درگزر رحمت اور دیگر سارے کامل اخلاق اس قدر پائے جاتے تھے کہ ان کا شمار ممکن نہیں اور نہ انہیں بیان کیا جاسکتا ہے۔ (۱)

سیرت رسول ﷺ کی دوسری قسم

سیرت رسول ﷺ کے وہ مضامین جن میں دلائل نبوت ذکر کئے گئے ہیں، دلائل نبوت سے رسول اللہ ﷺ کے معجزات اور آپ کی نبوت کی حقانیت پر دلالت کرنے والے دلائل و شواہد مراد ہیں، دلائل نبوت پر مشتمل سیرت کا حصہ اس لئے اہمیت رکھتا ہے کہ اس سے ایمان کو تقویت حاصل ہوتی ہے عشق میں زیادتی پیدا ہوتی ہے اور آپ کی تمام باتوں پر یقین کامل حاصل ہوتا ہے۔ دلائل نبوت میں بعض معنوی ہیں اور بعض حسی ہیں جنہیں معجزات سے تعبیر کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کی جن دلائل و معجزات کے ذریعہ تائید فرماتے ہیں اور ان سے جن معجزات کا ظہور فرماتے ہیں، اس میں ان کی ذاتی قدرت کا دخل نہیں ہوتا بلکہ یہ محض اللہ کے فضل سے ہوتا ہے، اور اللہ کی جانب سے بطور عطیہ کے ہوتا ہے تاکہ لوگ ان کی تصدیق کریں اور یہ اللہ تعالیٰ کا دستور رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے معجزات کے ذریعہ جھوٹوں کی تائید نہیں فرماتے، چنانچہ جن جن لوگوں نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں رسوا کیا، جیسے کہ اسود غنسی، میلہ کذاب، مختار بن ابی عبید وغیرہ۔

نبی کریم ﷺ کے دلائل و معجزات حد شمار سے باہر ہیں، امام بیہقیؒ کی تحقیق کے مطابق آپ کے دلائل و معجزات ایک ہزار سے متجاوز ہیں۔ (۲)

(۱) لکان فیہ من الحیاء والکرم والشجاعة والحلم والصفح وسائر الأخلاق الکاملة ما لا یعد ولا یمکن وصفه (البدایہ والنہایہ ۸: ۳۵۶ دار احیاء التراث العربی، بیروت)
(۲) الفصول فی سیرۃ الرسول ص ۲۸، فصل اعلام نبوتہ ۱/۹۶

وقوع پذیر ہونے اور پیش آنے کے اعتبار سے علماء نے معجزات و دلائل نبوت کی درج ذیل اقسام ذکر کی ہیں:

(۱) وہ دلائل و معجزات جو بعثت سے قبل پیش آئے، مثلاً سابقہ آسمانی کتابوں میں آپ سے متعلق بشارتوں کا ذکر، پتھر کا آپ کو سلام کرنا۔ (۲) ایام شیر خوارگی کے دوران بنی سعد کے قبیلہ میں سینہ کا چاک کیا جانا۔ (۳)

(۲) ایسے معجزات جو نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد سے وفات تک پیش آئے ان میں سب سے بڑا معجزہ نزول قرآن کا ہے۔

اس کے علاوہ دعا کے ساتھ فوراً بارش کا ہونا۔ (۳) انگلیوں سے پانی کا ابلنا۔ (۴) بھیڑیا کا آپ کی نبوت کی گواہی دینا۔ (۵) قریش کے مطالبہ پر چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا (۶) وغیرہ، آپ کے بے شمار حسی معجزے ہیں۔

(۳) ایسی پیشین گوئیاں جو آپ نے اپنی زندگی میں فرمائیں اور وہ آپ کی وفات کے بعد پیش آئیں، مثلاً آپ نے حیرہ اور فارس کے علاقوں کے بارے میں پیشین گوئی فرمائی تھی کہ مسلمان انہیں فتح کریں گے چنانچہ پیشین گوئی پوری ہوئی، آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میری وفات کے بعد سب سے پہلے مجھ سے ملنے والی فاطمہ ہوگی۔ (۷) چنانچہ ایسا ہی ہوا، ازواج مطہرات میں حضرت زینب کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ سب سے پہلے وہ حضور ﷺ سے جا ملیں گی چنانچہ

(۱) إني لأعرف حجراً بمكة كان يسلم على قبل أن أبعث إني لأعرفه الآن (مسلم باب تسليم الحجر بمكة قبل النبوة حديث ۲۲۷۷:)

(۲) وقد جمع الأئمة في ذلك ما زاد على ألف معجزة (مسلم حديث: ۲۶۱)

(۳) فمديديه ودعا (بخاری باب علامات النبوة فی الاسلام حديث: ۳۵۸۲)

(۴) "فجعل الماء ينبع من بين أصابعه" (بخاری باب علامات النبوة فی الاسلام حديث: ۳۳۷۹)

(۵) موارد الظمآن إلى زائد ابن حبان ۵۱۹:

(۶) فأراهم الشمس شفقتين (بخاری باب القمر حديث: ۳۶۵۵)

(۷) فأخبرني أني أول أهل بيته يتبعه فضحك (بخاری باب مرض النبي صلى الله عليه وسلم حديث: ۳۱۷۰)

ایسا ہی ہوا، آپ نے حضرت عمار کے قتل کی اور حضرت حن کے معاویہ کے ساتھ صلح کی پیشین گوئی فرمائی تھی ویسا ہی ہوا۔ (۱)

(۳) ایسی پیشین گوئیاں جو اب تک پیش نہیں آئیں لیکن آئندہ پیش آنے کی آپ ﷺ نے خبر دی ہے جیسے علامات قیامت، دجال کا ظہور، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول، یاجوج ماجوج کا خروج وغیرہ۔

دلائل نبوت کا مطالعہ کیوں؟

دلائل نبوت کا مطالعہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے، ان دلائل کو دیکھ کر انسان تو انسان حیوانات، جمادات اور نباتات نے بھی آپ کی نبوت کی گواہی دی، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے : سوائے نافرمان جنوں اور انسانوں کے آسمان وزمین کے درمیان کی ہر چیز اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ (۲)

(۱) ایمان و یقین میں اضافہ : جب کسی مسلمان کے سامنے آپ کی نبوت کی حقانیت کے دلائل آئیں گے تو لامحالہ اس کے یقین میں زیادتی ہوگی، دلائل کے بعد مومن کو معرفت والا ایمان حاصل ہوتا ہے۔

(۲) محبت رسول میں اضافہ : ایک مومن جس قدر آپ کے کمالات سے واقف ہوگا آپ سے محبت بڑھتی جائے گی، کمالات اور خوبیوں سے واقفیت آدمی کو متاثر کرتی ہے اور اس سے تعلق میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۳) ایمان و محبت میں اضافہ : رسول اللہ ﷺ کی اتباع پر آمادہ کرتا ہے، رسول سے جتنی سچی محبت ہوگی اور آپ کی رسالت پر جتنا مضبوط یقین ہوگا اتنا ہی آپ کی اتباع کا شوق پیدا ہوگا۔

(۴) دلائل نبوت کے مطالعہ کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے مومن کو غلبہ اسلام کا یقین حاصل ہوگا، حالات چاہے کتنے ہی مایوس کن ہوں اور باطل چاہے کتنا ہی طاقتور ہو مومن کو یقین ہوگا کہ اسلام

ہی آخر کار غالب آئے گا، چونکہ مومن آپ کی پیشین گوئیوں پر یقین رکھتا ہے اور آپ نے اسلام کے غلبہ کی بار بار پیشین گوئی فرمائی۔

سیرت کی تیسری تقسیم

سیرت رسول ﷺ کا تیسرا حصہ وہ ہے کہ جو غزوات و سرایا پر مشتمل ہے، اعلاء کلمۃ اللہ اور دین کی سر بلندی کے لئے آپ نے کفار کے ساتھ جہاد فرمایا، مکی زندگی کے ۱۳ سال آپ کو جہاد کی اجازت نہیں دی گئی، مدینہ ہجرت کے بعد جب کفار کی جانب سے تعاقب ہونے لگا تو اللہ کی طرف سے آپ کو کفار کے ساتھ قتل کی اجازت دی گئی، مدنی زندگی میں آپ ۳۰ غزوات میں شریک رہے اور سریے روانہ فرمائے، سیرت رسول کا یہ حصہ بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

سیرت رسول ﷺ کی خصوصیات

دیگر انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت اپنے اندر غیر معمولی خصوصیات رکھتی ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سید الانبیاء بنایا اور آپ کے سر پر ختم نبوت کا تاج رکھا، دیگر انبیاء کی نبوت مخصوص قوم اور مخصوص علاقوں کے لئے ہوئی تھی لیکن آپ کی نبوت زمان و مکان کے حدود سے ماوراء ہے، آپ کو ساری دنیا اور قیامت تک آنے والی انسانیت کا نبی بنایا گیا، چونکہ آپ کی نبوت و رسالت قیامت تک کے لئے ہے، اس لئے آپ کی سیرت کو ہمہ جہت کامل و مکمل بنایا گیا۔

سیرت رسول ﷺ کی نمایاں خصوصیات وہ ہیں جنہیں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنے خطبات میں پیش کیا ہے، علامہ نے آپ کی سیرت کی چار ایسی خصوصیات کا انتخاب کیا ہے جن کے تحت ساری خصوصیات شامل ہو جاتی ہیں، اور وہ یہ ہیں:

(۱) تاریخیت (۲) کاملیت (۳) جامعیت (۴) عملیت

تاریخیت

تاریخیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ تاریخی طور پر محفوظ اور مستند روایات

سے منقول ہے، آپ کی سیرت جس طرح مستند اور باوثوق ذرائع سے محفوظ ہے اس طرح دوسرے پیغمبروں کی سیرت محفوظ نہیں، اور یہ اسلئے بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم النبیین بنایا اور قیامت تک لئے آپ کی نبوت کو جاری رکھا، جس کا لازمی تقاضہ تھا کہ آپ کی سیرت تاریخی طور پر محفوظ کی جائے، علاوہ ازیں کسی قابل اقتداء انسان کامل کی زندگی دوسروں کے لئے اسی وقت نمونہ بن سکتی ہے جب وہ تاریخی طور پر محفوظ ہو، اس سلسلہ میں علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں: ”انسان کی ایک سائنٹولوجی یہ ہے کہ کسی سلسلہ حیات کے متعلق اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ فرضی اور خیالی ہے یا مشتبہ ہے تو خواہ وہ کسی قدر مؤثر انداز میں کیوں نہ پیش کیا جائے طبیعتیں اس سے دیر پا اور گہرا اثر نہیں لیتیں اس لیے ایک کامل سیرت کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس کے تمام اجزاء کی تاریخت پر یقین ہو یہی سبب ہے کہ تاریخی افسانوں سے جواثر طبیعتوں میں پیدا ہوتا ہے وہ خیالی افسانوں سے نہیں ہوتا، دوسرا سبب تاریخی سیرت کے ضروری ہونے کا یہ ہے کہ آپ اس سیرت کا ملہ کے نقشہ محض دیکھیں یا فرصت کے گھنٹوں کی مشغولی کے لئے نہیں پیش کرتے بلکہ اس غرض سے پیش کرتے ہیں کہ ہم اپنی زندگی اس نمونہ پر ڈھالیں اور اس کی پیروی و تقلید کریں لیکن وہ زندگی اگر تاریخی اور واقعی طور سے ثابت نہیں تو آپ کیونکر اس کے قابل عمل اور پیروی و تقلید کے لائق ہونے پر زور دے سکتے ہیں۔“ (۱)

تاریخی طور پر محفوظ ہونا صرف رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا امتیاز ہے دنیا کے کسی پیغمبر یا کسی بھی قدیم مذہبی شخصیت کی سیرت کو تاریخت کا امتیاز حاصل نہیں، بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ شامی قوم میں سینکڑوں پیغمبر آئے لیکن نام کے سوا تاریخ نے ان کا کچھ اور حال نہ جانا حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حالات اور سیرتوں کے ایک ایک حصے کے علاوہ کیا ہم کو کوئی کچھ بتا سکتا ہے؟ ان کی سیرتوں کے ضروری اجزاء تاریخ کی کڑیوں میں بہر حال گم ہیں ان کی مقدس زندگیوں کے ادھورے اور نامربوط حصے کیا ایک کامل انسانی زندگی کی

تقلید اور پیروی کا سامان کر سکتے ہیں (۱) اس کے برخلاف نبی کریم ﷺ کی سیرت اور آپ کی مبارک زندگی کا ایک پہلو تاریخی طور پر محفوظ ہے، بقول علامہ سید سلیمان ندوی ”اسلام نے اپنے پیغمبروں کی اور نہ صرف اپنے پیغمبروں کی بلکہ ہر اس چیز کی اور اس شخص کی جس کا ادنیٰ سا تعلق بھی حضرت کی ذات مبارک سے تھا جس طرح حفاظت کی وہ عالم کے لئے مایہ حیرت ہے، ان لوگوں کو جو آنحضرت ﷺ کے اقوال افعال اور متعلقات زندگی کی روایت، تحریر اور تدوین کا فرض انجام دیتے تھے، راویان حدیث اور رواۃ یا محدثین اور ارباب سیر کہتے ہیں جن میں صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور بعد کے چوتھی صدی ہجری تک کے اشخاص داخل ہیں، جب سرمایہ روایت تحریری صورت میں لایا گیا جن کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے، اور ان سب کے مجموعہ احوال کا نام اسماء الرجال ہے۔“

کاملیت

رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا دوسرا امتیاز کاملیت ہے آپ کی سیرت جس طرح تاریخی طور پر مستند ہے، اسی طرح آپ کی سیرت کے تمام گوشے روز روشن کی طرح واضح ہیں، سیرت کے کسی حصہ پر دراز و خفا کا پردہ نہیں ہے، اس معیار پر اگر شارحین ادیان اور بائیبل مذاہب کی سوانح اور سیرتوں پر نظر ڈالو تو معلوم ہو سکے گا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کوئی ہستی اس معیار پر پوری نہیں اترتی ہے، انبیاء سابقین میں سب سے مشہور زندگی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہے تورات کی پانچوں کتابوں سے ہم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے کس قدر اجزاء ہاتھ آئے ہیں؟ ایک انسان کو اپنی سوانح کے عملی نمونہ کے لئے جن اجزاء کی ضرورت ہے وہ اخلاق و عادات اور زندگی کے طور و طریق ہیں اور یہی اجزاء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیغمبرانہ سوانح عمری سے گم ہیں ورنہ عام حالات یعنی اشخاص کے نام و نسب مقامات کے پتے مردم شماریاں اور قانونی اقوال بہت کچھ تورات میں مذکور ہیں، مگر یہ معلومات خواہ جغرافیہ کرانولوجی اور قانون دانی کے لئے کسی قدر

ضروری کیوں نہ ہوں مگر عملی حیثیت سے بالکل بیکار اور اجزائے سوانح کی کاملیت سے معریٰ ہیں“
 اسلام سے سب سے قریب العہد پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں مگر یہ سن کر آپ کو حیرت ہوگی کہ
 اس مذہب کے پیغمبر کی زندگی کے اجزاء تمام دوسرے تمام مشہور مذاہب کے بانیوں اور پیغمبروں
 کے سوانح سے سب زیادہ کم معلوم ہیں، انجیل کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی
 ۳۳ برس کی تھی، موجودہ انجیلوں کی روایتیں اولاً نامعتبر ہیں اور جو کچھ ہیں وہ بھی ان کے آخری تین
 سالوں کی زندگی پر مشتمل ہیں، ہم کو ان کی تاریخی زندگی کے صرف یہ حصے معلوم ہیں کہ وہ پیدا ہوئے اور
 پیدائش کے بعد مصر لائے گئے لڑکپن میں وہ ایک دو معجزے دکھائے، اس کے بعد غائب ہو جاتے ہیں
 پھر بیک وقت ۳۰ برس کی عمر میں ہتھمہ دیتے پہاڑیوں اور دریاؤں کے کنارے مابی گیلوں کو وعظ
 کہتے نظر آتے ہیں، چند شاگرد پیدا ہوتے ہیں، یہودیوں سے چند مناظرے ہوتے ہیں، یہودی ان کو
 پکڑوا دیتے ہیں، رومی گورنر کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوتا ہے اور سولی دے دی جاتی ہے، تیسرے دن
 ان کی قبر ان کی لاش سے خالی نظر آتی ہے، تیس برس اور کم از کم پچیس برس کا زمانہ کہاں اور کیوں کر گزر گیا
 دنیا اس سے ناواقف ہے اور رہے گی۔ (۱)

پیغمبر اسلام کی سیرت کے تمام گوشے کس قدر واضح ہیں اس کا اندازہ لگانے صرف شمائل
 ترمذی کے عنوانات پر نظر دوڑائیے تو پتہ چلے گا کہ چھوٹی سی چھوٹی بات بھی صحابہ کے سامنے تھی
 اور صحابہ نے اسے دوسروں تک پہنچایا، کتب سیرت کے صرف عناوین دیکھ لے جائیں تو آپ کی
 سیرت کی کاملیت کا بخوبی اندازہ ہوگا۔

جامعیت

سیرت رسول ﷺ کی تیسری خصوصیت جامعیت ہے، آپ کو چونکہ انسانیت کے لئے
 آئیڈیل بھی بنایا گیا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی سیرت میں ایسی جامعیت رکھی ہے کہ ہر طبقہ
 سے تعلق رکھنے والے کے لئے اسی میں عملی نمونہ مل جاتا ہے، جامعیت کی وضاحت کرتے ہوئے

علامہ سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں ”جامعیت سے مقصود یہ ہے کہ مختلف طبقات انسانی کو اپنی ہدایت اور روشنی کے لئے جن نمونوں کی ضرورت ہوتی ہے یا فرد انسان کو اپنے مختلف تعلقات و روابط اور فرائض و واجبات کو ادا کرنے کے لئے جن مثالوں اور نمونوں کی حاجت ہوتی ہے وہ سب اس آئیڈیل زندگی کے آئینہ میں موجود ہوں، اس نقطہ نگاہ سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ سوائے خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کوئی دوسری شخصیت اس معیار پر پوری نہیں اترتی۔“ (حوالہ سابق ۳: ۱) آپ چونکہ تمام انسانوں کے نبی ہیں اور انسانوں میں مختلف طبقات اور حالات سے تعلق رکھنے والے افراد پائے جاتے ہیں، اس لئے سارے انسانی طبقات کے لئے آئیڈیل رکھنے والی سیرت کے لئے جامع ہونا ضروری تھا، علامہ سید سلیمان ندویؒ اپنے منفرد اسلوب میں اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں، ”وہ تمام اشخاص جو کسی مذہب کے حلقہ اطاعت میں داخل ہوں ناممکن ہے کہ وہ کسی ایک ہی صنف انسانی سے متعلق ہوں اس دنیا کی بنیاد ہی اختلاف پر ہے، باہمی تعاون اور مختلف پیشوں اور کاموں ہی کے ذریعے سے یہ دنیا چل رہی ہے، اس میں بادشاہ یا رئیس جمہور اور حکام بھی ضروری ہیں اور محکوم مطیع اور فرمانبردار اور رعایا بھی، امن و امان کے قیام کے لئے قاضیوں اور ججوں کا ہونا بھی ضروری ہے اور فوجوں کے سپہ سالاروں اور افسروں کا بھی، غریب بھی ہیں اور دولت مند بھی، رات کے عابد و زاہد بھی ہیں اور دن کے سپاہی اور مجاہد بھی، اہل و عیال بھی ہیں اور دوست و احباب بھی تاجر اور سوداگر بھی ہیں اور امام و پیشوا بھی غرض اس دنیا کا نظم و نسق ان مختلف اصناف کے وجود اور قیام ہی پر موقوف ہے اور ان تمام انسانوں کو اپنی زندگی کے لئے عملی مجسمہ اور نمونہ کی ضرورت ہے، اسلام ان تمام انسانوں کو سنت نبوی ﷺ کی اتباع کی دعوت دیتا ہے اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ مختلف طبقات انسانی کے لئے اپنے پیغمبر کی عملی سیرت میں نمونے اور مثالیں رکھتا ہے جو ان میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ ہدایت کا چراغ بن سکتا ہے، اسلام کے صرف اسی نظریے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ پیغمبر اسلام کی سیرت میں جامعیت ہے۔ (۱)

سیرت کی جامعیت کی مزید تشریح علامہ سید سلیمان ندویؒ یوں بیان فرماتے ہیں ”غرض ایک

ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہے۔ اگر دولت مند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو، اگر غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو، اگر بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو، اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو، اگر فاتح ہو تو بدر جین کے سپہ سالار پر ایک نظر دوڑاؤ، اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکہ احد سے عبرت حاصل کرو، اگر تم استاذ اور معلم ہو تو صفہ کے درس گاہ کے معلم قدس کو دیکھو، اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ، اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو، اگر تنہائی اور بے کسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار و مددگار نبی کا اسوۂ حسنہ تمہارے سامنے ہے، اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو، اگر اپنے کاروبار اور دنیاوی جدوجہد کا نظم و نسق درست کرنا چاہتے ہو تو بنی نصیر، خبیر اور فدک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم و نسق کو دیکھو، اگر یتیم ہو تو عبد اللہ اور آمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو، اگر بچہ ہو تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈ لے بچے کو دیکھو، اگر تم جوان ہو تو مکہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو، اگر سفری کاروبار میں ہو تو بصری کے کاروان سالار کی مثالیں ڈھونڈو، اگر عدالت کے قاضی اور پنچائیتوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک گوشہ میں کھڑا کر رکھا ہے، اور مدینہ کی پچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر میں شاہ گدا اور امیر و غریب سب برابر تھے، اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہ و عائشہ رضی اللہ عنہما کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو، اگر اولاد والے ہو تو فاطمہ کے باپ اور حسن و حسینؑ کے نانا کا حال پوچھو غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو تمہاری زندگی کے لئے نمونہ اور تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کے لئے سامان تمہارے ظلمت خانہ کے لئے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمد ﷺ کی جامعیت کبریٰ کے خزانہ میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے۔

عملیت

آپ ﷺ کی سیرت کی چوتھی خصوصیت عملیت ہے یعنی آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا اس کا عملی نمونہ خود اپنی سیرت کے ذریعہ پیش فرمایا، کوئی نظریہ اور فلسفہ چاہے کتنا ہی دلاویز اور پرکشش ہو لیکن اگر اس کی عملی شکل نہ پیش کی جائے تو وہ صرف نظریہ اور فلسفہ ہی رہ جاتا ہے، ہانیاں مذاہب کو پرکھا جائے تو محمد ﷺ کی خصوصیت ہے کہ آپ نے جو کچھ کہا پہلے خود اس پر عملی نمونہ پیش کر کے بتایا۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے سیرت رسول کے عملی پہلو کو خوب واضح کیا ہے، لکھتے ہیں ”آپ کی سیرت کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ آپ نے بحیثیت ایک پیغمبر کے اپنے پیروؤں کو جو نصیحت فرمائی، اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا، آپ ﷺ نے لوگوں کو خدا کی یاد اور محبت کی نصیحت کی، صحابہؓ کی زندگی میں اس تلقین کا جو اثر نمایاں ہوا، وہ الگ چیز ہے، خود آپ کی زندگی کہاں تک اس کے مطابق تھی اس پر غور کرو، شب و روز میں کم ہی کوئی ایسا لمحہ تھا جب آپ کا دل خدا کی یاد سے اور آپ کی زبان خدا کے ذکر سے غافل ہو، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، پہنتے اوڑھتے ہر حالت میں اور ہر وقت خدا تعالیٰ کا ذکر اور اس کی حمد و ثنا زبان مبارک پر جاری رہتی تھی، آپ ﷺ لوگوں کو نماز کا حکم دیا مگر خود آپ کا کیا حال تھا، عام پیروؤں کو تو پانچ وقت کا نماز کا حکم تھا مگر خود آپ آٹھ وقت نماز پڑھتے تھے، مرض الوفا میں شدت کا بخار تھا، بہت تکلیف تھی مگر نماز حتیٰ کہ جماعت بھی ترک نہ ہوئی، آپ نے روزہ کا حکم دیا، عام مسلمانوں پر سال میں ۳۰ دن کے روزے فرض ہیں مگر خود آپ کی کیفیت کیا تھی، کوئی ہفتہ اور کوئی مہینہ روزوں سے خالی نہیں جاتا تھا، آپ نے لوگوں کو زکوٰۃ و خیرات کا حکم دیا تو پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا، غزوات اور فتوحات کی وجہ سے مال و اسباب کی کمی نہیں مگر وہ سب غیروں کے لئے تھا، اپنے لئے کچھ نہ تھا بلکہ وہی فقر و فاقہ تھا (حوالہ سابق ص ۱۰۹)۔

ایک اور خصوصیت

سیرت رسول کی ایک اور خصوصیت کی جانب ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی نے اشارہ کیا ہے، وہ لکھتے

ہیں: ”یہ محمد عربی کی سیرت ہے جو ہمیں ایسی دلیل فراہم کرتی ہے، جو آپ کی رسالت اور نبوت کی صداقت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہنے دیتی، یہ ایک انسان کامل کی سیرت ہے جو اپنی دعوت کو لیکر مرحلہ وار آگے بڑھا، معجزات و خوارق بل پر نہیں بلکہ طبعی اور حتمی طریقے سے سارے مراحل طے کیے، دعوت دی تو ستائے گئے، تبلیغ کی تو انصار و اعدوان کی جمعیت فراہم ہوئی، جنگ پر مجبور ہوئے تو اس سے بھی دریغ نہ کیا، آپ کی قیادت حکمت و بیدار مغزی کا شاہکار تھی، آپ کی دعوت قہر و غلبہ کے زور سے نہیں بلکہ ایمان و عمل کے راستے سے پورے جزیرۃ العرب پر چھا چکی تھی، ۲۳ سال کی قلیل مدت میں جس طرح آپ کی دعوت پھیلی، یہ ساری باتیں جو شخص جان لے وہ یہ یقین کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول تھے اور آپ کو جو قوت و طاقت، صبر و ثبات اور فتح و تاثیر بخشی گئی تھی وہ اس وجہ سے دی گئی تھی کہ آپ درحقیقت اللہ کے نبی تھے اور یہ کہ جو شخص جھوٹا ہو اس کی اس طرح منفرد و نگانہ تائید خدا تعالیٰ نہیں کر سکتا۔ (۱)

مطالعہ سیرت کے مقاصد و فوائد

سیرت کا مطالعہ کیوں ضروری ہے؟ مطالعہ سیرت کے وہ کونسے مقاصد ہیں جو دنیا و آخرت میں حاصل ہوتے ہیں؟ معلم اور مربی حضرات اپنے تربیتی عمل میں سیرت رسول ﷺ سے کس طرح فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟

یہ وہ سوالات ہیں جو سیرت رسول ﷺ سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں، سیرت کے ایک قاری کو مطالعہ سیرت کے دوران ان نکات پر خاص نظر رکھنی چاہئے، جب تک مسلمان سیرت کا بامقصد مطالعہ نہیں کریں گے، اس وقت تک عملی زندگی میں سیرت رسول سے استفادہ ممکن نہیں، اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کا تذکرہ باعثِ خیر و ثواب ہے، لیکن آپ کی مبارک سیرت صرف برکت حاصل کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ وہ عملی اور حرکیاتی سیرت ہے جو قدم قدم پر ہماری رہنمائی کی صلاحیت رکھتی ہے، سطور ذیل میں مطالعہ سیرت کے چند فوائد و مقاصد

(۱) سیرۃ النبی ﷺ عبرت و نصیحت کا لازوال خزانہ

تحریر کئے جاتے ہیں:

(۱) ایک مومن ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کا اقرار کر کے جس چیز کی گواہی دیتا ہے، اس کی تکمیل مطالعہ سیرت کا ایک مقصد ہے، محمد رسول اللہ ﷺ کے اقرار اور اس بات کی گواہی سے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، چار باتیں ضروری ہو جاتی ہیں:

(الف) اللہ تعالیٰ کی صفات، جنت، دوزخ، عالم آخرت، حساب و کتاب اور جتنی ترغیب کی باتیں آپ ﷺ نے بتائی ہیں، ان تمام باتوں کے تعلق سے آپ کو سچا جانا جائے اور آپ کی تصدیق کی جائے۔

(ب) آپ کو رسول ماننے کا ایک تقاضہ آپ کی اطاعت و فرمانبرداری ہے، زندگی کے تمام شعبوں میں آپ کے اوامر و احکام کو نافذ کرنا ضروری ہے، قرآن میں جگہ جگہ اس کی وضاحت کی گئی ہے، ارشاد ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَآذُوا الْأَمْرَ مَعَكُمْ** (نساء: ۵۹)

(ج) آپ کی رسالت کو تسلیم کرنے میں یہ بھی شامل ہے کہ جن چیزوں سے آپ نے منع فرمایا، ان سے بالکل اجتناب کیا جائے، آپ کی منہیات اور ممنومہ چیزوں میں سب سے بڑی چیز شرک ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے دریافت کیا کونسا گناہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا ہوتا ہے، فرمایا: یہ کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ، جبکہ اسی نے تمہیں پیدا کیا۔ (۱)

(د) آپ کو رسول ماننے کا ایک تقاضہ یہ ہے کہ عبادت اسی طریقہ پر انجام دیں جس طریقہ کی آپ نے تعلیم دی ہے، اس پر اضافہ یا اس میں کمی درست نہیں ہے، جو اس طریقے سے ہٹے گا وہ بدعت کا مرتکب کہلائے گا۔

(۲) مطالعہ سیرت کا ایک اہم مقصد محبت رسول ﷺ میں اضافہ ہے جس سے اطاعت کی رغبت بڑھتی ہے، اور سنتوں کی پیروی آسان ہوتی ہے، آدمی کو جس سے سچی محبت ہوتی ہے ہر چیز میں اس کی نقالی کرتا ہے، سیرت کے مطالعہ سے قاری، آپ ﷺ کی خوبیوں اور کمالات سے آگاہ

(۱) **أَنْ يَجْعَلَ لِلَّهِ دُأْرَهُ وَخَلْقَهُ** (بخاری باب ما جاء في فاتحة الكتاب) حدیث

ہوتا ہے اور کمالات سے واقفیت محبت میں اضافہ کا باعث بنتی ہے، لوگ عام طور پر چار باتوں کی وجہ سے دوسروں سے محبت کرتے ہیں (۱) حسن و جمال (۲) فضل و کمال (۳) عطاء و نوازش (۴) حسب و نسب کی شرافت، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ میں یہ سارے اسباب محبت جمع فرمادئے، آپ کا حسن بے مثال تھا صحابہؓ نے آپ ﷺ کو چودھویں رات کے چاند سے تشبیہ دی، کمالات ایسے تھے کہ کسی فرد بشر میں بشمول انبیاء کے ان کا تصور ممکن نہیں، مختلف انبیاء کرام میں جو خصوصیات و کمالات انفرادی طور پر تھیں، وہ تمام کمالات آپ میں ودیعت کئے تھے، لیکن ان کمالات سے آگاہی مطالعہ سیرت کے بغیر ممکن نہیں، سیرت رسول کا قاری جب دوران مطالعہ ان کمالات سے واقف ہوگا تو اس سے محبت رسول میں اضافہ ہوگا۔

(۳) سیرت رسول کے مطالعہ کا بنیادی مقصد اقتداء اور اتباع ہے، خود قرآن مجید میں اس کی وضاحت کی گئی ہے، ارشاد ہے: ”لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ“ (الاحزاب ۲۱) تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے، آپ کی مبارک سیرت کو اللہ تعالیٰ نے کامل و مکمل بنایا جو زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہے، پھر اس کے ایک ایک جز کو محفوظ بھی رکھا، ایسا اس لئے کیا گیا تاکہ اس کو عملی زندگی میں لانا آسان ہو، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں بار بار اطاعت رسول کی تاکید کی گئی، اسوۂ رسول کی پیروی کے بغیر ممکن نہیں، اس طرح مطالعہ سیرت، اتباع سنت کا سبب بنتا ہے۔

(۴) سیرت رسول کا مطالعہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ سیرت کے واقعات و احوال سے دروس و نکات کا استخراج کیا جاسکتا، سیرت رسول کا ہر واقعہ اپنے اندر بے پناہ اسباق رکھتا ہے، علماء اور اصحاب بصیرت نے واقعات سیرت سے عبرت و نصیحت کے بے شمار پہلو نکالے ہیں، مکی زندگی سے الگ پیغام ملتا ہے، مدنی زندگی کے الگ، واقعہ ہجرت عبر و نصائح سے معمور ہے، آپ کی سیرت ہر دور میں رہنمائی کی صلاحیت رکھتی ہے، سیرت کے گہرے مطالعہ کے ذریعہ موجودہ مسائل کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے۔

(۵) سیرت کے مطالعہ کا ایک مقصد دعوت دین کے نبوی طریق کار سے واقفیت ہے،

آپ ﷺ زندگی بھر دعوت دیتے رہے، نبوت کے ابتدائی تین سالوں کے دوران آپ ﷺ نے خفیہ دعوت دی، پھر علانیہ دعوت کا آغاز ہوا، دعوت کی راہ میں آپ کو مشکلات پیش آئیں، رکاوٹیں کھڑی کی گئیں، مختلف قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑا، مطالعہ سیرت سے ایک داعی کو معلوم ہوگا کہ کن حالات میں کس قسم کا اقدام کرنا چاہیے، نیز اسالیب دعوت سے واقفیت ہوگی، آپ ﷺ نے اپنے طریقہ کار کے ذریعہ ثابت کیا کہ دعوت میں حکمت و دوراندیشی ضروری ہے، زمان و مکان کے فرق سے کس طرح حکمت عملی بدلتی ہے، مدعو کے لحاظ سے کیسے اسالیب بدل جاتے ہیں، آپ نے اپنے اسوہ کے ذریعہ بتایا، آپ ﷺ کے طریقہ دعوت میں پانچ خصوصیات نمایاں نظر آتی ہیں (۱) داعی کو اپنے کام میں حد درجہ اخلاص کا اہتمام کرنا چاہئے، دعوتی عمل صرف رضائے الہی کی خاطر ہو (۲) داعی کے لئے شریعت کے ضروری علم سے واقفیت ضروری ہے ورنہ وہ دوسروں کی گمراہی کا ذریعہ بنے گا (۳) دعوت کے دوران اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کی عظمت و قدرت پر زیادہ زور دے (۴) مدعو افراد کے ساتھ حد درجہ شفقت و رحمت کا معاملہ کرے، گفتگو کالب و لہجہ نرم ہو (۵) ہر شخص اور ہر موقع کے لیے مناسب دعوتی اسلوب اپنائے۔

(۶) مطالعہ سیرت کا ایک مقصد رسول اللہ ﷺ کی عبادت و معاشرت سے واقفیت ہے، سیرت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ عبادات و معاشرت میں اخلاص کا حد درجہ اہتمام فرماتے تھے، نیز عبادات میں اعتدال کو ملحوظ رکھتے تھے، نفس پر طاقت سے زائد بوجھ نہ ڈالتے تھے، عبادات میں سنت کے التزام اور بدعات سے اجتناب کی تلقین فرماتے تھے، آپ عبادات میں جس معمول کو اپناتے اس پر مداومت فرماتے تھے، نیز ذکر الہی کی کثرت فرماتے، صبح و شام کی دعاؤں کا خاص اہتمام فرماتے تھے، آپ انفاق فی سبیل اللہ اور روزوں کی کثرت فرماتے تھے، لوگوں کے ساتھ حسن سلوک فرماتے تھے، کسی کو اپنی ذات سے تکلیف نہ پہنچنے دیتے تھے، دنیا اور متاع دنیا سے بے رغبتی فرماتے تھے۔

(۷) مطالعہ سیرت سے حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی صفت پیدا ہوتی ہے، آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کے ساتھ پیش آئے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ محبت و نفرت کا معیار اللہ کی

ذات ہونی چاہئے، خدا کے محبوب بندوں سے محبت ہو، اس کے دشمنوں سے نفرت، چنانچہ اس کے نتیجے میں سیرت کے قاری میں غیر اسلامی تہذیبوں اور نظامہائے زندگی سے نفرت پیدا ہوتی ہے، وہ تہذیب و تمدن میں غیروں کی نقالی سے احتراز کرے گا، صحابہؓ نے اپنے کافر قرابت داروں سے دوری اختیار کی حتیٰ کہ جنگ میں ان کے خلاف صف آراء ہوئے۔

(۸) مطالعہ سیرت کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے قوموں کو ظلم سے آزادی دلانے اور دنیا میں قیام امن کے لئے جہاد کا کیا رول ہے، معلوم ہوگا، دنیا میں حقیقی انسانیت، عدل و انصاف اور احترام آدمیت عام کرنے میں جہاد کا اہم کردار ہے، جہاد کے معنی صرف قتال ہی کے نہیں بلکہ وہ اپنے اندر وسیع مفہوم رکھتا ہے۔

(۹) مطالعہ سیرت سے یہود و نصاریٰ کی سازشوں سے جانکاری حاصل ہوتی ہے، مدنی زندگی میں قدم قدم پر آپ کو یہود و نصاریٰ سے سابقہ پڑا، آپ نے ان کے ساتھ صلح کے معاہدے کئے لیکن یہود نے ہمیشہ عہد شکنی کی اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش رچتے رہے، آپ نے ان کی سازشوں کو ناکام بنایا، سیرت کے مطالعہ سے قاری کو معلوم ہوگا کہ آپ نے کس طرح یہودی سازشوں کو ناکام کیا۔

(۱۰) سیرت رسول کے مطالعہ کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں میں اللہ کی نصرت کا یقین پیدا ہوگا، آپ ﷺ اور صحابہؓ کے حالات بتاتے ہیں کہ خدا کی نصرت ہمیشہ سچے مسلمانوں کے ساتھ رہی ہے، حالات چاہے کتنے ہی تاریک ہوں لیکن انجام اہل حق ہی کا ہوتا ہے، نبی کریم ﷺ کی پوری زندگی اس کی گواہ ہے، مطالعہ سیرت سے معلوم ہوگا کہ جنگ احد، جنگ بدر، غزوہ احزاب اور دیگر غزوات میں کس طرح نصرت خداوندی شامل رہی۔

(۱۱) سیرت رسول ﷺ کے مطالعہ کا ایک اہم فائدہ اخلاقی تربیت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، اخلاق کی درنگی کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں، لیکن سب سے عمدہ شکل یہ ہے کہ ایک مجسمہ اخلاق شخصیت کی عملی زندگی سامنے رکھی جائے، حضور ﷺ اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، پیغمبر اخلاق کی سیرت کا مطالعہ آدمی کی اخلاقی تربیت کا ذریعہ بنتا ہے۔

مضامین سیرت

مضامین سیرت کے ذیل میں آپ ﷺ کی زندگی کے سارے گوشے آتے ہیں، آپ کے ذاتی احوال و واقعات سے لے کر غزوات، دلائل، معجزات، شمائل و اخلاق سب کچھ آتے ہیں، ذاتی احوال و سیرت سے متعلق حصہ سیرت کی کتابوں میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، اس کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، ایک قبل نبوت دوسرا بعد نبوت، پھر بعد نبوت کا ایک حصہ وہ ہے جو ہجرت الی المدینہ تک جاری ہے، ہجرت الی المدینہ کے بعد دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے، قبل نبوت سے تعلق رکھنے والے حصے میں رسول اللہ ﷺ کی پیدائش، آپ کے اسماء و صفات، نسب نامہ، خاندانی خصوصیات، حضرت خدیجہ سے نکاح، آپ ﷺ کے اخلاق، امانت و دیانت، حلیمہ سعدیہ کے یہاں ایام شیرخواری، حجر اسود کو اس کی جگہ رکھنے کا واقعہ، آپ ﷺ کا تجارت کی غرض سے ملک شام کا سفر وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں، بعد نبوت والے حصہ میں غار حرا میں عبادت کے لئے قیام، وحی کی ابتداء، خفیہ دعوت دین، علانیہ دعوت، مشرکین مکہ کی اذیت رسانی، قریش کی جانب سے رسول اللہ ﷺ کو مختلف ترغیبات کی پیش کشی، طائف کے امد و ہناک واقعات، ابوطالب اور حضرت خدیجہ کی وفات، اسراء و معراج اور قبائل کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا دعوت پیش کرنا، بیعت عقبہ اولیٰ، بیعت ثانیہ وغیرہ کا تذکرہ ہوتا ہے، بعد ہجرت والے حصہ میں واقعہ ہجرت کی تفصیلات، مسجد نبوی کی تعمیر، انصار و مہاجرین کے درمیان مواخاۃ، یہودی قبائل کے ساتھ معاہدے، اسلامی حکومت کی تاسیس، دعوت اسلام کے لئے وفود کی روانگی اور آنے والے وفود کا استقبال اور غزوات کی تفصیلات آتی ہیں، غزوات و سرایا کی تعداد اس سے قبل ذکر کی جا چکی ہے، مشہور غزوات یہ ہیں:

- (۱) غزوہ بدر کبریٰ رمضان ۲ھ
- (۲) غزوہ احد ۳ھ
- (۳) غزوہ خندق ذی قعدہ ۳ھ

(۴) غزوہ بنی قریظہ..... ذی الحجہ ۵ھ

(۵) غزوہ حدیبیہ..... ذی قعدہ ۶ھ

(۶) غزوہ خیبر اور عمرہ القضاء..... ذیقعدہ ۶ھ

(۷) غزوہ فتح مکہ..... رمضان ۸ھ

(۸) غزوہ طائف..... شوال ۸ھ

(۹) غزوہ تبوک..... رجب ۹ھ

ان کے علاوہ کئی غزوات اور سرایا پیش آئے جیسے غزوہ سولین، غزوہ بنی قینقاع، غزوہ

المریج، سریہ معونہ، سریہ موتہ، سریہ ذات السلاسل، سریہ عبداللہ بن حذافہ ہی وغیرہ (۱)

ان کے علاوہ ۹ عام الوفود اور حجۃ الوداع، وفات نبوی ﷺ سے پہلے کے واقعات اسامہ

بن زید کی فلسطین کو روانگی پھر وفات رسول، یہ سیرت کے چند مشہور عنوانات ہیں، ذیلی تفصیلات

سیرت کی مفصل کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں، حالات و سوانح سے تعلق رکھنے والے ان مضامین

کے علاوہ رسول اللہ ﷺ سے تعلق رکھنے والے مضامین درج ذیل ہیں:

(۱) شمائل نبی ﷺ

(۲) خصائص نبی ﷺ

(۳) اخلاق نبی ﷺ

(۴) دلائل نبی ﷺ

(۱) غزوہ ودان یا ابواء مفر ۲ھ (۲) غزوہ بواط ربیع الاول ۲ھ (۳) غزوہ سفوان جمادی الاول ۲ھ

(۴) غزوہ ذوالعشرہ جمادی الآخر ۲ھ، (۵) غزوہ بدر الکبریٰ رمضان ۲ھ

(۶) غزوہ بنو قینقاع شوال ۲ھ (۷) غزوہ سولین ذی الحجہ ۲ھ

(۸) غزوہ قرقرہ الکدر محرم ۳ھ (۱۰) غزوہ خبران یا بنو سلیم جمادی الاول ۳ھ

(۱۱) غزوہ حراء الاسد شوال ۳ھ (۱۲) غزوہ بنو نضیر ربیع الاول ۳ھ

(۱۳) غزوہ بدر المونہ ذیقعدہ ۴ھ، (۱۴) غزوہ ذات الرقاع محرم ۵ھ

(۱۵) غزوہ دومۃ الجندل ربیع الاول ۵ھ (۱۶) غزوہ مریج یا بنی مصطلق شعبان ۵ھ

(۱۷) غزوہ بنو لحيان ربیع الاول ۶ھ، (۱۸) غزوہ ذی قرد یا قاہ ربیع الاول ۶ھ، ان تمام غزوات و سرایا میں شہید اور قتل

ہونے والوں کی کل تعداد (۱۰۱۸)

ہر چیز کو محیط ہے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی

(خصائص سیرت پر مشابہت کے اقتباسات)

محبوب رب العالمین سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ایک ایسا سدا بہار موضوع ہے جس پر لوگ چودہ سو سال سے غامہ فرمائی کر رہے ہیں لیکن ہر آنے والے دن کے ساتھ اس کی شادابی اور تروتازگی میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ قرآن کریم کے تعلق سے صاحب قرآن نے وضاحت کی تھی ”لا تنقصنی عجائبہ“ (۱) اس کے عجائبات ختم نہ ہوں گے۔ ہر زمانہ میں لوگ اس کے بحر ذخار سے علم کے نئے نئے موتی نکالیں گے۔ جس پر وردگار نے قرآن کو ایسی تابانی اور تروتازگی عطا فرمائی اسی رب ذوالجلال نے صاحب قرآن کی سیرت کو اور ان کی حیات مبارکہ کو ایسی متنوع اور ہمہ جہت بنا دیا کہ رہتی دنیا تک اہل علم اور ارباب عقل و دانش اس پر غامہ فرمائی کرتے کرتے تھک جائیں گے لیکن ”سفینہ چاہتے اس بحر بیکراں کے لئے“ کے مصداق بالآخر یہ اعتراف عجز پر خود کو مجبور پائیں گے۔ کوئی مصنف یا قلم کار جب سیرت کے موضوع پر کچھ لکھنے کے لئے قلم اٹھاتا ہے تو اسے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے قلم میں اچانک جان پیدا ہوگئی، الفاظ و تعبیرات اس کے نوک قلم پر اس طرح صفت بستہ تیار رہتے ہیں جیسے وہ بزبان حال صاحب قلم سے اپنے انتخاب کی گزارش کر رہے ہوں، اور سیرت پر لکھنے والا یہ قلکار بقول ایک ادیب کے لفظوں کی ایسی آرائش اور جملوں کی ایسی زیبائش کرتا ہے کہ صفحہ ستماب جنت نگاہ اور نغمہ حرف فردوس گوش بن جائے اور الفاظ پھول بن جائیں اور جملے پھولوں کا دیدہ زیب ہار بن جائیں۔“

عربی زبان کے بعد سیرت رسول ﷺ پر اگر کسی زبان میں سب سے زیادہ لکھا گیا ہے تو وہ اردو زبان ہے، برصغیر ہندو پاک میں اردو سیرت نگاروں نے سیرت کے ہر گوشے پر غامہ فرمائی کی ہے اور کوثر و تسنیم سے دہلی زبان استعمال کی ہے۔ اسلوب نگارش انتہائی شستہ، انداز بیان

(۱) المستدرک أخبار فی فضائل القرآن جملة حدیث: ۲۰۴۰

نہایت موثر اور ہر بات عقیدت و محبت میں ڈوب کر لکھی گئی ہے، سیرت پر لکھنے والے یہی قلم کار جب دوسرے موضوعات پر قلم اٹھاتے ہیں تو اس میں وہ رعنائی، دلکشی اور قوت بیانی کا زور نہیں دکھائی دیتا جو ان کی سیرت پر موجود تحریروں میں نظر آتا ہے۔

علامہ شبلی نعمانیؒ اور دلکش پیرایہ

علامہ شبلی نعمانیؒ مشہور مؤرخ اور سیرت نگار ہیں۔ وہ ولادت باسعادت کی منظر کشی کس قدر دلکش پیرایہ میں کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے: ”چمنستان دہر میں بار بار روح پرور بہار میں آچکی ہیں، چرخ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزم عالم اس سر و سامان کے ساتھ سجائی ہے کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئی ہیں، لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کھن سال دیدنے کروڑوں برس صرف کر دیئے، سیارگانِ فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے، چرخ کھن مدت ہائے دراز سے اسی صبح جاں نواز کے لئے لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا، کارکنانِ قضاء و قدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیوں، ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیوں، ابر و باد کی ترددستیاں، عالم قدس کے انفاسِ پاک، توحید ابراہیم، جمال یوسف، معجز طرازی موسیٰ جاں نوازی مسیح سب اسی لئے تھے کہ یہ متاعِ گراں شہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں کام آئیں گے۔“

آج کی صبح وہی جاں نواز، وہی ساعت ہمایوں، وہی عیدِ فرخِ فال ہے۔ اربابِ سیر اپنے محدود پیرایہ بیانی میں لکھتے ہیں کہ آج کی رات ایوانِ کسریٰ کے چودہ کنگرے گرے، آتشِ کدہٴ فارس بجھ گیا، لیکن سچ یہ ہے کہ ایوانِ کسریٰ نہیں بلکہ شانِ عجم، شوکتِ روم، اوجِ چین کے قصر ہائے فلک بوس گر پڑے۔ آتشِ کدہٴ فارس نہیں بلکہ تحیمِ شر اور آتشِ کدہٴ کفر آزر کدہٴ گمراہی سرد ہو کر رہ گئے۔ صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی، بت کدے خاک میں مل گئے، شیرازہٴ مجوسیت بکھر گیا۔ نصرانیت کے اوراقِ خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے۔ توحید کا غلغلہ اٹھا، چمنستانِ سعادت میں بہار آگئی، آفتابِ ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں، اخلاقِ انسانی کا پرتو قدس چمک اٹھا۔“

بطور نمونہ یہ عبارت پیش کی گئی ہے، اردو کے دیگر سیرت نگاروں کی سیرت پر پائی جانے والی

تحریروں کا جائزہ لیا جائے تو جگہ جگہ قلم کی جولانی عبارتوں کی سلاست و روانی اور تعبیرات کی شگفتگی اور دل آویزی نظر آئے گی۔ ایسا محسوس ہوگا جیسے اچانک قلم میں ایک نئی جان پیدا ہو گئی ہو۔

سیرت کی جامعیت

اردو کے معروف سیرت نگاروں نے خصوصیت کے ساتھ سیرت رسول ﷺ کے جس امتیازی پہلو کو خوب اجاگر کیا ہے وہ اس کی جامعیت ہے۔ جس طرح آخری نبی کو عطا کیا گیا دین کامل و مکمل اور تمام انسانی شعبوں کو محیط ہے، اور قرآن مجید ساری آسمانی کتابوں میں جامع کتاب ہے اور شریعت اسلامی جامع و مکمل ہے، اسی طرح خالق کائنات نے ختم نبوت کا فیصلہ فرمایا تو اخیر میں آنے والے انسانی طبقات کے لئے اسوہ بنایا گیا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے انتہائی جامع بنایا۔ حیات انسانی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے لئے سیرت رسول ﷺ میں نمونہ نہ ملتا ہو۔ اردو زبان کے سیرت نگاروں نے حیات طیبہ پر غامہ فرسائی کرتے ہوئے سیرت کی جامعیت کو انتہائی خوبصورت پیرایہ میں واضح کیا ہے۔ پھر سیرت نگاروں میں بھی سیرت نبوی ﷺ کی اس اہم خصوصیت کو اجاگر کرنے میں معروف سیرت نگار علامہ سید سلیمان ندویؒ کو امتیازی مقام حاصل تھا۔ ”خصائص و امتیازات سیرت“ پر اردو کیا کسی بھی زبان میں ”خطبات مدراس“ جیسی عظیم الشان کتاب منصب شہود پر نہیں آسکی۔ ویسے اس کتاب میں سیرت رسول اللہ ﷺ کی جامعیت پر ایک مستقل و مبسوط خطبہ ہے۔ یہاں صرف چند اقتباسات پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ علامہ لکھتے ہیں: ”کسی سیرت کے عملی نمونہ بننے کے لئے تیسری ضروری شرط جامعیت ہے۔ جامعیت سے مقصود یہ ہے کہ مختلف طبقات انسانی کو اپنی ہدایت اور روشنی کے لئے جن نمونوں کی ضرورت ہوتی ہے یا ہر فرد انسان کو اپنے مختلف تعلقات و روابط اور فرائض و واجبات ادا کرنے کے لئے جن مثالوں اور نمونوں کی حاجت ہوتی ہے وہ سب اس آئیڈیل زندگی کے آئینہ میں موجود ہوں۔ اس نقطہ نگاہ سے بھی دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ سوائے خاتم الانبیاء علیہ السلام کے کوئی دوسری شخصیت اس معیار پر پوری نہیں اترتی۔“

آگے سیرت کی جامعیت پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ”ایسی زندگی جو ہر طاقتور انسانی اور ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو وہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہو سکتی ہے۔ اگر دولت مند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو، اگر غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو، اگر بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو، اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو، اگر فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر ایک نظر دوڑاؤ، اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکہ احد سے عبرت حاصل کرو، اگر تم استاد اور معلم ہو تو صفہ کے درسگاہ کے معلم قدس کو دیکھو، اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ، اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو، اگر تنہائی اور بے کسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار و مددگار نبی کا اسوۂ حسنہ تمہارے سامنے ہے، اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو، اگر اپنے کاروبار اور دنیاوی جدوجہد کا نظم و نسق درست کرنا چاہتے ہو تو بنی نضیر، غیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم و نسق کو دیکھو، اگر یتیم ہو تو عبد اللہ اور آمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو، اگر بچہ ہو تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے بچے کو دیکھو، اگر تم جوان ہو تو مکہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو، اگر سفری کاروبار میں ہو تو بصری کے کاروان سالار کی مثالیں ڈھونڈو، اگر عدالت کے قاضی اور پنچائیتوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک گوشہ میں کھڑا کر رکھا ہے، اور مدینہ کی پچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر میں شاہ گدا اور امیر و غریب سب برابر تھے، اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہ و عائشہ رضی اللہ عنہما کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو، اگر اولاد والے ہو تو فاطمہ کے باپ اور حسن و حسینؑ کے نانا کا حال پوچھو غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو تمہاری زندگی کے لئے نمونہ اور تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کے لئے سامان تمہارے ظلمت خانہ کے لئے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور اللہ کے اس آخری عالمی انقلابی آفاقی اور دائمی پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ گیر سیرت اور جامعیت کبریٰ

کے خزانہ میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے، جو کائنات کی شب و بجور میں ہدایت کا روشن چراغ بن کر آیا۔“ (۱)

رسول اللہ ﷺ کی ہمہ گیر اور جامع شخصیت کو سمجھنے کے لیے ذرا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

”وہ جو کہ بادشاہ ایسا کہ ایک پورا ملک اس کی مٹھی میں اور بے بس ایسا کہ خود اپنے کو بھی اپنے قبضہ میں نہ جانتا ہو، دولت مند ایسا کہ اونٹوں پر لدے خزانے کے خزانے اس کے دار الحکومت میں آرہے ہوں اور محتاج ایسا کہ مہینوں اسے کے گھر میں چولہا تک نہ جلتا ہو، سپہ سالار ایسا کہ مٹھی بھر بہتے آدمیوں کو لے کر ہزاروں غرق آہن فوجوں سے کامیاب لڑائی ہو اور صلح پسند ایسا کہ ہزاروں پر جوش جاٹاروں کی ہمرکابی کے باوجود صلح کے کاغذ پر بے چوں و چرا دستخط کر دیتا ہو، یا تعلق ایسا کہ عرب کے ذرے ذرے اور پوری امت کے ایک ایک فرد کی اس کو فکر ہو، اور بے تعلق ایسا کہ اپنے خدا کے سوا کسی کی اس کو یاد نہ آتی ہو اور عین اس وقت جب کہ اس پر ایک تیغ زن سپاہی کا دھوکہ ہوتا ہو تو وہ ایک شب زندہ دار زہد کی صورت میں جلوہ نما ہوتا ہے۔ عین اس وقت جب اس پر کٹور کشاں فاتح کا شبہ ہوتا ہو وہ پیغمبرانہ معصومیت کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتا ہے، عین اس وقت جب ہم اس کو شاہ عرب کہہ کر پکارنا چاہتے ہیں، وہ کھجور کی چھال کا تکیہ لگائے کھردری چٹائی پر بیٹھا درویش نظر آتا ہے۔ عین اس وقت جب عرب کے اطراف سے آکر اس کی مسجد میں مال و اسباب کا انبار لگا ہوتا ہے اس کی گھر میں فاقہ کی تیاریاں ہوتی ہیں۔ اس اقتباس میں رسول اللہ ﷺ کی شخصیت میں پائے جانے والے متضاد پہلوؤں کی بڑے خوبصورت انداز میں منظر کشی کی گئی ہے۔

سب کے لئے ایک ہی اسوہ

سیرت رسول ﷺ کی جامعیت اور کس طرح نبی کی سیرت سب کے لئے واحد اسوہ ہے، اسے درج ذیل اقتباس سے سمجھئے: ”لوگو! تمہیں زندگی گزارنے کا قرینہ سیکھنا ہو، سلیقہ معلوم کرنا ہو، یہ جاننا

ہو کہ تمہارے دن اور تمہاری راتیں کیسے گزریں، تم صاحب اختیار ہو تو اختیار کیسے استعمال کرو؟ حاکم ہو تو حکومت کیسے کرو؟ سپہ سالار ہو تو جنگ کیسے لڑو؟ صاحب ثروت ہو تو دولت کا استعمال کیسے کرو؟ تاجر ہو تو تجارت کیسے کرو؟ اہل علم ہو تم علم کا فیضان کیسے عام کرو؟ انصاف کی مسند پر متمکن ہو تو عدل کیسے کرو؟ صاحب منبر ہو تو کیا انداز اپناؤ؟ کیا وقار بناؤ؟ زبان کھولو تو کیا بولو اور کیسے بولو؟ ادیب ہو تو کیسے لکھو اور کیا لکھو؟۔

تو اے لوگو! تمہارے لئے ایک ہی ذات ہے جس کی طرف دیکھو، جس کی سنو، جو کامل و اکمل ہے، جس میں کوئی غامی نہیں، نقص نہیں، عیب نہیں، تمہارے لئے ہر قدم پر نمونہ ہے۔ مثال ہے، منزل ہے، اول قدم بھی اور آخر قدم بھی۔

مرد	مومن	را	محمدؐ	ابتداء	است
مرد	مومن	را	محمدؐ	انتہاء	است

انقلاب آفریں سیرت

حیات تاجدارِ مدینہ انقلاب آفریں سیرت ہے، سیرت کا انقلاب کیا ہے اور نبوی انقلاب کیا ہوتا ہے؟ سیرت نگاروں نے اس پہلو کو بھی خوب اجاگر کیا ہے۔ سیرت رسولؐ کے انقلابی پہلو پر مشہور سیرت نگار ماہر القادری کی یہ تحریر سرمہ چشم بنانے کے لائق ہے: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی انقلاب و اصلاح کا مجمع البحرین تھی، مگر یہ انقلاب خالص تعمیری انقلاب تھا جس میں قاہریت تھی مگر کس کے لیے؟ شر کو مٹانے اور خیر کو پراکرنے کے لیے۔ اس انقلاب میں تلوار نے سول سرجن کے نشر کا کام انجام دیا۔ یہ انقلاب جسموں کا ہی نہیں فکر و نظر اور قلب و ضمیر کا انقلاب تھا، دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں یہی وہ تنہا انقلاب تھا جس کے لانے والے نے اپنی زندگی ہی میں پوری کامیابی بھی دیکھ لی اور جس نے اپنی تربیت سے ہزاروں میں چھا جانے کی قوت تھی۔ یہ اصلاح ایسی تھی جو چند آدمیوں کو نیک بنانے پر قناعت کر لیتی، اس اصلاح نے نیکی کو ایک غالب قوت بنا کر چھوڑا، اس اصلاح نے باطل اور سرفساد کے اصول سے

کبھی سمجھو یہ نہیں کیا..... زندگی کا کونسا شعبہ ایسا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انقلاب برپا نہیں کیا۔ حضور ﷺ کی تعلیم و تربیت کا یہ اثر تھا کہ جاہلیت کا ایک نشان مٹ کر رہا، اور اسلامی معاشرت دنیا کے بہت بڑے حصہ پر چھا گئی۔

سیرت رسولؐ کے انقلابی پہلو پر ایک اور سیرت نگار کی تحریر پڑھئے: ”حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ایک فرد کی سیرت نہیں ہے بلکہ وہ ایک تاریخی طاقت کی داستان ہے، جو ایک انسانی پیکر میں جلوہ گر ہوئی، وہ زندگی سے کٹے ہوئے ایک درویش کی سرگزشت نہیں ہے جو کنارے بیٹھ کر محض اپنی انفرادی تعمیر میں مصروف رہا ہو بلکہ وہ ایک ایسی ہستی کی آپ بیتی ہے جو ایک اجتماعی تحریک کی روح رواں تھی، وہ محض ایک انسان کی نہیں بلکہ ایک انسان ساز کی روداد ہے، وہ عالم نو کے معمار کے کارنامے پر مشتمل ہے، ایک پوری جماعت ایک انقلابی تحریک اور ایک ہیئت اجتماعیہ اس کارنامے سے لے کر طائف کے بازار تک، امہات المؤمنین کے حجروں سے لے کر میدان ہائے جنگ تک چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے۔ ابو بکر و عمر و عثمان و علی، عمار و یاسر، خالد و خویلد اور بلال و مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کے سب ایک ہی کتاب سیرت کے اوراق ہیں، ایک چمن کا چمن ہے کہ جس کے لالہ و گل اور نرگس و نستر کی ایک ایک پتی پر اس چمن کے مالی زندگی مرقوم ہے۔ وہ قافلہ بہار وقت کی جس سرزمین سے گزرا ہے اس کے ذرے ذرے پر نکلت کی مہریں ثابت کر گیا..... پھر سرور عالم ﷺ کی زندگی کی مثال ایک جوہر کے کھڑے پانی کی نہیں ہے کہ جس کے ایک کنارے کھڑے ہو کر ہم بیک نظر اس کا جائزہ لیں، وہ ایک بہتا ہوا دریا ہے جس میں حرکت ہے، روانی ہے، کشمکش ہے، موج و شباب ہے، سپیدیاں اور موتی ہیں اور جس کے پانی سے مردہ کھیتوں کو مسلسل زندگی مل رہی ہے، اس دریا کا رمز آشا ہونے کے لئے اس کے ساتھ ساتھ رواں رہنا پڑتا ہے۔“ یہی وجہ ہے کہ سیرت کی بہت سی کتابیں پڑھ کر نادر معلومات ملتی ہیں، لیکن ہمارے اندر تحریک پیدا نہیں ہوتی، جذبے انگیزائی نہیں لیتے، عزم و ہمت کی رگوں میں خون نہیں دوڑتا، ذوق عمل میں نئی حرارت نہیں آتی، ہماری زندگیوں کا جمود نہیں ٹوٹتا، وہ شرار آرزو ہم اخذ نہیں کر پاتے جس کی گرمی نے ایک یکہ و تنہا اور بے سرو سامان فرد کو مدتوں

کے جے ہوئے فاسد نظام کے خلاف معرکہ آراء کر دیا، وہ سوز و ساز ایمانی نہیں ملتا جس نے ایک یتیم بے نوا کو عرب و عجم کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے والا بنادیا۔“ (۱)

توازن و اعتدال

نبی کی سیرت میں جامعیت مطلقہ نہیں ہے بلکہ ایسی جامعیت ہے جو اپنے اندر توازن و اعتدال لئے ہوئے ہے۔ سیرت نگاروں نے سیرت رسول ﷺ میں موجود توازن و اعتدال کو بھی خوب واضح کیا ہے۔ اس کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں: ”دنیا میں بڑے آدمی بہت پیدا ہوئے اور ہوتے ہیں، بڑے لوگ وہ بھی ہیں جنہوں نے کوئی اچھی تعلیم اور کوئی تعمیری فکر پیش کر دی، وہ بھی ہیں جنہوں نے اخلاق و قانون کے نظام سوچے، وہ بھی ہیں جنہوں نے اصلاح معاشرہ کے کام کیے، وہ بھی ہیں جنہوں نے ملک فتح کیے اور بہادرانہ کارناموں کی میراث چھوڑ دی، وہ بھی ہیں جنہوں نے سلطنتیں چلائیں، وہ بھی ہیں جنہوں نے فکر و روشنی کے عجیب نمونے ہمارے سامنے پیش کئے، وہ بھی ہیں جنہوں نے دنیا کے سامنے انفرادی اخلاق کا اونچے سے اونچا معیار قائم کر دکھایا مگر ایسے بڑے آدمیوں کی زندگی کا جب مطالعہ کرتے ہیں تو بالعموم یہی دیکھتے ہیں کہ ان کی قوتوں کا سارا رس زندگی کی کسی ایسی شاخ نے چوس لیا اور باقی ساری ٹہنیاں سوکھی رہ گئیں، ایک پہلوا اگر بہت زیادہ روشن ملتا ہے تو کوئی دوسرا پہلوتا ریک دکھائی دیتا ہے۔ ایک طرف افراط ہے تو دوسری طرف تقریط۔ لیکن نبی ﷺ کی زندگی کا ہر گوشہ دوسرے گوشوں کے ساتھ پوری طرح متوازن بھی ہے اور پھر ہر گوشہ معاد ہے تو معاش بھی ہے، دین ہے تو دنیا بھی ہے، ایک گونہ بے خودی بھی ہے، مگر اس کے اندر خودی بھی کارفرما ہے۔ خدا کی عبادت ہے تو اس کے ساتھ بندوں کے لیے شفقت بھی ہے، کڑا اجتماعی نظم بھی ہے تو فرد کے حقوق کا احترام بھی ہے، گہری مذہبیت ہے تو دوسری طرف ہمہ گیر سیاست بھی ہے، قوم کی قیادت میں انہماک ہے، مگر ساتھ ساتھ ازدواجی زندگی کا بجھیرا بھی نہایت خوبصورتی سے چل رہا ہے، مظلوموں کی داد رسی ہے تو ظالموں کا ہاتھ

پکڑنے کا اہتمام بھی ہے۔ (۱)

نبوی کمالات اور انقلاب پر انوکھی تحریر

نبوی انقلاب اور کمالات و اوصاف پر ایک ایسی تحریر ملاحظہ فرمائیے: ”وہ جس کے غلاموں کی ہیبت سے شاہی ایوانوں میں زلزلے آتے، وہ جس نے انسانیت کو بہیمیت کے چنگل سے چھڑایا، وہ جس کی جبین تابناک سے نور حقیقت شعاعیں نکلیں، وہ جس نے رنگ و نسل اور حسب و نسب کے بجائے فضیلتوں کا نیا نصاب مرتب کیا، وہ جس کے محراب یقین میں کہکشاؤں کے جھرمٹ جھومنے لگے، وہ جس کے شرف سے انسان کی مٹی ہوئی قدریں پھر سے بحال ہوئیں، وہ جس کی بدولت حوا کی بیٹی کے برہنہ سر پر چادر آئی، وہ جس کی آمد سے ابلیسیت کے گھر میں صفت ماتم بچھ گئی، وہ جس کی وجہ سے رنگ و نسل کے بت پاش پاش ہوئے، وہ جس کی وجہ سے جبری زنجیروں میں جکڑے غلاموں کے سروں پر آزادی کا سورج طلوع ہوا، وہ جس کی وجہ سے سکتی انسانیت کے آنگن میں خوشیاں رقص سناں ہوئیں، وہ جس کے ظہور سے آسمانوں میں بھی خوشی کے شادیاں نہجے، وہ جس کے عرش بریں سے فرش بریں پر فروکش ہونے سے قلم و ستم کی تاریکیوں نے رخت سفر باندھا، وہ جس کی وجہ سے مقتل گاہوں میں خاک اڑی، وہ جس کی وجہ سے دامن شہر میں گلشن مہکے، وہ جس کی وجہ سے اجڑے چمن میں بلبل چٹکی، وہ جس کی وجہ سے پیاسی زمین میں رحم و کرم کا بادل برسا، وہ جس کے مشکبار نے مشام جاں کو معطر کیا، وہ جس کی وجہ سے نسل آدم کے بخت خفتہ پر پڑے نامرادی کے قفل ایک ایک کر کے ٹوٹنے لگے، وہ جس کی وجہ سے شجر بشر پر صدق و صفا، فقر و غنا، جود و سخا اور لطف و عطا کی شگفتہ کلیاں مہکیں، وہ جس کی وجہ سے کارخانہ قدرت کی روشنیاں عملی صورت میں مجسم ہوئیں، وہ جس کے لبوں کی ایک ہی جنبش نے گفتار کی دنیا کو عظمت بخشی، وہ جس کی وجہ سے منجمد سوچوں کے قلمرو انسان بھی اضطرابی تحریریں مرتب کرنے لگے، وہ جس کی وجہ سے جبین کائنات پر نوک قلم نے ایک عہد نامہ تحریر کیا، وہ جس کی وجہ سے بڑے بڑے ادیبوں اور انشاء

پردازوں نے تحریروں کا عنصر سیکھا، وہ جس کی وجہ سے جلتے ہوئے رہ گزاروں اور سلگتے ہوئے صحراؤں میں ٹھنڈے پانی کے چشمے پھوٹے، وہ جس کے تربیت یافتہ لوگوں نے فراعنہ، اکاسرہ، نماروہ، قیصرہ، شدادہ، قیادہ جیسے مخلوق خداوندی کا خاتمہ کیا، وہ جس کی وجہ سے تاریک خطوں کے گھپ اندھیروں میں نور ایمانی کی ہفت رنگ کی قوس و قزح بکھرنے اور مچلنے لگی، وہ جس کی محبت کا خورشید بین جابر سلطانوں کی قہر نائیوں سے تباہ اجڑی بستیوں پر طلوع ہوا، وہ جس کی وجہ سے چمنستانِ سعادت میں شگوفے پھوٹے، وہ جس کی ذات نے شب تاریک کی ظلمت میں مہر عالم افروز کی آمد کا مژدہ سنایا، وہ جس کی زبان مقدس سے نکلا ایک ایک حرف کفر و طاغوت کی شہ رگ کے لئے تیر و نشتر ثابت ہوا، وہ جس نے چشمِ زدن میں نگاہِ حیات کا نقشہ بدل دیا، وہ جس کی وجہ سے خاکدانِ گیتی کا ہر چہ ہدایت کے نور سے معمور ہوا، وہ جس نے چار سوئے گیتی میں شاہی و خسروی کو عدمِ افتخار قرار دیا، وہ جس نے افریقہ کے تپتے صحراء کے جشی اور برقانی خطہ کے سفید فام میں تقویٰ کو وجہ معیار قرار دیا، وہ جو غریبوں کا والی اور یتیموں کا مولیٰ بن کر آیا، وہ جس نے دشمنوں کے بیچ انہی کا زبان سے صادق اور امین کا لقب پایا، وہ جس کے خمسانہ جاوید کا نشہ سب پر چھایا، وہ جس کے لئے مدینہ کی دو شیرازوں نے ”طلع البدر علینا“ کا نعرہ لگایا، وہ جسے ریت کے ذروں اور درختوں کے پتوں نے سلامی دی، وہ جس کے گرد پا کے تصدقِ حجاز کے نخلستانوں کے چرواہے خلیفہ راشد بن گنے، وہ جس سے بے زبان مویشیوں نے بھی اپنی مظلومیت کی شکایت کی، وہ جس کے وجود مبارک آفتابِ عالم تاب سے اونچے پہاڑ، ریتیلے میدان، بہتی نہریں، سرسبز کھیت، برابر نور اور تابش حاصل کرتے رہے، وہ جس کا ابر ہاراں پہاڑ جنگلِ میدان ریگستان، باغِ نخلستان ہر جگہ برستا تھا، وہ جس کی نیرنگیاں اور جلوہ آرائیاں کبھی صدیق و فاروق ہو کر چمکتی تھیں، کبھی ذی النورین اور مرتضیٰ ہو کر نمایاں ہوتی تھیں، کبھی خالد و ابوعبیدہ اور کبھی سعد و جعفر طیار ہو کر سامنے آتی تھیں، کبھی ابن عمر و ابوذر، سلمان اور ابوذر داء ہو کر مسجد و محراب میں نظر آتی تھیں، کبھی ابن عباس، ابی بن کعب، زید بن ثابت، عبد اللہ بن مسعود کی صورت میں علم و فن کی درسگاہ اور عقل و حکمت کی دبستان بن جاتی تھیں، اور کبھی بلال و مصعب کی امتحان گاہوں میں نسلی کی روح اور تسکین کا پیام بن جاتی تھیں۔

مولانا گیلانیؒ کا البیلا انداز

سیرت پر لکھی گئی مختصر کتاب ”النبی الخاتم“ میں اس کے مولف نے جو البیلا انداز اپنایا ہے، اس کی انفرادیت بڑھنے سے تعلق رکھتی ہے، یہ اقتباس پڑھئے: ”یوں آنے کو تو سب ہی آئے، سب جگہ آئے (سلام ہو ان پر) کہ بڑی کٹھن گھریلوں میں آئے، لیکن کیا کیجئے کہ ان میں جو بھی آیا جانے ہی کے لئے آیا، پر ایک اور صرف ایک آیا اور آنے ہی کے لئے آیا وہی جو اگنے کے بعد پھر کبھی نہیں ڈوبا، چمکا اور چمکتا ہی چلا جا رہا ہے، بڑھا اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔“

سیرت رسول ﷺ سے امت مسلمہ کی غفلت

محسن انسانیتؐ کی سیرت از اول تا آخر خیر ہی خیر اور فوز و فلاح کی ضامن ہے، لیکن آج ہم ربیع الاول کی آمد پر اس نبیؐ کی جس قدر تعریف و توصیف کرتے ہیں عملاً اس سے اتنے ہی دور ہیں، امت کی حالت زار پر مولانا آزادؒ یوں ماتم کننا ہیں: ”جب تم اس ماہ کے واقعہ ولادت کی یاد میں خوشیاں مناتے ہو تو اس کی مسرتوں کے اندر تمہیں کبھی اپنا وہ ماتم بھی یاد آتا ہے جس کے بغیر اب تمہاری کوئی خوشی نہیں ہو سکتی۔ کبھی تم نے اس حقیقت پر بھی غور کیا ہے کہ یہ کس کی پیدائش ہے جس کی یاد کے لئے تم سر و سامان کرتے ہو؟ یہ کون تھا جس کی ولادت کے تذکرے میں تمہارے لیے خوشیوں اور مسرتوں کا ایسا عزیز پیام ہے، آہ! اگر اس مہینہ کی آمد تمہارے لئے جشن و مسرت کا پیغام ہے کیونکہ اس مہینے میں وہ آیا جس نے ہمیں سب کچھ دیا تھا، تو میرے لئے اس سے بڑھ کر اور کسی مہینے میں ماتم نہیں کیونکہ اس مہینے میں پیدا ہونے والے نے جو کچھ ہمیں دیا تھا وہ سب ہم نے کھو دیا، اس لئے ایک طرف اگر یہ ماہ بخشے والے کی یاد تازہ کرتا ہے تو دوسری طرف کھونے والوں کے زخم کو بھی تازہ ہو جانا چاہئے، تم اپنے گھروں کو مجلسوں سے آباد کرتے ہو مگر تمہیں اپنے دل کی اجوی ہوئی بستی کی بھی کچھ خبر ہے؟ تم کافوری شمعوں کی قندیلیں روشن کرتے ہو مگر اپنے دل کی اندھیری کو دور کرنے کے لئے کوئی چراغ نہیں ڈھونڈتے، تم پھولوں کے گلہستے سجاتے ہو مگر آہ! تمہارے اعمال حسد کا پھول مرجھا گیا ہے، تم گلاب کے چھنٹوں سے اپنے رومال و آستین

کو معطر کرنا چاہتے ہو مگر آہ! تمہاری غفلت کے تمہاری عظمت اسلامی کی عطر بیزی سے دنیا کے مشام روح یکسر محروم ہیں۔ کاش تمہاری مجلسیں تاریک ہوتیں، تمہارے اینٹ اور چوڑے کے مکانوں کو زیب و زینت ایک ذرہ نصیب نہ ہوتا، تمہاری آنکھیں رات رات بھر مجلس آرائیوں میں نہ جاگتیں، تمہاری زبانوں سے ماہِ ربیع الاول کی ولادت کے لئے دنیا کچھ نہ سنتی مگر تمہاری روح کی آبادی معمور ہوتی، تمہاری زبانوں سے نہیں مگر تمہارے اعمال کے اندر سے اسوہ نبیؐ کی مدح و ثنا کے لیے ترانے اٹھتے۔“ (۱)

حضرت مولانا عبد الماجد دریابادیؒ امت کی حالت کایوں رونا روتے ہیں: ”اگر آج ہم اس بڑے امین کے نقش قدم پر چلتے ہوتے تو ہم میں خیانت و بددیانتی کا گزر نہ ہوتا، اگر آج اس رؤف و رحیم کے پیرو ہوتے تو ہمارے دلوں میں ایک دوسرے سے بے اعتمادی و بدگمانی نہ ہوتی، اگر آج ہم نے اس فارحرا کے بیٹھنے والے کے آثار مبارک کو اپنا سرمہ چشم بنایا ہوتا تو ہمارے باطن میں کسی قسم کی گندگی باقی نہ رہ جاتی، اگر آج ہم فاتح بدر کی عظمت دل سے کرنے والے ہوتے تو مخالفین کے مقابلہ میں ہمیں شکستیں نصیب نہ ہوتیں، اگر آج ہم رحمۃ للعالمین کے پیام پر سچے دل سے ایمان رکھتے تو اپنی جیسی مخلوقات کے ساتھ بیگانگی اور مخالفت نہ ہوتی، اگر آج سچ بولنے اور سچ کے برتنے والے نبیؐ کے طریقے پر ہم قائم ہوتی تو جھوٹ کا ہماری آبادیوں میں نام و نشان ہی نہ ہوتا، اگر آج ہم کو اسم مبارک احمدؑ کی لاج ہوتی تو اللہ کی حمد و ثنا سے ہمیں اس قدر گریز نہ ہوتا، اگر آج ہم کو اسم گرامی محمدؐ سے عملاً کوئی واسطہ ہوتا تو اپنی موجودہ پستی و بدنامی سے یہ مراحل دور ہوتے، آج جبکہ سارے ملک میں میلاد مبارکؑ کی محفلیں آراستہ ہو رہی ہوں گی کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ان کے ساتھ ساتھ ہم اپنے خلوت خانہ قلب میں بھی کچھ دیر کے لیے ذکرِ پیمبر و یادِ رسولؐ کی محفل گرم کریں۔“

انسانیت آج بھی اسی در کی محتاج ہے

ذرا آج سے چودہ سال قبل کے انسانی معاشرہ پر نظر دوڑا سیے! آپ دیکھیں گے کہ اس وقت انسانی بد بختی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی، ساری انسانیت نہ صرف مسائل میں گھری ہوئی تھی بلکہ اپنی خودکشی کا سامان فراہم کر چکی تھی، قرآن مجید نے ”وکنتم علی شفا حفرة من النار“ (آل عمران: ۱۰۳) کی مختصر مگر جامع تعبیر کے ذریعہ اس دور کا نقشہ کھینچا ہے، دورِ جاہلیت میں وہ کون سا مسئلہ تھا جو انسانیت کے لئے ناسور نہ بنا تھا، انسانی زندگی کا وہ کون سا پہلو تھا جس سے انسانیت رسوا نہ ہوئی ہو، ایسے تاریک اور انسانیت سوز ماحول میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور ۲۳ سال کے مختصر عرصہ میں آپ نے وہ عظیم انقلاب پرپاس کیا کہ تاریخ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، حیات انسانی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے لئے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ سیرت نمونہ نہ ہو۔

آج انسانیت ایک بار پھر دورِ جاہلیت کی طرف لوٹ رہی ہے، جسے جاہلیت جدیدہ کہا جاسکتا ہے، اب جاہلی اطوار نیا لبادہ اوڑھ کر سامنے آرہے ہیں، دورِ جاہلیت کا وہ کونسا بگاڑ ہے جس کی ترقی یافتہ شکل موجودہ معاشرہ میں نہ پائی جاتی ہو، آج پھر انسانیت مسائل کے دلدل میں پھنس چکی ہے، دنیا ہر قسم کے نظاموں کو آزمایا چکی ہے، سارے نظام ہائے حیات انسانی مسائل کے حل میں ناکام ہو چکے ہیں اب انسانیت کے لئے ایک ہی نسخہ کارگر ثابت ہو سکتا ہے، اور وہ نسخہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے عملی استفادہ ہمیں مسائل کے دلدل سے نجات دلا سکتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں قیامت تک آنے والی انسانیت کے دکھ درد کا علاج پنہاں ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے ایک ایک پہلو کو محفوظ رکھنے کا اہتمام فرمایا ہے، حضرات صحابہ کرامؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال، عادت و اطوار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق تمام تفصیلات کو جس اہتمام کے ساتھ نقل فرمایا ہے، تاریخ انسانی میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے، امام ترمذیؒ کی ”شمال نبوی“ پر نظر ڈالئے، امام بخاریؒ کی ”الادب المفرد“ دیکھئے، علامہ ابن القیمؒ کی

شہرہ آفاق کتاب ”زاد المعاد“ پڑھئے، آپ کو حیرت ہوگی کہ ذاتِ رسول ﷺ سے متعلق باریک سی باریک تفصیلات تک کا احاطہ کیا گیا ہے، پچھلے پیغمبروں کی شریعت مخصوص علاقہ اور مخصوص مدت کے لئے ہوا کرتی تھی، اس لیے شریعت کی حفاظت کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا، لیکن آپ کی نبوت چونکہ زمان و مکان کے حدود سے بالاتر قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایک طرف آپ کی سیرت کے ایک ایک پہلو کو محفوظ کرنے کا اہتمام کیا تو دوسری طرف اس میں انتہاء درجہ کی جامعیت رکھی، اس میں جلال بھی ہے اور جمال بھی، اس میں شان توکل کا عروج بھی ہے اور احوال و ظروف کا صحیح ادراک بھی، سپاہیانہ جفاکشی اور قائدانہ احتشام بھی ہے اور راہبانہ زہد و سادگی بھی، اس میں خلوت کا سوز و گداز بھی ہے اور جلوت کے روح پرور نظارے بھی، اپنوں کے ایثار و قربانی کے لازوال نقوش بھی ہیں اور دشمنوں کی عداوت کی تیز و تند آندھیاں بھی، عشق و محبت کے والہانہ نمونے بھی ہیں اور دشمنوں کی جانب سے بغض و نفاق کی دہکتی آگ بھی، مشکلات و مصائب کے طوفان بھی ہیں اور فتوحات کی شاد کامیاں بھی، غرض یہ کہ پوری سیرت حرکت مسلسل، سراپا انقلاب، عمل بیہم، عزم جواں اور جوش رواں کی جیتی جاگتی تصویر اور حسین مرقع ہے، بقول ایک سیرت نگار کے: ”آپ ﷺ کی سیرت ایک فرد کی سیرت نہیں بلکہ ایک تاریخی طاقت کی داستان ہے، وہ زندگی کے کٹے ہوئے ایک درویش کی سرگزشت نہیں بلکہ ایک ایسی ہستی کی آپ بیتی ہے جو ایک اجتماعی تحریک کی روح رواں تھی، وہ محض ایک انسان کی سیرت نہیں بلکہ ایک انسان ساز کی روئیداد ہے، وہ عالم انسانیت کے معمار کی سیرت ہے، آپ کی سیرت غارِ حرا سے غارِ ثور تک، حرمِ کعبہ سے طائف کے بازاروں تک، امہات المؤمنین کے حجرہوں سے میدانِ جنگ تک، چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے۔“ اس جامعیت کے ساتھ سیرت کی دوسری حیرت انگیز خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر شعبہ میں کامل و مکمل ہے، سیرت رسول اللہ ﷺ کے جس شعبہ کو دیکھئے، ایسا لگتا ہے کہ آپ اسی کے لئے مبعوث کئے گئے تھے، دعا و مناجات کے باب کا مطالعہ کیجئے تو ایسا لگے گا کہ شاید حضور ﷺ کی زندگی کا سب سے اہم اور بنیادی شعبہ یہی ہے، غزوات و سرایا کا جائزہ لیں تو محسوس ہوگا کہ آپ ﷺ کا اصل کمال اسی کے اندر ہے، جو ہر شای اور مردم گری کی صفت

دیکھیں تو احساس ہوگا کہ شاید آپ کا سب سے بڑا امتیاز یہی ہے، گھریلو زندگی کا مطالعہ کیجئے تو ایسا نظر آئے گا کہ سب سے زیادہ عملیت، بے ساختگی اور لطافت و محبت کے نمونے اسی جگہ ملتے ہیں، صحابہ سے تعلقات کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ آپ ﷺ کی محبوبیت کا راز اسی میں پوشیدہ ہے، الغرض آپ ﷺ کی زندگی کا ہر شعبہ انتہائی کمال کو پہنچا ہوا نظر آتا ہے۔

سیرت محمدی دنیا کا آئینہ خانہ ہے

علاوہ ازیں آپ کی سیرت عجیب انقلابی تاثیر کی حامل ہے، یہ دراصل انسانی اصلاح کا جامع نظام العمل ہے، اس کی روشنی میں دنیا میں بسنے والی ہر قوم اپنی اصلاح کا سامان فراہم کر سکتی ہے، بقول علامہ سید سلیمان ندوی: ”سیرت محمدی دنیا کا آئینہ خانہ ہے، جس میں دیکھ کر ہر شخص اپنے جسم و روح، ظاہر و باطن، قول و عمل، زبان و دل اور طور و طریق کی اصلاح و درستی کر سکتا ہے، اسی لیے کوئی مسلمان قوم اپنی شائستگی اور ادب اخلاق کے لئے اپنے مذہب سے باہر اور اپنے رسول کی سیرت سے الگ کوئی چیز نہیں مانگتی اور نہ اس کو اس کی ضرورت ہے، سیرت محمدی دنیا کے اسلام کا عالمگیر آئینہ ہے، اسی کے مقابلہ سے حسن و قبح اور نیکی و بدی کا راز اس پر کھلتا ہے، اور چوں کہ کوئی انسانی کامل زندگی اس استیعاب اور استقصاء کے ساتھ دنیا کے سامنے موجود نہیں ہے اس لیے تمام تر انسانوں کے لیے یہی ایک کامل نمونہ ہے۔“

سیرت رسول امت مسلمہ کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے، یہی ہماری طاقت و قوت کا حقیقی سرچشمہ ہے، ہمارے دشمنوں کو بخوبی اندازہ ہے کہ مسلمان جب تک دامن رسول اللہ سے وابستہ رہیں گے انہیں زیر نہیں کیا جاسکے گا، ان کی ایمانی حرارت اور جوش ایمانی کا مقابلہ تیغ و تفنگ سے نہیں کیا جاسکتا، دشمنوں کو علم ہے کہ مسلمانوں میں پایا جانے والا سارا جوش و ولولہ سیرت رسول سے وابستگی کا نتیجہ ہے، اس لئے دشمن چاہتے ہیں کہ اس سیرت سے ہمارا رشتہ کمزور پڑ جائے، چنانچہ اس مقصد کے لئے وہ نہ صرف ہر قسم کے حربے استعمال کر رہے ہیں، بلکہ عالمی ذرائع ابلاغ استعمال کرتے ہوئے اس کے خلاف عالمی سطح پر مہم چلائی جا رہی ہے، چنانچہ ڈنمارک سے شروع کی گئی مذہب موم حرکت اسی مہم کا ایک حصہ ہے، ایسے میں ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان نبی کریم ﷺ سے اپنا

رشتہ مضبوط سے مضبوط تر کریں، انفرادی و اجتماعی سطح سے ایسے اقدامات کیے جائیں جن کے ذریعہ امت میں سیرتِ رسولؐ سے گہری وابستگی پیدا ہو جائے، صرف جلسے جلوسوں پر اکتفاء نہ کیا جائے، بلکہ سیرت سے وابستگی کے لئے عملی اقدامات کیے جائیں، ہماری زندگی سیرت کا جیتا جاگتا نمونہ بن جائے، روزمرہ کے معمولات میں سنتوں کا اہتمام کریں، بچوں کی تربیت سیرتِ رسولؐ کے خطوط پر کریں، ہر طبقہ اور پیشہ سے تعلق رکھنے والے افراد کے سامنے اس پیشہ سے متعلق اسوۂ نبویؐ پیش کریں، ہماری پستی کا یہی واحد علاج ہے، سیرتِ طیبہ سے دوری نے ہی ہمیں پستی کے غاروں میں ڈھکیلا تھا، آج اسی سے وابستہ ہو کر ہم سرخرو ہو سکتے ہیں۔

دوسرا باب

سیرت رسول اور ہمارا طرز عمل

سیرت رسول ﷺ اور ہماری ذمہ داریاں

ربیع الاول کی آمد کے ساتھ مسلمانوں میں ایک غیر معمولی جوش دیکھا جاتا ہے، ہر طرف سیرت النبی ﷺ کے جلسوں کا ایک سماں بندھ جاتا ہے، جگہ جگہ جشن کا منظر نظر آنے لگتا ہے، لوگ غیر معمولی جوش و خروش کے ساتھ جلسہ ہائے سیرت میں شرکت کرتے ہیں، ہر محلہ میں محافل میلاد النبی ﷺ کا انعقاد عمل میں آتا ہے، سیرت النبی ﷺ کے ان جلسوں کی اہمیت و افادیت اپنی جگہ مسلم ہے، لیکن سیرت رسول اللہ ﷺ سے متعلق ہماری ذمہ داریاں صرف جلسوں کے انعقاد سے ختم نہیں ہوتیں، سیرت کے جلسوں کے مثبت اثرات کے ساتھ ان کا منفی پہلو یہ ہے کہ مسلمان صرف جلسوں کے انعقاد ہی کو سب کچھ سمجھنے لگے ہیں، جبکہ سیرت رسول ﷺ سے وابستگی مسلمانوں پر عظیم ذمہ داری عائد کرتی ہے۔

اس وقت امت ایک نازک موڑ سے گزر رہی ہے، اس کی عزت و ذلت میں تبدیل ہو چکی ہے، دشمنوں کی یلغار ہے، عالم اسلام کی طاغوتی قوتوں کے آگے بے بس نظر آ رہا ہے، دنیا کے گوشہ گوشہ میں خون مسلم کی ارزانی ہے، مسائل کے اس دلدل سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے، وہ یہ کہ امت مسلمہ پورے طور پر سیرت رسول ﷺ سے وابستہ ہو جائے، سیرت رسول ﷺ اور اسوۂ حسنہ کو پوری طرح اپنی زندگی میں رائج کرنے کے لیے اجتماعی حیثیت سے امت کو کچھ عملی اقدامات کرنے ہوں گے، اس سلسلہ کا پہلا کام یہ ہے کہ ساری تحریکیں، جماعتیں اور ادارے ملک بھر میں مسلمانوں کو سیرت کے جلسوں کے انعقاد کے ساتھ ساتھ اہل علم طبقہ میں مختلف زبانوں میں سیرت کے علمی موضوعات پر مستند کتابیں عام کی جائیں، یہ جلسے اور پروگرام اور تعارف سیرت کی یہ مہم صرف ماہ ربیع الاول تک ہی محدود نہ رہے بلکہ سال کے بارہ مہینے وقفہ وقفہ سے ان کا انعقاد عمل میں آتا رہے، عصری اداروں اور کالجوں میں زیر تعلیم طلباء کے لیے ایسا نصاب تیار کیا جائے جو سیرت رسول ﷺ و سیرت خلفائے راشدین اور تاریخ اسلام پر مشتمل ہو، اسی طرح چھوٹے بچوں کے لئے ابتدائی درجہ کی عام فہم کتابیں تیار کی جائیں، سیرت رسول ﷺ سے استفادہ کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس کی

جانکاری حاصل کی جائے۔ امت کا بڑا طبقہ سیرت کی ابتدائی چیزوں سے نااہل ہے، عصری درسگاہوں میں زیرِ تعلیم مسلمان طلباء چونکہ ان کے کورس میں سیرت کا مضمون نہیں ہوتا سیرت سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں، تعارفِ سیرت کی اس مہم میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ سیرت کا ہر گوشہ سامنے آجائے، یہ ایک جامع ترین سیرت ہے، اس میں ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے کے لیے اسوہ پایا جاتا ہے، مختلف طبقات کے لیے الگ الگ موضوعاتی پروگراموں کا انعقاد بھی ممکن ہے، مثلاً تاجر طبقہ کے اجلاس میں رسول اکرمؐ کی تجارتی تعلیمات پر روشنی ڈالی جائے، خواتین کے اجلاس میں رسول اکرمؐ کی خواتین سے متعلق ہدایات ذکر کی جائیں، قائدین اور رہنماؤں کے اجتماع میں آپؐ کے قائدانہ کردار کو اجاگر کیا جائے، اساتذہ کے مجمع میں تعلیم و تدریس سے متعلق اسوہ نبویؐ کی توضیح کی جائے وغیرہ، تعارفِ سیرت کی اس مہم کو اگر منظم انداز میں رو بہ عمل لایا جائے تو اس کے بڑے اچھے اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔

سیرت رسول اور ہماری عملی زندگی

تعارفِ سیرت کے بعد دوسرا مرحلہ سیرت رسولؐ کو عملی زندگی میں اختیار کرنے کا ہے، اس وقت امت سیرت سے وابستگی کے لمبے چوڑے دعوے کرتی نظر آتی ہے، لیکن اسکی عملی زندگی سیرت رسولؐ سے بہت دور ہے، سیرت سے وابستگی دو طرح کی ہوتی ہے، ایک اعتقادی دوسری عملی، اعتقادی وابستگی کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کو خدا کا برحق رسول تسلیم کیا جائے اور آپؐ کی تعلیمات کو پاکیزہ تعلیمات مانا جائے، یہ صرف اعتقادی وابستگی ہے، عملی وابستگی یہ ہے کہ آپؐ کی سیرت اور آپؐ کے طور و طریق کو عملی زندگی میں نافذ کیا جائے، امت مسلمہ میں اعتقادی وابستگی تو پائی جاتی ہے لیکن عملی وابستگی میں کافی جھول پایا جاتا ہے، مسلمان نماز کی حالت میں تو سیرت رسولؐ کے پابند ہوتے ہیں، لیکن زندگی کے دیگر شعبوں میں وہ خود کو سیرت سے آزاد سمجھتے ہیں ایک مسلمان نماز ویسے ہی ادا کرتا ہے جیسے رسولؐ نے ادا کیا تھا لیکن اس کی تجارت اور معاشرت ویسی نہیں ہوتی جیسے رسولؐ نے کی تھی، اتباعِ سنت اور اسوہ حسنہ کو امت مسلمہ میں عام کرنے کے لئے ملت کے ذمہ داروں کو تعارفِ سیرت ہی کی طرح باقاعدہ مہم چلانا چاہئے، مختلف اداروں اور تحریکوں کے ذریعے نبویؐ کی

سنتوں کی عملی مشق کرائی جائے، گھروں میں والدین اور سرپرست حضرات بچوں کو سنتوں کی عملی تربیت دیں، کھانے کا موقع ہو تو کھانے کی سنتوں پر عمل کرایا جائے، سوتے وقت سونے کی سنتیں بتائی جائیں اور سنتوں کے مطابق سلایا جائے، لباس پہننے کا موقع آئے تو اس کی سنتیں یاد دلائی جائیں، اسی طرح دینی جماعتوں کے ذمہ داروں کی زندگی سیرت رسولؐ کا نمونہ ہو، مساجد میں یومیہ چند سنتوں کی جانب توجہ دلائی جائے، روزمرہ کی زندگی سے متعلق سنتوں کا مستند مجموعہ یاد کیا جائے، جس کو مسلم گھرانوں میں عام کیا جائے، آپؐ کی سنتوں میں اللہ تعالیٰ نے عجیب نورانیت رکھی ہے، سنتوں پر عمل سے دلوں میں نور پیدا ہوتا ہے، معاملات میں صفائی آتی ہے، معاشرتی زندگی سکون کا گہوارہ بن جاتی ہے۔

سیرت رسولؐ اور دعوت دین

سیرت رسولؐ کے متعلق مسلمانوں کی ایک اہم ذمہ داری دعوت دین کے لئے سیرت کا استعمال ہے، غیر مسلموں میں دعوت کے لئے سیرت رسولؐ کو مؤثر ذریعے کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے، سیرت رسولؐ کی دعوتی اہمیت پر رشتی ڈالتے ہوئے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: ”غیر مسلم طبقہ پر اتمام حجت کے دو طریقے ہیں: ایک طریقہ یہ ہے کہ ہم مسلمان اپنی عملی زندگی کو اسلام کی صداقت کا عملی نمونہ بنا کر پیش کریں اور ہماری عملی زندگی میں لوگ اسلام کی برکتیں اور رحمتیں دیکھ کر اسلام کو خجالت و ہدایت کا راستہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی کمالات اور آپؐ کے معجزانہ کیرکٹر لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے اور ہر طبقہ کو اس کی زبان، اس کی سمجھ اور اس کی استعداد کے مطابق سمجھانے کی کوشش کی جائے تاکہ رحمۃ للعالمینؐ اور صاحب غلق عظیم رسولؐ کی محبت لوگوں کے دلوں میں اتر جائے اور پھر اس محسن انسانیت کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات کو لوگ سچی مانتے پر اپنے آپ کو مجبور پانے لگیں۔ (۱)

(۱) فتاویٰ عزیز یہ ۴۱: بحوالہ اخلاق رسول اکرمؐ

سیرت رسول ﷺ اور دفاعِ سیرت

سیرت رسول کے دعوتی استعمال کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں مثلاً یہ کہ مختلف زبانوں میں سیرت سے متعلق مؤثر لٹریچر تیار کر کے عام کیا جائے، غیر مسلموں کے سامنے سیرت رسول کے رحمت والے پہلو کو رکھا جائے اور آپ کی وہ تعلیمات جو انسانی رواداری اور امنِ عالم پر مبنی ہیں رائج کی جائیں، مختلف تقریروں اور عیدوں کے موقع پر غیر مسلموں کو مدعو کر کے سیرت بیان کی جائے، اہل علم طبقہ کے لیے علمی انداز اختیار کیا جائے، مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے افراد کے الگ الگ اجلاس بھی منعقد کریں، اسی طرح مسلم ڈاکٹر، ڈاکٹروں کو مدعو کریں، تاجر حضرات غیر مسلم تاجروں کا اجلاس منعقد کریں۔

سیرت رسول سے متعلق ایک ذمہ داری سیرت کے دفاع کی ہے، خود مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا پیدا ہو چکا ہے، جو سیرت و سنت کا شدت سے منکر ہے، اب اس طرح کی ذہنیت کے حامل لوگوں میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے، ان حضرات کا کہنا ہے کہ امت کے سارے اختلاف اور مسائل کی بنیاد سنت و احادیث ہیں، صرف کتاب اللہ تھامے رہنا چاہئے، یہ لوگ عمل بالکتاب کے عنوان سے قرآن سے دور ہو رہے ہیں اسلئے کہ انکارِ حدیث دراصل انکارِ قرآن ہی کی ایک شکل ہے، سیرت و سنت سے متعلق ان حضرات کے شبہات کا دور کرنا علماء امت کی اہم ذمہ داری ہے، یہ کام منظم طور پر انجام دیا جانا چاہئے، جن جامعات میں تخصصات کے شعبہ جات قائم ہیں، وہاں اختصاص فی الحدیث کے طلبہ کو فتنہ انکارِ حدیث کے موضوع پر تیار کرنا چاہئے، علمی دفاع کا کام دیر طلب ہے، خاموش طریقہ سے ایسے علماء تیار کئے جائیں جو منکرینِ حدیث کے ہر شبہ کا جواب دے سکتے ہوں، اسی طرح اس وقت مسلمانوں کو بچانے کا مسئلہ ہے جو آئے دن فتنہ انکارِ حدیث سے متاثر ہوتے جا رہے ہیں، منکرینِ حدیث میدان میں پوری طرح سرگرم ہو چکے ہیں، شہر کے مختلف مقامات پر ان کے پروگرام منعقد ہو رہے ہیں اور نوجوانوں کو برگشتہ کیا جا رہا ہے، اس کے لیے علماء حضرات اپنے خطبوں اور جلسوں میں خصوصیت کے ساتھ اس موضوع کو زیر بحث لائیں۔

سیرت سے وابستگی کے نتیجہ میں عائد ہونے والی ایک اہم ذمہ داری تحفظِ ختمِ نبوت کی ہے،

بہت سادہ لوح مسلمان قادیانیت کا شکار ہو رہے ہیں، عام مسلمانوں کے ذہنوں میں ختم نبوت کا واضح تصور نہیں ہے، اضلاع اور دیہاتوں میں قادیانیت سرگرم ہے، شہروں میں بھی کافی سرگرمیاں جاری ہیں، ربیع الاول کے موقع پر سیرت النبیؐ کے جلسوں کی بھرمار ہوتی ہے، ان جلسوں میں ختم نبوت کے موضوع پر تفصیلی روشنی ڈالی جاتے، علاوہ ازیں مختلف تحریکات کے ذمہ دار حضرات قادیانیت سے متاثرہ مقامات کا دورہ کر کے مسلمانوں کے عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ کریں، قادیانیت کا فتنہ جس تیزی سے پھیلتا جا رہا ہے، امت مسلمہ میں اسی قدر غفلت پائی جاتی ہے، سیرت رسولؐ سے وابستگی کا تقاضہ ہے کہ ہم ختم نبوت کے تحفظ کے لیے ہر چیز کی قربانی کے لیے تیار ہو جائیں۔

ربیع الاول کے موقع سے سیرت کے عنوان سے آج جو کچھ کہا جاتا ہے اس کا تعلق صرف زبانی خرچ سے ہوتا ہے، جب کہ سیرت سے متعلق عملی ذمہ داریوں سے جی چرایا جاتا ہے، اس وقت امت کو سیرت سے وابستہ کرنے کے لیے ٹھوس عملی اقدامات کی ضرورت ہے۔

سیرت رسول اکرم ﷺ کا پیغام

ماہ ربیع الاول اور محافل سیرت

ماہ ربیع الاول کی آمد کے ساتھ ہی بڑے جوش و خروش کے ساتھ محافل سیرت کا انعقاد عمل میں آتا ہے، چھوٹے بڑے پیمانے پر جلسے منعقد ہوتے ہیں، ہر طرف سیرت کے تذکرے ہوتے ہیں، ہر زبان پر رسول پاک کا نام ہوتا ہے، رسول اکرم ﷺ کی زندگی کے مختلف گوشوں کو اجاگر کیا جاتا ہے، کہیں آپ کی مکی زندگی پر روشنی ڈالی جا رہی ہے تو کہیں آپ کی مدنی زندگی کو پیش کیا جا رہا ہے، کہیں حضور کے معاشرتی پہلو کو نمایاں کیا جا رہا ہے تو کہیں آپ کے سیاسی گوشے کی وضاحت کی جا رہی ہے، ربیع الاول کی آمد کے ساتھ ہمارے ذہن میں حضور کی ساری زندگی گھوم جاتی ہے، آپ ﷺ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ رہ کر یاد آنے لگتا ہے، کبھی جنگ احد میں دندان مبارک کے شہید ہونے کا واقعہ دل کو ہلا دیتا ہے تو کبھی طائف میں بے یار و مددگار جسم اطہر کا لہولہان ہونا ہمیں بے چین کر دیتا ہے، کبھی مکہ کی گلیوں میں کفار مکہ کے سب و شتم کو یاد کر کے تڑپ جاتا ہے تو کبھی حالت نماز میں سر مبارک پر اوجھ کے ڈالے جانے کا واقعہ بے قرار کر دیتا ہے۔

بلاشبہ سیرت کی یہ محفلیں باعث صدر شک ہیں، حضور کے یہ تذکرے دنیا و آخرت میں سعادت کا ذریعہ ہیں، مبارک ہیں وہ زبانیں جو ذکر رسول سے تر ہیں، مبارک ہیں وہ کان جنہیں حضور کا مبارک تذکرہ سننے کا شرف حاصل ہو رہا ہے، لیکن کیا صرف ان ہی چند چیزوں سے حضور کی سیرت کا حق ادا ہو جائے گا؟ جلسوں میں شرکت اور محافل سیرت کے انعقاد سے ہماری ذمہ داری پوری ہو جائے گی؟ ماہ ربیع المنور کی آمد کے ساتھ ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ اس مہینہ میں جس مبارک ذات کی سیرت بیان کی جاتی ہے آخر اس کا پیغام کیا ہے؟ سیرت رسول کے پیغام کے دو پہلو ہیں اور ان دونوں گوشوں کی طرف قرآن مجید میں اشارہ بھی کیا گیا ہے، آپ کی سیرت کے پیغام کا ایک پہلو تو وہ ہے جس کے مخاطب مسلمان ہیں جو رسول اکرم ﷺ کو اپنا رسول اور دنیا و آخرت کی کامیابی کا ضامن سمجھتے ہیں جو آپ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور آپ کے ذکر میں راحت قلب محسوس کرتے

ہیں، اور دوسرا پہلو وہ ہے جس کی مخاطب ساری انسانیت ہے، مسلمانوں کے لیے سیرت کا پیغام یہ ہے کہ آج بھی آپؐ کی سیرت ہمیں چھنچھوڑ رہی ہے اور ہمارے قول و فعل اور ظاہر و باطن کے تضاد پر ماتم کناں ہے، آپؐ کی سیرت ہمارے سامنے صحابہ کرام کی کامیاب زندگیوں کو پیش کر کے دو ٹوک انداز میں ہم سے کہہ رہی ہے کہ تاریخ کے جس دور میں بھی مسلمانوں مجھے اپنے سینے سے لگایا اور میری روشنی میں اپنی زندگی کے خدوخال درست کئے کامیاب و کامران رہے اور دنیا کے ایک بڑے حصے پر حاکم ہوئے اللہ نے انہیں خلافت ارضی سے نوازا کہ گو کہ وہ تعداد میں بہت کم تھے لیکن دنیا نے ان کا لوہا مانا اور آج کے مسلمانوں کو مسائل نے اس لیے گھیر رکھا ہے چونکہ انہوں مجھے (سیرت رسول) پس پشت ڈال دیا ہے، مسلمانوں کو ”سیرت“ کی صورت میں ایک نہایت پاکیزہ زندگی دی گئی تھی جو دنیا و آخرت کی کامیابی ضامن تھی لیکن انہوں نے اس کی ناقدری کی اور قعر مذلت میں گر گئے۔

سیرت سبب انقلاب حیات

رسول اکرم ﷺ کی سیرت کے سلسلے میں خاص بات قرآن میں یہ ذکر کی گئی ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی نمونہ ہے، قرآن اہل ایمان کو خطاب کر کے کہتا ہے ”رسول اکرم کی ذات میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے“ (۱) آپؐ کی سیرت (زندگی) کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ دیگر انسانوں کے مجر العقول واقعات کی طرح اس کو لطف اندوزی یا وقت گزاری کے لئے پڑھا جائے اور عمل سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو بلکہ اس کو تو روز اول ہی سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے بہترین نمونہ قرار دیا ہے، اس پاک سیرت میں حیات انسانی کے ہر پہلو کا نمونہ پایا جاتا ہے، تاجر کے لئے تجارت کا، قائد کے لئے قیادت کا، استاد ہو تو معلمی کا، شاگرد ہو تو شاگردی کا، شوہر ہو تو کامیاب شوہر کا، باپ ہو تو شفیق باپ کا، غرضیکہ زندگی کے ہر شعبے اور ہر انسانی طبقہ کے لئے رسولؐ کی سیرت میں نمونہ ہے آپؐ کی سیرت دراصل ایک مکمل دستور حیات ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن اگر الفاظ کی شکل میں

(۱) لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (الاحزاب: ۲۱)

نظام الہی ہے تو آپ کی زندگی اس نظام کی عملی تفسیر ہے، اسی طرح قرآن اگر اسلام کا اخلاقی نظام کتاب کی شکل میں پیش کرتا ہے تو رسول کی سیرت اس کا عملی نمونہ پیش کرتی ہے نیز قرآن اگر ”فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ“ (۱) کہہ کر عفو و درگزر کا حکم کرتا ہے تو عفو و درگزر کے بے شمار واقعات حضورؐ کی زندگی میں اس قرآنی حکم کی تشریح کرتے نظر آتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عائشہؓ سے آپؐ کے اخلاق کریمہ کے بارے میں کسی نے یہ سوال کیا کہ آپؐ کے اخلاق کیسے تھے؟ تو ام المؤمنین نے صاف کہہ دیا کہ حضورؐ کے اخلاق جاننا چاہتے ہو تو قرآن کے صفحات کھولو، جو کچھ قرآن میں تم نے اسلامی طور و طریقے اور خدا کی مطلوب زندگی پاؤ اس کی عملی صورت حضورؐ کی زندگی تھی، بنیادی طور پر آپؐ کی سیرت حرکت، تموج انقلاب اور عمل سے عبارت ہے، سیرت سے وابستگی یا صاحب سیرت سے محبت کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے آپ کو ہم نے ایک ایسے دستور حیات سے منسلک کر لیا جو چوبیس گھنٹے زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی کے لئے تیار کھڑا رہتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہر مومن کے لئے زندگی کے کسی لمحے سیرت رسولؐ سے چھٹکارا نہیں وہ جہاں جائے گا اور جس ماحول میں رہے گا سیرت اس کا ساتھ نہ چھوڑے گی، وہ اس بات کی محتاج نہیں کہ کچھ لوگ اس کو پڑھ کر سنائیں اور جلسوں میں اس سمجھائیں اور اس کو یاد کرائیں، وہ تو ایک مومن کی عملی زندگی کا حصہ ہے چوبیس گھنٹے ایک مومن کو اپنے عمل سے سیرت رسولؐ کی ترجمانی کرنی ہے اس طور پر کہ اس کی ہر ادا رسولؐ کی ادا بن جائے، رسولؐ کا آئینہ دار بن جائے، صحابہ نے کچھ ایسا ہی کر دکھایا، انہیں ذکر رسولؐ کے لئے اہتمام کی اس لئے ضرورت نہیں تھی کہ خود ان کی زندگی سیرت کی ترجمانی تھی ان میں سے کسی کو حضورؐ کی سیرت معلوم کرنے کے لئے کسی کتاب یا کسی مقرر کی ضرورت نہ تھی ان میں کوئی سیرت رسولؐ کے جلال کا پرتو تھا تو کوئی اس کے جمالی پہلوؤں کا آئینہ تھا، صدیقؓ میں رسولؐ کا جمال کا فرما تھا تو فاروقؓ نبی کے جلال کی جھلک تھا ابوذرؓ میں آپؐ کی زاہدانہ زندگی کا اثر تھا تو معاویہؓ میں آپؐ کی شان بادشاہی کا فرما تھا ہر صحابی حیات رسولؐ کے کسی نہ کسی گوشے کا ترجمان تھا، اس پاک سیرت کو

اپنانے ہی کا نتیجہ تھا کہ مٹھی بھر انسانوں نے ساری دنیا کو انقلاب سے آشنا کر دیا اور کائنات کے شب و روز بدل دیئے لیکن جوں جوں ان مقدس انسانوں سے دوری پیدا ہوتی گئی اور جوں جوں سیرت رسول کو مسلمانوں نے اپنی عملی زندگی سے نکال کر کتابوں کے صفحات میں محفوظ کرنے پر اکتفاء کیا، ذلت و نکبت نے انہیں گھیر لیا، تباہی منہ کھول کر ان کی طرف بڑھنے لگی اور بد بختی کے منحوس سائے ان سے قریب ہوتے گئے، اس لئے کہ ہر طرح کی کامیابی کی ضمانت اس پاک سیرت میں ہے اس کو چھوڑنا دراصل اپنے آپ کو تباہی کے حوالہ کرنا ہے آج ہم سیرت سے دوری کا خمیازہ بھگت رہے ہیں ایسے مصائب و آلام کا شکار ہو چکے ہیں کہ سب کچھ اپنے ہاتھوں کا کیا ہے، یہ واقعہ ہے کہ سیرت رسولؐ کے ساتھ ہمارا رویہ بڑا ظالمانہ ہو چکا ہے ہم نے سیرت کو صرف سننے اور سر دھننے کی حد تک محدود کر رکھا ہے عمل کا مرحلہ جب آتا ہے تو سیرت رسولؐ سے محبت کے سارے دعوے بے حقیقت ہو جاتے ہیں، ایک طرف ہم یہ کہتے نہیں تھکتے کہ رسولؐ کی زندگی ہی میں کامیابی ہے دوسری جانب ہمارا طرز عمل بزبان حال یہ اعلان کر رہا ہوتا ہے کہ کامیابی تو غیروں کے اصولوں میں ہے قول و عمل اور زبان و دل کا یہ تضاد پتہ نہیں ہمیں کہاں لے جائے گا اور کس گڑھے میں پھینک دے گا۔

محافل سیرت کو تہوار نہ بناؤ

ربیع الاول کا یہ مہینہ ہر سال آتا ہے اور جاتا ہے، ہر سال سینکڑوں سیرت کے جلسے اور محفلیں منعقد ہوتی ہیں ان میں آپؐ کی سیرت طیبہ بڑی تفصیل سے بیان کی جاتی ہے، لیکن اس سب کا ہماری زندگی پر کوئی اثر نہیں ہوتا ایسا لگتا ہے کہ ایک تہوار تھا آیا اور گھیا برق کا ایک شرارہ تھا چکا امت کا سانحہ یہ ہے کہ بے حسی بڑھتی ہی جا رہی ہے اس کی اسباب مرض کی تلاش کی فرصت ہی نہیں، ہم اس مسئلہ پر سنجیدگی سے سوچیں اور ان وجوہات کی کھوج لگائیں جو سیرت سے استفادہ کی راہ میں رکاوٹ بن رہی ہیں، ہمارے لیے سیرت کے بے فیض ہونے کے کئی اسباب ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ قرآن سراسر کتاب ہدایت ہے لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ دل بھی اس

سے استفادہ کے قابل ہوں، اسی لیے کہا گیا ”ہدی للمتقین“ (۱) وہ متقین کے ہدایت ہے، یہی کچھ حال سیرت کا ہے، اس سے ہر شخص مستفید نہیں ہو سکتا جب تک آدمی سرچشمہ سیرت سے مستفیض ہونے کی صلاحیت نہ ہو سیرت کا عظیم سرمایہ بے فیض ہے اس کے لئے سب سے پہلے آدمی میں بے پناہ طلب کا ہونا اشد ضروری ہے ساتھ ہی اس بات کا احتضار ہو کہ یہ اس عظیم ہستی کی سیرت ہے جس نے ساری انسانیت پر احسان کیا اور ایک ایسا نظام حیات پیش کیا جو دنیا و آخرت کی کامیابی کا ضامن ہے، جب کبھی کسی محفل یا سیرت یا جلسہ میں شرکت یا سیرت کی کسی کتاب کا مطالعہ کا موقعہ ہو تو اس بات کا پختہ ارادہ ہو کہ اس وقت سیرت رسولؐ کے جن گوشوں پر بھی روشنی ڈالی جائے گی ہم انہیں عملی جامہ پہنائیں گے، جلسہ سیرت میں اگر رسولؐ کی دعوتی سرگرمیوں کا ذکر چھڑ جائے تو ہم اس جلسہ سے دعوت کا جذبہ لے کر اٹھیں اگر اس میں آپؐ کے حسن اخلاق کے نمونے پیش کیے جائیں تو وہ جلسہ ہمیں نبوی اخلاق سے قریب کرنے کا ذریعہ بنے، مختصر یہ ہے کہ جلسوں میں سیرت کا جو گوشہ ہمارے سامنے لایا جائے ہم اسے اپنائیں، اس کے لئے نہایت ہی عقیدت و احترام کے ساتھ سننا بھی ضروری ہے، آج کل کے سیرت کے جلسوں کا عجیب حال ہوتا ہے اگر کچھ لوگ جلسہ گاہ میں بیٹھے سن رہے ہوتے ہیں تو کچھ لوگ گپ شب اور چائے نوشی میں مصروف نظر آتے ہیں ایک طرف رسول پاکؐ کا مبارک ذکر ہو رہا ہے تو دوسری طرف اس سے بے التفاتی کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے، ہم یہ نہیں سوچتے کہ غیر شعوری طور پر ہم شان رسالتؐ میں گستاخی کئے جا رہے ہیں۔

سیرت نگاری کی ذمہ داری

دنیا کے موجودہ حالات میں سیرت کے جلسوں کی بڑی افادیت ہے، بشرطیکہ انہیں مقصد بنایا جائے، ان جلسوں سے بہت کچھ اصلاح کا کام انجام دیا جاسکتا ہے، سیرت کے عنوان سے امت کو ایک پلیٹ فارم پر لایا جاسکتا ہے اگر امن سیرت رسولؐ پر مجتمع ہو جائے تو پھر سارے اختلافات ختم ہو سکتے ہیں، اس سلسلہ میں علماء کی ذمہ داری بڑی نازک ہے، علماء کو چاہئے کہ وہ مقام رسالت کے

ساتھ سیرت کے عملی اور انتھابی پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالیں، اور جلسوں کی وقتی تاثیر کو دیرپا تاثیر میں تبدیل کرنے کی کوشش کریں زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والوں میں رسول اکرمؐ کی سیرت کے مختلف گوشوں کو اجاگر کریں۔

سیرت رسولؐ کے پیغام کا دوسرا پہلو جس کی مخاطب ساری انسانیت ہے یہ ہے کہ اللہ نے ساری انسانیت کے لئے آپؐ کی ذات کو رحمت بنا کر بھیجا ہے، اس لحاظ سے آپؐ کی سیرت ساری دنیا کے لئے رحمت کا پیغام ہے، حالات بتا رہے ہیں کہ آج پھر انسانیت اسی طرح تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے جس طرح رسولؐ کی آمد سے پہلے تھی رسولؐ کی بعثت کے بعد جب انسانوں نے ان کی پاک سیرت کو اپنایا تو انہیں تباہی سے نجات ملی، آج بھی ساری انسانیت کے لیے تباہی سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ سیرت رسولؐ سے وابستہ ہو جائے۔

سائنس کی بے پناہ بلندیوں کے باوجود آج انسان امن و سلامتی سے محروم ہے، آئے دن تباہی کے نئے نئے آلات ایجاد کئے جا رہے ہیں، جوہری بموں کی وجہ سے سارے کرۂ ارض کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے، نسلی منافرت اور کالے گوروں کا امتیاز سرچڑھ کر بول رہا ہے، وحدت بنی آدم کا تصور ناپید ہوتا جا رہا ہے، دو عالمی جنگوں کے بعد دنیا تیسری جنگ عظیم کے دہانے پر آ کھڑی ہے، فضاء کا ذرہ ذرہ امن و سکون کو ترس رہا ہے، سارے نظامہائے زندگی انسانیت کے مسائل حل کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں، ایسے میں انسانیت کی نجات کا واحد راستہ سیرت رسولؐ ہے، وہی پاک سیرت جس نے چودہ سو سال قبل سکتی انسانیت کو تباہی سے بچالیا تھا

عشق رسول جز ایمان ہے

ایک مؤمن پیغمبر سے تعلق محض قانونی انداز کا نہیں ہے، بلکہ اس تعلق کی بنیاد حد درجہ محبت اور والہانہ عقیدت پر رکھی گئی ہے، کتاب و سنت کے اشارات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ محبت رسولؐ کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا، چنانچہ حضرت انسؓ کی روایت ہے: ”لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ

اكون احب اليه من والده وولده والناس اجمعين“۔ (۱) (تم میں کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں)۔ عملی زندگی میں اس کی واضح مثال حضرت عمر بن خطابؓ کا واقعہ ہے، عبداللہ بن ہشام فرماتے ہیں: ”ہم لوگ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ ﷺ عمر بن خطابؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے میری جان کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں، اس پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: نہیں! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تمہارا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا، یہاں تک کہ میں تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں، حضرت عمرؓ نے عرض کیا: اب اللہ کی قسم! آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں، اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: اب اے عمر! (تم پکے مسلمان ہو گئے)۔ (۲)

محبت رسول کے بغیر ایمان کا تصور ممکن نہیں، اس لئے کہ رسولؐ کی محبت مؤمن کا سرمایہ حیات ہے، ہر مسلمان کا سینہ عشق رسولؐ سے ہمیشہ معمور رہتا ہے، محبت رسولؐ ایمان کا لازمی عنصر ہے، اس کو تو ہر مسلمان اچھی طرح سمجھتا ہے۔

عشق رسول کا پہلا تقاضہ

لیکن عام مسلمانوں کو محبت رسولؐ کی حقیقت سمجھنے میں بڑی غلط فہمی ہوتی ہے، یہی بھی ذات سے محبت اپنے پیچھے کچھ تقاضے رکھتی ہے اور ایک محب صادق محبوب سے تعلق کی بنیاد پر مائد ہونے والے تقاضوں کا پورا پاس و لحاظ رکھتا ہے اور وہ محبت جس کے تقاضوں کی تکمیل نہ کی جاتی ہو، اس جسم کے ماتہ ہے جس سے روح نکل چکی ہو، اس لئے کہ محبت تقاضوں کی تکمیل ہی سے باقی اور سرسبز

(۱) بخاری باب حب الرسول من الایمان حدیث: ۱۵

(۲) لا والذی نفسی بیدہ حتی اكون احب الیک من نفسک (بخاری باب کیف کانت یمین

النبی ﷺ حدیث: ۶۲۵۷)

و شاداب رہتی ہے، تقاضوں کی تکمیل کے بغیر زبانی اظہارِ محبت کی مثال اس دعوے کی سی ہے جو دلیل سے خالی ہو، اظہارِ محبت اگر دعویٰ ہے تو اس کے تقاضوں کی تکمیل اس دعویٰ کی دلیل ہے، اور ظاہر ہے کہ دلیل بغیر دعویٰ کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، اس وقت مسلمانوں کی جانب سے محبت رسولؐ کے زبانی دعوے عروج پر ہیں، لیکن اس محبت کے تقاضوں کو بالکل نظر انداز کیا جا رہا ہے، جب کہ اصل اہمیت تقاضوں کی ہے، قرآن مجید میں کامیابی کا انحصار صرف ایمان کے زبانی دعوے پر نہیں رکھا گیا، بلکہ ایمان کے ساتھ ہر جگہ عمل صالح کو بھی ضروری قرار دیا گیا ہے، جو ایمان کا تقاضہ ہے، محبت رسولؐ کے بہت سے تقاضے ہیں، اس کا سب سے پہلا اور اہم تقاضہ یہ ہے کہ زندگی کے تمام شعبوں میں رسولؐ کی اطاعت کی جائے، دنیا میں جتنے رسول اللہ تعالیٰ نے بھیجے، سب کا یہی مقصد تھا کہ ان کی اطاعت کی جائے، ارشادِ ربانی ہے: ”وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ“ (۱) ”ہم نے جو رسول بھیجا ہے، اسی لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے ان کی اطاعت کی جائے، علاوہ ازیں رسولؐ کی اطاعت کے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں، ”من یطع الرسول فقد اطاع اللہ“ (النساء: ۸۰) ”جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی“ اطاعت رسولؐ کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں بکثرت اللہ تعالیٰ کے ساتھ رسولؐ کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا ہے، چنانچہ ”أطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول“ جیسی آیات بڑی تعداد میں پائی جاتی ہیں، نیز جگہ جگہ اطاعت رسولؐ کے فوائد کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

دوسرا تقاضہ

محبت رسولؐ کا دوسرا تقاضہ اتباع ہے، اگرچہ اطاعت اور اتباع میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے، لیکن قرآن میں اطاعت کی طرح اتباع کی بھی تائید کی گئی ہے، اتباع کے معنی نقش قدم پر چلنے کے ہیں، رسول ﷺ کا سچا عاشق وہی ہے جو زندگی کے تمام معاملات میں رسولؐ کے نقش

قدم پر چلے، ایک جگہ محبت الہی کے دعویداروں سے کھلے انداز میں کہا گیا: ”قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی“ (۱) ”اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، ایک اور جگہ فرمایا: ”واتبعوہ لعلکم تہتدو“ (۲) ”اس کی پیروی کرو شاید تم ہدایت پاؤ“ اسی مضمون کو رسول کریم ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا: لا یؤمن احدکم حتی یكون ہواہ تبعاً لما جئت بہ“ (۳) ”تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہو سکتا، یہاں تک کہ اس کی خواہشات میری لائی ہوئی تعلیمات کے تابع نہ ہو جائیں۔“

تیسرا تقاضہ

محبت رسول کا ایک تقاضہ آپ کی توقیر و تعظیم ہے، قرآن میں اہل ایمان کو اس کی رعایت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا: یا ایہا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجہروا لہ بالقول کجہر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون“ (النحرات: ۲) اے ایمان والو! اپنی آواز و نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبی کے ساتھ اونچی آواز سے بات کرو، جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کر یا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو، ادب و احترام کا حکم جیسے آپ کی مسجد اور آپ کے روضہ اقدس سے متعلق ہے کہ اس کے پاس آواز بلند نہ کی جائے، اسی طرح آپ کے ارشادات کے پڑھنے اور سننے کے وقت بھی ادب و احترام ملحوظ رکھا جائے، حتیٰ کہ آپ سے منسوب اشیاء اور اشخاص کا بھی احترام کیا جائے، اسلاف اس کا پورا لحاظ رکھتے تھے، امام مالکؒ نے تمام عمر مدینہ میں بسر کی اور شہر رسولؐ کا اتنا احترام کرتے تھے کہ مدینہ کے حدود میں بول و براز تک نہیں کیا، ایک شخص نے کہا مدینہ کی مٹی خراب ہے، امام مالکؒ نے فتویٰ دیا کہ اسے تیس درے مارے جائیں اور قید کیا جائے، پھر فرمایا کہ ایسا شخص تو اس لائق ہے کہ اسی کی گردن اڑادی

جائے۔ (۱)

محبت رسول کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے کہ اپنے تمام مسائل و معاملات میں رسول ﷺ کو ہی حکم تسلیم کیا جائے اور خدا اور رسول کے فیصلوں کو بخوشی قبول کیا جائے، ارشادِ خداوندی ہے کہ: ”فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموا فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیمًا“ (النساء ۶۵) ”تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں تم کو حکم نہ مانیں، کہ تم جو فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں، بلکہ سر بہ تسلیم کریں۔“ سچے عاشق رسول کا یہ شیوہ ہونا چاہئے کہ زندگی کے ہر معاملہ میں نفس و شیطان اور طاغوتی قوتوں کے بجائے رسول کو حکم بنائے اور شریعت کے فیصلے پر راضی ہو جائے۔

چوتھا تقاضہ

محبت رسول کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے کہ اہل ایمان کسی طرح سے ایذاء رسول کا سبب نہ

(۱) اور کچھ عرصہ کے لیے قید بھی کر دیا جائے تاکہ اس کا دماغ ٹھیک ہو جائے کسی نے سوال کیا کہ آپ نے اتنا سخت فتویٰ کیوں دیا ہے آپ رح نے جواب دیا کہ یہ تو گردن زدنی کے قابل تھا بھلا جس زمین پر میرے آقا کے مبارک قدم لگے ہوں وہ مٹی کس طرح خراب ہو سکتی ہے، کے اصطبل میں بہت سے عمدہ نسل کے گھوڑے اور خیر تھے مگر یہ کبھی مدینہ منورہ کی گلیوں میں سوار ہو کر نہیں نکلے۔ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے جس زمین پر رسول اللہ ﷺ پیدل چلتے تھے، اس کو میں گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندوں یہ کیسے ممکن ہے۔ خدا کی قسم! یہ پلکیں پچھانے کا مقام ہے۔

وہ زمیں ہے تو، مگر اے خواب گاہِ مصطفیٰ ﷺ!

دید ہے کعبہ کو تیری حجِ اکبر سے سوا (اقبال)

ایک مرتبہ عباسی خلیفہ مہدی نے انہیں دربار خلافت میں بلا بھیجا، اس وقت یہ زیادہ بیمار تھے اس لئے ان کے لئے سواری بھی بھیجی گئی کہ اس پر سوار ہو کر آجائیں۔ آپ نے یہ سواری دیکھ کر بہت افسوس کیا اور فرمایا: ”افسوس! جن گلیوں میں رسول اللہ ﷺ پیدل چلتے تھے ان میں سوار ہو کر نکلوں۔“ انہوں نے سواری واپس بھیج دی اور بیماری کی حالت میں گرتے پڑتے خلیفہ سے ملنے پہنچے۔ (تاریخ ابن خلکان: ۲/۲۰۰،ستان المحدثین: ۷)

نہیں، قرآن مجید میں ارشاد ہے: ”وما کان لکم ان توذوا رسول اللہ“ (الاحزاب ۵۳): ”تمہارے لئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ اللہ کے رسول کو تکلیف دو“ مؤمن کو چاہئے کہ وہ ہر اس حرکت سے باز رہے جو رسول کی تکلیف کا باعث بنتی ہو، اسے صحابہؓ اور ازواجِ مطہراتؓ کو بھی ہدفِ تنقید نہ بنانا چاہئے اس لیے یہ بھی ایذا رسول ہے، ایذا رسول کے معنی ہیں کہ رسولؐ کے تحت بہت سی باتیں آتی ہیں مثلاً رسولؐ کی سنتوں سے بے اعتنائی بھی ایذا رسول میں داخل ہے، نیز احکامِ شریعت میں رسولؐ کی خلاف ورزی بھی ایذا رسول ہے، محبت رسولؐ کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھنے کا اہتمام کیا جائے، قرآن میں بھی اس کی تاکید کی گئی ہے، درود کے بے شمار فوائد و برکات ہیں، ہر نیک عمل میں قبولیت و عدم قبولیت کے امکانات ہوتے ہیں، لیکن درود ایک ایسا عمل ہے جس کا قبول ہونا طے ہے، پھر درود ہی ایک ایسا عمل ہے جس میں بندوں کے ساتھ خدا بھی شریک رہتا ہے، نیز ایک مرتبہ درود پڑھنے والے پر اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل کرتا ہے، سچے عاشق رسول کو درود کا التزام کرنا چاہئے۔

پانچواں تقاضہ

محبت رسولؐ کا ایک تقاضہ رسولؐ کی سنتوں کو زندہ کرنا ہے، جس کو آپؐ سے محبت ہوگی، لامحالہ اسے آپؐ کو ہر ادا سے محبت ہوگی، اور جو آپؐ کی اداؤں اور سنتوں سے محبت کرے گا وہ انہیں زندہ کرنے کی بھرپور کوشش کرے گا، سنتوں سے دوری کے زمانے میں کسی ایک سنت کے زندہ کرنے کا بھی بڑا اجر بتایا گیا ہے، ایک عاشق رسولؐ کو جہاں سنتوں سے لگاؤ ہونا چاہئے وہیں بدعات سے نفرت ہونی چاہئے، بدعات کا خوگر انسان کبھی سچا محب رسولؐ نہیں ہو سکتا۔

مختصر یہ کہ محبت رسولؐ صرف زبان سے ادا کیا جانے والا بول نہیں ہے، بلکہ اس کے پیچھے ان گنت تقاضے ہیں، جو ان تقاضوں کی تکمیل کرے گا وہ حبِ رسولؐ کے مطلوبہ معیار پر پورا اترے گا، حضراتِ صحابہ کرامؓ اپنی زندگی کے ذریعے محبت رسولؐ کا معیار مقرر کر گئے، انہوں نے نہ زبانی جمع خرچ کا مظاہرہ کیا، اور نہ ہی عشق رسولؐ کے لمبے چوڑے نعرے لگائے، بلکہ اپنے عمل و کردار

کے ذریعے سچے عاشق رسول کا نمونہ پیش کیا، حضراتِ صحابہ کرامؓ ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں اتباعِ رسولؐ کا اہتمام کرتے تھے، حضرت مجاہدؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم سفر میں ابن عمرؓ کے ساتھ تھے، وہ ایک جگہ سے گزرے تو ہٹ کر کنارے ہو گئے، ان سے پوچھا گیا کہ آپؐ نے ایسا کیوں کیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے، لہذا میں نے بھی ایسا کیا۔ (۱)

رسول اللہ ﷺ کی رضا اور خوشنودی کا اتنا پاس و لحاظ کہ کسی عمل سے ناراضگی کی ہلکی سی بھٹک بھی لگتی تو فوراً باز آجاتے، ایک صحابی ایک رنگین چادر اوڑھے ہوئے تھے، آپؐ نے دیکھا تو فرمایا: یہ کیا ہے، وہ سمجھ گئے کہ آپؐ نے اسے ناپسند فرمایا ہے، بھاگے ہوئے گھر آئے اور اسے تھور میں ڈال دیا، اگلے دن آپؐ نے پوچھا: چادر کا کیا؟ تو انہوں نے حقیقت بیان کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہ اپنے گھر میں کسی کو پہنا دیا؟ (۲)

اسی طرح ایک اور صحابی خرم الاسدؓ لمبے بال رکھتے تھے اور تہبند نیچا باندھتے تھے، ایک دن آپ ﷺ نے فرمایا خرم الاسد کتنا اچھا آدمی تھا اگر بال لمبے نہ رکھتا اور تہبند نیچے نہ باندھتا، ان کو معلوم ہوا تو فوراً قینچی سے اپنے بالوں کو کانوں تک کتر ڈالے اور اپنے تہبند کو نصف پنڈلیوں تک چڑھا لیا۔ (۳)

اس طرح کے دیوبند واقعات ہیں جن سے صحابہؓ کی سچی اطاعت کا اندازہ ہوتا ہے، آج اسی سچی اطاعت کی ضرورت ہے، صرف دعویٰ محبت کافی نہیں!

(۱) لا أدري إلا أني رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فعله ففعلته (الشفاء ما ورد عن السلف والائمة ۲/۳۴۳) (الترغيب والترهيب ۲۲:)

(۲) ألا كسوتها بعض أهلک (ابوداؤد باب فی الحمرۃ حدیث: ۴۰۶۸)

(۳) فبلغ ذلك كريماً فجعل فأخذ شفرة فقطع بها جمته إلى أذنيه (ابوداؤد باب ما جاء في أسبال الأزار حدیث: ۴۰۹۱)

ماہِ ربیع الاول کے جلسہ اور ہمارا طرزِ عمل

ماہِ ربیع الاول اپنی تمام تابانیوں کے ساتھ جلوہ فگن ہے۔ ربیع موسم بہار کو کہتے ہیں۔ اسی ماہِ منور میں وہ ہستی جلوہ افروز ہوئی جس نے غزاں رسیدہ اور پر مژدہ چمنِ انسانیت کو نئی بہار عطا کی تھی اور جس کے طفیل میں انسانیت اخلاق و رواداری، عفت و پاکدامنی، عبادت و انابت اور اعلیٰ انسانی صفات کی بہاروں سے آشنا ہوئی۔ آپ کی آمد سے پہلے دنیا تاریکیوں میں ڈوبی تھی۔ آپ آفتاب و ماہتاب بن کر اس ماہ میں طلوع ہوئے اور پورے عالم کو منور کر دیا۔ آپ کے درودِ مسعود سے پہلے دنیا ظلم کی بھٹیوں میں پس رہی تھی۔ آپ اسی ماہِ مسعود میں لبرِ رحمت بن کر آئے جو ظلم کی آگ پر ایسے جم کر برساتے گئے کہ ہر طرف عدل و انصاف کی ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں اور انسانیت ٹھنڈی سانس لینے لگی، ایسی عظیم ہستی کی آمد جس ماہ میں ہوئی اس کی عظمت و رفعت کے کیا ٹھکانے ہوں گے۔ چنانچہ اس ماہ کی آمد کے ساتھ مسلمانوں کے قلوب محبت و فرحت کے جذبات سے سرشار ہو جاتے ہیں۔ نوجوانوں کے سینے جوش و ولولوں سے معمور ہو جاتے ہیں۔ لیکن بہت سے مسلمان جوش میں جوش کھو جاتے ہیں اور اندھی عقیدت اور بے لگام جوش میں وہ سب حرکتیں کر جاتے ہیں کہ جن کا اسلام اور پیغمبر اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا بلکہ پیغمبر نے جن سے نفرت کا اظہار کیا ہے۔

یومِ پیدائش یا غیروں کی نقالی

ربیع الاول میں ولادت باسعادت کی مناسبت سے ایسے جلسوں کا انعقاد جن میں سیرتِ رسول کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی جائے اور عام مسلمانوں کو سیرتِ رسول اور اسوۂ نبوی سے عملی وابستگی کی تلقین کی جائے ایک مستحسن اقدام ہے۔ اگرچہ ان جلسوں کو بھی ہم نے ربیع الاول تک محدود کر دیا ہے۔ جس سے یہ پیغام ملتا ہے کہ مسلمان اپنے نبی کو صرف سال میں ایک مرتبہ ماہِ ربیع الاول ہی میں یاد کرتے ہیں، جب کہ وہ اس بات کے مکلف ہیں کہ سال کے بارہ مہینے اور مہینے کے تیس دن

بلکہ ۲۳ گھنٹے نبی کی سیرت کو پیش نظر رکھیں اور شب و روز کے معمولات میں سیرت رسول کو اس طرح داخل کر لیں کہ ایک مسلمان کی رفتار و رفتار اور اس کے طور و طریق سے نبی کی یاد تازہ ہو جائے۔ اس لحاظ سے ذکر رسول ﷺ کو کسی ایک ماہ کے ساتھ مختص کرنے کے بجائے سال کے بارہ مہینے ہر روز سیرت سے معطر رہنا چاہئے۔ لیکن یہ بھی بسا غنیمت ہے کہ ربیع الاول کے موقع پر ہی سہی سیرت کے جلسوں کے ذریعہ کچھ نہ کچھ بیداری کی جاتی ہے۔ سیرت کے بامقصد جلسوں سے ہٹ کر جشن میلاد النبی ﷺ کے عنوان سے جو کچھ کیا جاتا ہے اس کا نبی کی سیرت اور صحابہ کے طرز عمل سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، نبی رحمت ﷺ کی عمر مبارک تقریباً ۶۳ سال رہی۔ نبوت سے سرفرازی کے بعد آپ ۲۳ برس اس دنیا سے آب و گل میں رہے۔ اس طرح آپ کی زندگی میں ۲۳ مرتبہ ربیع الاول اور اس کی بارہویں تاریخ آئی لیکن آپ نے کبھی اپنا یوم پیدائش نہیں منایا۔ آپ جس وقت دنیا سے رخصت ہوئے ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرامؓ تھے جو نبی کریم ﷺ کے سچے عاشق اور نبی پر ہر وقت نچھاور رہتے تھے لیکن کسی صحابی نے یوم پیدائش نہیں منایا، چونکہ صحابہ جانتے تھے کہ اسلام دیگر انسانی مذاہب کی طرح کوئی رسموں کا مذہب نہیں اسلام عملی اور اتباع کا دین ہے یوم پیدائش کو بطور تہوار منانے کا تصور مسلمانوں میں کہاں سے آیا اس پر روشنی ڈالتے ہوئے عالم اسلام کے ایک معروف عالم دین لکھتے ہیں:

”یہ تصور ہمارے معاشرے میں عیسائیوں سے آیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم پیدائش کرسمس کے نام سے ۲۵ / دسمبر کو منایا جاتا ہے، اگر تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھاتے جانے کے تقریباً تین سو سال تک ان کی یوم پیدائش کا تصور نہ تھا، آپ علیہ السلام کے حواریں میں سے کسی نے یہ دن نہیں منایا بلکہ بعد میں کچھ لوگوں نے یہ طریقہ ایجاد کیا۔ حالانکہ اس وقت جو لوگ دین عیسوی پر پوری طرح عمل پیرا تھے انہوں نے ان لوگوں کو منع کیا اور کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں تو یوم پیدائش کا کوئی ذکر نہیں تو جن لوگوں نے یہ طریقہ ایجاد کیا انہوں

نے کہا کہ اس میں کیا حرج ہے؟ یہ کوئی بری بات تو نہیں ہے کہ ہم اس دن جمع ہو کر عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کریں بلکہ اس طرح تو لوگوں میں عمل کا شوق پیدا ہوگا۔ چنانچہ یہ کہہ کر یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ شروع شروع میں تو چرج میں ایک پادری کھڑے ہو کر سیرت کا بیان کرتا اور پھر اجتماع ختم ہو جاتا لیکن کچھ عرصہ بعد انہوں نے سوچا کہ اس میں نوجوان اور شوقین لوگ نہیں آتے اور اسے دلچسپ بنانے کے لئے اس میں موسیقی شروع کر دی گئی اور ناچ گانا بھی شامل ہو گیا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات تو پیچھے رہ گئیں اور یہ ایک جشن کی صورت اختیار کر گیا۔ اور عام مشاہدہ ہے کہ مغربی ممالک میں اس دن کیا طوفان برپا ہوتا ہے۔“

تاریخ ولادت و طریقہ فرحت

۱۲ / ربیع الاول کو میلاد کے عنوان سے ہر گزرتے سال کے ساتھ جس کے قسم کے حالات پیش آرہے ہیں وہ انتہائی افسوسناک ہیں، جب کہ ۱۲ / ربیع الاول کے تاریخ ولادت ہونے کے تعلق سے تاریخی روایات متعارض ہیں۔ تاریخی طور پر ولادت نبوی کے سلسلہ میں جہاں ۱۲ / ربیع الاول کا ذکر آتا ہے وہیں اس کے علاوہ دیگر دنوں کی بھی صراحت ہے۔ اس کے برخلاف ۱۲ / ربیع الاول کو وفات نبوی پیش آنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ۱۲ / ربیع الاول کو جو متفقہ طور پر وفات رسول کا دن ہے ہمیں غیر شعوری طور پر خوشی منانے میں لگا دیا گیا ہو؟ پھر قابل غور بات یہ ہے کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ ۱۲ / ربیع الاول ہی یوم ولادت ہے اور دنیا میں نبی جیسی عظیم ہستی کا پیدا ہونا تاریخ انسانیت کا سب سے بڑا واقعہ اور جس دن آپ پیدا ہوئے وہ دن نہایت مقدس و مبارک اور ذی شان ہے اور وہ دن سب سے زیادہ خوشی و مسرت کے جذبات سے سرشار ہونے کے لائق ہے تو سوال یہ ہے کہ اسلام اور تعلیمات رسول کی رو سے خوشی منانے کا طریقہ کیا ہے؟ اسلام میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی شکل میں دو خوشی کے دن رکھے گئے ہیں لیکن عیدین کے موقع پر خود نبی کیسے خوشی مناتے تھے اور صحابہ کو آپ نے کیا حکم فرمایا؟ ظاہر ہے کہ عیدین کے

موقع پر پاک صاف کپڑے اور غسل و صفائی کے اہتمام کے ساتھ نماز کا حکم ہے جو عام نمازوں کے مقابلہ میں ۶/ زائد تکبیروں کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔ اسی طرح عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی اور عید الفطر میں صدقہ ادا کیا جاتا ہے۔ ان دونوں عیدوں کی نوعیت سے اسلام میں خوشی منانے کا طریقہ واضح ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ خوشی کا دن دراصل اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے احتضار اور ان پر شکر گزاری اور زیادہ سے زیادہ خدا کی بڑائی بیان کرنے کا دن ہے۔ نیز اللہ کے محتاج بندوں کا تعاون اور ان کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی کرنے کا دن ہے۔ خوشی اور غم انسانی زندگی کے جزو لاینفک ہیں۔ زندگی میں انسان کو ان دونوں حالتوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ دین اسلام چونکہ ایک کامل و مکمل دین ہے جس میں حیات انسانی کے کسی شعبہ کو تشنہ نہیں چھوڑا گیا ہے اس لیے خوشی و غم کے تعلق سے بھی اسلام اور پیغمبر اسلام نے مکمل رہنمائی فرمائی ہے۔ ایک مسلمان جس طرح زندگی کے کسی بھی معاملہ میں آزاد و مختار نہیں ہے، اسی طرح خوشی منانے میں پابند ہے، خوشی کے موقع پر پیغمبر نے اس کی اجازت نہیں دی کہ گانے بجانے اور موسیقی کے ذریعہ ہنگامہ مچا دیا جائے۔ یا راستوں اور چوراہوں پر رکاوٹیں کھڑی کر کے دوسروں کو زحمت میں مبتلا کیا جائے۔ ۱۲/ ربیع الاول کو ہمارے نوجوان ولادت نبوی کے عنوان سے خوشی منانے کی خاطر جس قسم کی ناشائستہ حرکات کر رہے ہیں وہ نہ صرف خلاف شرع ہیں بلکہ برادران وطن کو اس سے انتہائی غلط پیغام مل رہا ہے۔ بعض منچلے نوجوانوں کی حرکتوں سے تنگ آ کر اب بعض مسلم یہ پوچھنے لگے ہیں کہ کیا پیغمبر اسلام محمد ﷺ نے اس قسم کی حرکتوں کی اجازت دی تھی؟ اور کیا مسلمانوں کے پیغمبر کی یہی تعلیمات ہیں؟ غیر مسلم بھائیوں کی طرف سے جب اس قسم کے سوالات کئے جاتے ہیں تو سر شرم سے جھک جاتا ہے۔

۱۲/ ربیع الاول کی بے اعتدالیاں

۱۲/ ربیع الاول کو خوشی میں غلو اب اس حد کو پہنچ چکا ہے کہ باقاعدہ روضہ اقدس اور کعبہ شریف کی شبیہ بنائی جانے لگی ہے، پھر اس کا ویسا احترام کیا جانے لگا ہے جیسا حقیقی روضہ پاک کا کیا جاتا ہے، حتیٰ کی روضہ اور کعبہ شبیہ کے ارد گرد طواف بھی کیا جانے لگا ہے۔ پھر بعد میں اس شبیہ کو توڑ پھوڑ کر ختم کر دیا جاتا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ چند سال قبل شہر حیدرآباد کے ایک محلہ میں ایک

نو مولود بچہ کو عمدہ کپڑے پہنا کر اس کا احترام کیا گیا۔ اسے گویا نبی کی جگہ تصور کر کے اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کیا گیا جیسا کہ نبی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

۱۲ / ربیع الاول کے جلوس میں منچلے نوجوان جس قسم کی حرکتیں کرتے ہیں وہ انتہائی نازیبا ہیں۔ سروں پر پٹیاں باندھے موٹر سائیکلوں پر تیز رفتاری کے ساتھ نعرے لگاتے ہوئے شاہراہوں پر سگنل توڑتے ہوئے رواں دواں ہوتے ہیں۔ ہر مہذب انسان نہ صرف ان سے متنفر ہو جاتا ہے بلکہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے تعلق سے بدگمانی کا شکار ہو جاتا ہے۔

سیرت النبی کے جلسوں کے انعقاد مستحسن اقدام ہے لیکن ان میں بھی طرح طرح کی بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں۔ جہاں کہیں جلسہ منعقد ہوتا ہے دور دور تک مائیک لگا دئے جاتے ہیں اور اصل پروگرام سے کافی پہلے لاؤڈ اسپیکر پر نعتوں کا سلسلہ شروع کیا جاتا ہے۔ اور ساؤنڈ اس قدر بلند رکھا جاتا ہے کہ کانوں کے پردے پھٹ جائیں۔ لوگوں کا سکون غارت ہو جاتا ہے۔ گھروں میں موجود بوڑھوں ضعیفوں اور بیماروں کے لیے مصیبت کھڑی ہو جاتی ہے۔ اکثر جلسے سر راہ منعقد کئے جاتے ہیں جس سے آمد و رفت کا سلسلہ موقوف ہو جاتا ہے اور راہ گیروں کو شدید زحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جب کہ ایسے جلسے فنکشن ہالوں اور میدانوں میں بھی کئے جاسکتے ہیں۔ جلسوں سے قبل بلند آواز میں جو ریکارڈنگ کا اہتمام ہوتا ہے اس میں سنائی جانے والی بیشتر نعتیں غلو سے خالی نہیں ہوتیں پھر ان نعتوں میں میوزک کو شامل کر کے جس طرح گستاخی کا ارتکاب کیا جاتا ہے وہ الامان والحفیظ۔ اب نعتوں میں نبی کریم ﷺ کی تعریف کم اور موسیقی کا اہتمام زیادہ ہونے لگا ہے۔ بہت سے نعت خواں گانوں کی نقالی کرنے لگے ہیں اور معاشرے میں ایسے ہی نعت خوانوں کی واہ واہ ہوتی ہے۔ اس قسم کی نعت خوانی حقیقی مقصد سے عاری ہوتی ہے۔ جلسے بالعموم رات دیر گئے جاری رہتے ہیں اور ان میں شریک بیشتر مسلمان نماز فجر سے بے خبر صبح دیر تک سوتے پڑے رہتے ہیں۔ جلسوں کی گھن گرج اور کانوں کو پھاڑنے والی آوازیں اطراف و اکناف کی ساری آبادی والوں کو باجبر چاگنے پر مجبور کرتی ہیں۔ جہاں تک ان جلسوں میں شرف مخاطب حاصل کرنے والے مقررین کا تعلق ہے تو انہیں عوام کی اصلاح سے زیادہ اپنی واہ واہ کی فکر دامن گیر رہتی ہے۔ بہت کم عوامی اصلاح کی بات ہوتی ہے۔ زیادہ تر گھنگو نعروں اور چیخ پکار پر ہوتی ہے۔ بلکہ مقرر اس قسم

کے جلسوں کو مسلکی تنازعات بھڑکانے اور دوسرے مکاتب فکر کے علماء پر کچھڑا چھالنے کا زورین موقع خیال کرتے ہیں۔ سیرت النبی ﷺ کے جس اسٹیج سے محبت و الفت اور اتحاد و اتفاق کا پیغام عام ہونا چاہئے اب وہ انتشار اور تعصب و تحزب اور آپسی تفرقہ کے پلیٹ فارم بن چکے ہیں۔ چنانچہ ایک مسلک سے تعلق رکھنے والے مقررین فریق مخالف کے خلاف خوب بھڑاس نکالتے ہیں اور عوام الناس کو دوسرے مکاتب کے خلاف اکساتے ہیں۔ اب تو سیرت النبی کے جلسوں کو سیاسی مقاصد کے لیے بھی خوب استعمال کیا جانے لگا ہے۔ مسلم سیاسی پارٹیاں جگہ جگہ سیرت کے جلسے منعقد کراتی ہیں۔ جن میں سیرت پر تو بہت کم لیکن سیاسی مخالفین پر خوب برسا جاتا ہے۔

ربیع الاول کو بتدریج باقاعدہ عید کی شکل دی جا رہی ہے۔ بلکہ بعض غالی افراد کی جانب سے اسے عید الاعیاد کا نام دیا جا رہا ہے۔ اسلام میں اللہ اور اس کے رسول نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے نام سے صرف دو عیدیں رکھی ہیں لیکن اب غالی طبقہ نے شریعت سازی کا اختیار اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے، حتیٰ کہ ۱۲ / ربیع الاول کو عیدین کی طرح باجماعت نماز اور خطبہ بھی دیا جانے لگا ہے۔ یہ دین میں دغل اندازی نہیں تو اور کیا ہے؟ افسوس اس بات کا ہے کہ غلو کا شکار یہ طبقہ حقائق سمجھنے سے قاصر ہے۔ اس قسم کی خرافات اور خلاف شرع باتوں پر جب نکیر کی جاتی ہے تو غالی طبقہ کی جانب سے نکیر کرنے والوں پر گستاخ رسول کا لیبل لگا دیا جاتا ہے، جب کہ دین کے نام پر بدعات و خرافات کو رواج دینا اور یہود و نصاریٰ کی تقالی کرنا ہی حقیقی گستاخی ہے۔

ربیع الاول میں کیا کریں؟

۱۲ / ربیع الاول کو میلاد کے نام سے غالی طبقہ جو کچھ کرتا ہے اس سے نفس کی تسکین تو ہو سکتی ہے لیکن دین و ملت کی کوئی حقیقی خدمت نہیں ہو سکتی۔ یہ صرف شور شرابے کی نوعیت کے کچھ ظاہر ہنگامے ہوتے ہیں جن کا عملی زندگی سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ شیطان کا منشاء بھی یہی ہوتا ہے کہ لوگوں کو کچھ ظاہری ہنگاموں میں لگا کر رسول سے وابستگی کے حقیقی تقاضوں سے توجہ ہٹائی جائے۔ محبت رسول اور نبی فداہ ابی وامی سے حقیقی تعلق و عقیدت کا تقاضہ یہ ہے کہ عام مسلمانوں کو سیرت رسول سے عملی طور پر وابستہ کرنے کے لئے جدوجہد کی جائے۔ اس کے لیے درج ذیل نکات پر کام

کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

سیرت کی جامعیت کو اجاگر کیا جائے

غیر تو غیر عام مسلمانوں کا حال یہ ہے وہ نبی کی زندگی کو چند عبادات تک محدود سمجھتے ہیں، جب کہ آپ کی سیرت زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جسے سیرت رسول نے تشنہ چھوڑا ہو۔ چونکہ آپ کے بعد کوئی نبی آنے والے نہیں ہیں اور قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے آپ ہی کی ذات اسوہ اور نمونہ ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر آپ پر ایسے حالات لائے کہ آپ کی سیرت جامع ہوگئی۔ سیرت رسول کی جامعیت پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک معروف سیرت نگار لکھتے ہیں:

”دنیا میں بڑے آدمی بہت پیدا ہوئے اور ہوتے ہیں، بڑے لوگ وہ بھی ہیں جنہوں نے کوئی اچھی تعلیم اور کوئی تعمیری فکر پیش کر دی، وہ بھی ہیں جنہوں نے اخلاق و قانون کے نظام سوچے، وہ بھی ہیں جنہوں نے اصلاح معاشرہ کے کام کئے، وہ بھی ہیں جنہوں نے ملک فتح کئے اور بہادرانہ کارنامے کی میراث چھوڑی، وہ بھی ہیں جنہوں نے سلطنتیں چلائیں، وہ بھی ہیں جنہوں نے فکر و روشنی کے عجیب نمونے ہمارے سامنے پیش کئے، وہ بھی ہیں جنہوں نے دنیا کے سامنے انفرادی اخلاق کا اونچے سے اونچا معیار قائم کر دکھایا، مگر ایسے بڑے آدمیوں کی زندگیوں کا جب مطالعہ کرتے ہیں تو بالعموم یہی دیکھتے ہیں کہ ان کی قوتوں کا سارا رس زندگی کی کسی ایک شاخ نے چوس لیا اور باقی ساری ٹہنیاں سوکھی رہ گئیں۔ ایک پہلو اگر بہت زیادہ روشن ملتا ہے تو کوئی دوسرا پہلو تاریک دکھائی دیتا ہے۔ ایک طرف افراط ہے تو دوسری طرف تفریط۔ لیکن نبی کریم ﷺ کی زندگی کا ہر گوشہ دوسرے گوشوں کے ساتھ پوری طرح متوازن بھی ہے اور پھر ہر گوشہ ایک ہی طرح کے کمال کا نمونہ

ہے، جلال ہے تو جمال بھی ہے، روحانیت ہے تو مادیت بھی ہے، معاد ہے تو معاش بھی ہے، دین ہے تو دنیا بھی ہے، ایک گونہ بے خودی بھی ہے مگر اس کے اندر خودی بھی کارفرما ہے، خدا کی عبادت ہے تو اس کے ساتھ بندوں کے لیے محبت و شفقت بھی ہے، کڑا اجتماعی نظم بھی ہے تو فرد کے حقوق کا احترام بھی ہے، گہری مذہبیت ہے تو ہمہ گیر سیاست بھی ہے، قوم کی قیادت میں انہماک ہے مگر ساتھ ساتھ از دو اجی زندگی کا بکھیرا بھی نہایت خوبصورتی سے چل رہا ہے۔ مظلوموں کی داد رسی ہے تو ظالموں کا ہاتھ پکڑنے کا اہتمام بھی۔

آپ کی سیرت کے مدرسہ سے ایک حاکم ایک امیر ایک وزیر ایک افسر ایک ملازم ایک آقا ایک سپاہی ایک تاجر ایک مزدور ایک جج ایک معلم ایک واعظ ایک لیڈر ایک ریفاہر ایک فلسفی ایک ادیب ہر کوئی یکساں درس حکمت و عمل لے سکتا ہے۔ وہاں ایک باپ کے لیے ایک ہمسفر کے لیے ایک پڑوسی کے لیے یکساں مثال موجود ہے۔ ایک بار جو کوئی بھی اس درس گاہ تک آ پہنچتا ہے پھر اسے کسی دوسرے دروازے کو کھٹکھٹانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ انسانیت جس آخری کمال تک پہنچا ہے جس کو چراغ بنا کر ہر دور میں ایوانِ حیات روشن کر سکتے ہیں، کروڑوں افراد انسانی نے اس سے روشنی لی، لاکھوں بزرگوں نے اپنے علم و عمل کے دیے اسی لو سے جلائے۔ (۱)

عام افراد امت میں سیرت رسول کی ایسی مہم چلائی جائے کہ امت کے ہر طبقہ کو سیرت کی جامعیت کا شعور حاصل ہو جائے اور اپنے اپنے شعبہ اور زندگی کے ہر موڑ میں سیرت سے رہنمائی حاصل کر سکے۔ تاجر کو تجارت رسول کے طریقے بتائے جائیں، قائد کو قیادت کے نبوی اصول سے واقف کرایا جائے، شوہر خدیجہ و عائشہ کے شوہر نامدار کا اسوہ یاد رکھے۔ معلم انسانیت ﷺ کے تعلیمی افکار و نظریات سامنے رکھے۔ اس کے لیے موضوعاتی پروگراموں کا اہتمام کیا جائے۔ مختلف پیشوں

اور شعبوں سے وابستہ افراد کے الگ الگ اجلاس منعقد کئے جائیں۔ اور ان کے سامنے ان کے شعبوں سے متعلق نبوی اسوہ پیش کیا جائے۔

سیرت کے انقلابی پہلو پر زور

بالعموم سیرت کا مطالعہ حصولِ ثواب کے لیے کیا جاتا ہے۔ بعض لوگ محض معلومات میں اضافے کی خاطر سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں۔ کچھ لوگ مذہبی فریضہ سمجھ کر سیرت سنتے اور پڑھتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سیرت کا مطالعہ باعثِ برکت و ذریعہٴ سعادت ہے لیکن سیرت رسول درحقیقت پیغامِ انقلاب ہے۔ یہ سراسر حرکت و انقلاب کی داعی سیرت ہے۔ اس سے دلوں کو تحریک ملتی ہے۔ جذبات انگوائی لینے لگتے ہیں۔ عزم و ہمت کی رگوں میں نیا خون دوڑنے لگتا ہے۔ زندگیوں کا جمود ٹوٹ جاتا ہے۔ عمل و کردار کے ذوق میں نئی حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ بقول ایک سیرت نگار کے:

”سرورِ عالم کی زندگی کی مثال ایک جوہر کے کھڑے پانی کی نہیں ہے کہ جس کے ایک کنارے کھڑے ہو کر ہم بیک نظر اس کا جائزہ لیں وہ ایک بہتا ہوا دریا ہے جس میں حرکت ہے، روانی ہے، کشمکش ہے، موج و حباب ہیں، سپھیاں ہیں، موتی ہیں اور جس کے پانی سے مردہ کھیتوں کو مسلسل زندگی ملتی ہے۔ اس دریا کا رمز آتشا ہونے کے لیے اس کے ساتھ ساتھ رواں دواں رہنا پڑتا ہے..... حضرت محمد ﷺ کی سیرت ایک فرد کی سیرت نہیں بلکہ وہ ایک تاریخی طاقت کی داستان ہے جو ایک انسانی پیکر میں جلوہ گر ہوئی، وہ زندگی سے کٹے ہوئے محض ایک درویش کی سرگذشت نہیں ہے جو کنارے بیٹھ کر محض اپنی انفرادی تعمیر میں مصروف رہا ہو بلکہ وہ ایک ایسی ہستی کی آپ بیتی ہے جو ایک اجتماعی تحریک کی روح رواں تھی، وہ محض ایک انسان کی نہیں بلکہ ایک انسان سازی کی روداد ہے، وہ عالم نو کے معمار کے کارنامے پڑ مشتمل ہے۔ ایک پوری جماعت ایک انقلابی تحریک اور ایک امتِ نبویہ اس کارنامے کی تفصیل اپنے اندر لے کر ہوئے ہے۔ سرورِ عالم کی سیرت غارِ حرا سے لے کر غارِ ثور تک، حرمِ کعبہ سے لے کر طائف کے بازار تک، امہات المؤمنین کے حجروں سے لے کر میدانِ ہائے جنگ تک چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے

نقوش بے شمار افراد کی کتاب حیات کے اوراق کی زینت ہیں۔ ابو بکر و عمر، عثمان و علی، عمار و یاسر، خالد و خویلد اور بلال و صہیب (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سب کے سب ایک ہی کتاب سیرت کے اوراق ہیں۔ ایک چمن کا چمن ہے کہ جس کے لالہ و گل اور رنگ و نثرن کی ایک ایک پتی پر اس چمن کے مالی کی زندگی مرقوم ہے۔ وہ قافلہ بہاری وقت کی جس سرزمین سے گزرا ہے اس کے ذرے ذرے پر نکہت کی مہریں ثبت کر گیا۔“ (۱)

کرنے کے کام:

ماہ ربیع الاول ہر سال آتا ہے اور گزر جاتا ہے، ہم چند رسمی ہنگاموں کے علاوہ کچھ کر نہیں پاتے، جب کہ یہ مہینہ نبی سے وابستگی کے تقاضوں کی تکمیل کا مہینہ ہے۔ نبی سے تعلق کا تقاضہ صرف یہی نہیں ہے کہ نعرے لگاتے جائیں، عشق رسول کے کھوکھلے دعوے کئے جائیں بلکہ محبت رسول کے حقیقی تقاضے یہ ہیں:

- (۱) اس ماہ میں سیرت رسول کے مطالعہ کا اہتمام کریں۔
- (۲) روزمرہ کی سنتوں پر عمل شروع کریں۔
- (۳) روزانہ کسی ایک مٹی ہوئی سنت کا احیاء کریں۔
- (۴) بچوں کو اخلاق رسول سے واقف کرائیں۔
- (۵) روزانہ دس منٹ افرادِ خاندان کے سامنے سیرت رسول پر کوئی کتاب پڑھ کر سنائیں۔
- (۶) ہر دن بچوں کو کسی ایک سنت پر عمل کے عادی بنائیں۔
- (۷) اپنے غیر مسلم بڑے بیویوں کو نبی کریم ﷺ کے اخلاقِ عالیہ سے واقف کریں۔
- (۸) یہود و نصاریٰ کی جانب سے سیرت رسول کے تعلق سے پھیلائی گئی غلط فہمیوں کے ازالہ کی تدبیر کریں۔
- (۹) سیرت رسول کو اجاگر کرنے والے مختصر رسالے ملک کی مختلف زبانوں میں شائع کریں۔

یہ کیسی جفا ہے؟ یہ کیسا ہے ظلم! (محبت رسول کے تقاضے اور ہمارا طرز عمل)

محسن انسانیت کی کرشمہ سازی

احسان شناسی اور اپنے محسنوں سے محبت و عقیدت فطرتِ انسانی کا حصہ ہے سلیم الفطرت انسان بھی محسن بنی کامرتکب نہیں ہوتا، اگر کسی میں یہ بات پیدا ہوتی ہے تو پھر وہ اس کتے سے بدتر ہو جاتا ہے جو ایک روٹی کے ٹکڑے پر دم ہلا کر اپنے مالک کی احسان شناسی کا ثبوت دیتا ہے، برہنہ برس قبل ایک پیالی چائے پلانے والے سے آپ کا سامنا ہوتا ہے تو آپ سراپا احسان شناسی کا ثبوت دیتے ہیں اور اس کا وہ چھوٹا سا احسان آپ کے رویہ کو بدل کر رکھ دیتا ہے، بھری بس میں اگر کوئی آپ کو اپنی نشست پر بیٹھنے کا موقع دیتا ہے تو اس کا یہ احسان آپ کے ذہن سے کبھی محو نہیں ہوتا، ایسا آپ اس لئے کرتے ہیں کہ یہ آپ کی فطرت کا تقاضہ اور آپ کے ضمیر کی آواز ہے، جب کہ یہ سارے احسانات وقتی اور ان کی افادیت انتہائی محدود ہے، اس کائنات میں انسان کا سب بڑا اور اولین محسن اور منعم حقیقی تو ”رب ذوالجلال“ ہے جس نے اسے عدم سے وجود بخشا وہ عالم نیست میں تھا اسے عالم هست میں لایا وہ کچھ نہیں تھا تو اسے بہت کچھ بنا دیا، ذرہ بے مقدار کو رشک ماہ و انجم بنا دیا، اس کی نوازشیں حد شمار سے باہر، اس کی عنایتیں لامحدود، اگر ایک سکند کے لئے بھی اس کی عنایتوں کی برسات رک جائے تو انسان کا وجود خطرہ میں پڑ جائے، تب ہی تو اس نے انسانوں کو چیلنج کیا کہ تم اگر میری نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو یہ تمہارے بس کا کام نہیں، خدا تعالیٰ بزرگ و برتر کے بعد انسانوں پر اگر کسی کے احسانات سب سے زیادہ ہیں تو وہ محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکت ہے، آپ کے احسانات و نوازشات کا دائرہ انسانوں تک ہی محدود نہیں بلکہ ساری مخلوقات کو محیط ہے، شجر و حجر، شمس و قمر، بحر و بر کوئی مخلوق آپ کے احسانات کے دائرہ سے باہر نہیں، اس لیے کہ آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا، جب آپ کی رحمت سارے عالموں کو محیط ہے تو پھر کوئی

عالم خلق آپ کے احسانات سے مستثنیٰ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس وقت عالم ارضی میں جو کچھ رونقیں نظر آرہی ہیں وہ سب آپ کی پہلی وحی اقراء باسم ربک (العلق ۱:۲) کی ادنیٰ تجلی ہے جاہلیت کی تاریکیوں میں علم کا یہ سورج طلوع نہ ہوتا تو دنیا سائنس و ٹیکنالوجی سے کوری رہتی اور اس کی یہ ساری رونقیں کبھی جلوہ نہ دکھاتیں، انسانوں پر آپ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ نے انہیں انسانیت کی الف بے پڑھائی انہیں درس انسانیت دیا، اگر آپ کی بعثت نہ ہوتی اور آپ نے انسان نماد رندوں کو انسانیت کا سبق نہ پڑھایا ہوتا تو لوگ دور جاہلیت کی طرح جانوروں اور درندوں کی سی زندگی گزارتے، انسانی طبقات میں کوئی طبقہ آپ کا مرہونِ منت نہ ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا، مرد ہوں کہ خواتین، بوڑھے ہوں کہ بچے، اپنے ہوں کہ دشمن، مزدور و ملازم ہوں کہ آقا و مالک، عام رعایا ہوں کہ تخت سلطنت پر متمکن حکمران ہر طبقہ کو آپ نے نوازا، عورتوں کو نئی زندگی عطا فرمائی، مردوں کو جینے کا سلیقہ سکھایا، حکمرانوں کو رعایا کا خادم بنایا، مالکوں کو ملازموں سے ہمدردی سکھائی، دانشوروں کو صحیح سمت دکھائی، اصحابِ فلسفہ کا قبلہ درست فرمایا، دوشیزاؤں کے سروں پر چادر عصمت ڈالی، بے نواں اور بے محسوس کی دستگیری فرمائی، بادشاہوں کو شاہی میں فقیری کے گر سکھائے۔

اشرف المخلوقات پر کرم گستری

الغرض اس کرم گستری کا کرم ہر طبقہ پر ابر رحمت بن کر برتا رہا، آپ ﷺ سے فیض سمھوں نے پایا، لیکن اشرف المخلوقات کا تاج رکھنے والے انسان اور ان میں بھی دولت ایمان سے مشرف ہوئے خوش نصیب مسلمانوں پر آپ کے احسانات سب سے زیادہ ہیں، امت کے ایک ایک فرد کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے آپ جس قدر بے چین رہا کرتے تھے، اس کا اندازہ قرآن کی اس آیت سے لگایا جاسکتا ہے ”فلعلک باخع نفسک علی آثارہم ان لم یؤمنوا بهذا الحدیث اسفا“ (۱) لگتا ہے کہ آپ ان کے پیچھے پڑ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیں گے، اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائیں، اٹھک کوششوں اور سعیِ بیہم کے باوجود وہ لوگ ایمان نہ

لاتے تو آپ کو اس قدر کڑھن ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کو ہدایت دینی پڑتی کہ آپ غم نہ کریں۔

✽ ایک جگہ یوں ہدایت دی گئی: ”واصبر و ما صبرک الا باللہ ولا تحزن علیہم ولا تک فی ضیق مما یمکرون“ (۱) اور آپ صبر کیجئے آپ کا صبر کرنا محض اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہوگا، ان پر آپ غم نہ کریں اور نہ ان کی چالوں سے تنگ دل ہوں، نبی کو اپنی امت کی راحت اور ان کے تکالیف و مصائب سے محفوظ رہنے کی کس قدر فکر دامن گیر رہتی تھی اسے قرآن میں یوں بیان فرمایا گیا: بے شک تمہارے پاس جو رسول آئے ہیں وہ تمہارے اپنے ہیں، ذرا تکلیف تم کو پہونچے تو بہت بھاری دکھ لگتا ہے، تمہاری آسانی کی ان کو بڑی تمنا ہے اور ایمان والوں سے بڑی نرمی اور مہربانی کا معاملہ چاہتے ہیں۔ (التوبہ)

✽ کافروں کے کفر پر جسے رہنے سے ذاتِ نبوت پر جو اثر ہوتا تھا اس تعلق سے بار بار تسلی دی گئی، فرمایا گیا ومن کفر فلا یحزنک کفرہ (۲) جو کفر کرتا ہے اس کا کفر آپ کو غم میں مبتلا نہ کرے۔

✽ ہر وقت امت کی فکر سوار رہنے سے آپ کا یہ حال تھا کہ آپ ہمیشہ غمگین رہتے تھے، صحابہ کرامؓ نے اس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متواصل الاحزان، دائم الفکرة، لیست لہ راحة (۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ غمگین رہتے آپ پر ہمیشہ ایک فکر چھائی رہتی، ایک بے چینی توڑا آتی آپ نے کبھی راحت کی سانس نہیں لی، سفر میں حضر میں دن میں رات میں خلوت میں جلوت میں ہر وقت اللہ کا لاڈلا نبی امت کے لیے مامی بے آب کی طرح تو پتا رہتا تھا، اس کی راتوں کی تنہائیاں اسی فکر سے آباد رہتی تھیں، رات کو جب سارے لوگ سو رہے ہوتے خدا کا حبیب بارگاہِ صمدیت میں سر بسجود ہو کر اپنی امت کے لیے آنسو بہاتا اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتا کہ بارالہا میری امت کے ساتھ رحمت کا معاملہ فرما۔

✽ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا جو اللہ تعالیٰ نے نقل فرمائی ہے تلاوت فرمائی رب انہن اضلن کثیرا من الناس فمن

تبعنی فانہ منی ومن عصائی فانک غفور رحیم (۱) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول جو اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا تلاوت فرمائی ”ان تعذبہم فانہم عبادک وان تغفر لہم فانک انت العزیز الحکیم“ (۲) پھر یوں دعا فرمائی کہ الہی میری امت کو بخش دے اور رونے لگے، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جبریل محمد ﷺ کے پاس جا کر کہہ دو کہ ہم آپ کی امت کے سلسلہ میں آپ کو خوش کر دیں گے ناراض نہیں کریں گے۔ (۳)

ذرا غور فرمائیں! طائف میں خدا کا حبیب کس کے لیے لہو لہان ہوا؟ احد میں دندان مبارک کس کی خاطر شہید ہوئے؟ احزاب میں آپؐ نے اپنے پیٹ پر دو دو پتھریوں باندھ رکھے؟ دو دو ماہ تک نبی کے گھر چولہا کیوں نہیں سلگا؟ بقول حضرت شاہ حکیم اختر صاحب علیہ الرحمۃ اگر آپ کا خون مبارک طائف کے بازار میں نہ بہتا اور آپ کے دندان مبارک احد کے دامن میں شہید نہ ہوتے تو ہم تک کیسے اسلام پہنچتا؟ سرور عالم احد کے دامن میں اپنے ہاتھوں اپنا خون مبارک پونچھ رہے تھے اور فرما رہے تھے کیا حال ہو گا اس قوم کا جو اپنے نبی کو لہو لہان کرتی ہے، ظاہر ہے کہ آپ کی یہ ساری قربانیاں امت کی خاطر تھیں، ایسے حسن اعظم کے ساتھ آج ہمارا برتاؤ کیسا ہے؟ اس کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے، یہ کیسی جفا ہے اور کس قدر ظلم ہے کہ ہماری خاطر سب کچھ سہنے والے نبی کے ساتھ ہم نے احسان شناسی کا ادنیٰ حق بھی ادا نہیں کیا۔

جفا ہی جفا

ادھر سے وفا کا ظہور ہوتا رہا ادھر سے وفا کا بدلہ جفا سے دیا جا رہا ہے، ادھر سے محبت ہی محبت کی برسات تھی ادھر سے مسلسل اعراض کا مظاہرہ ہے، جس نبی کی راتیں امت کے لئے دعاؤں میں اور دن سوز و گداز میں گزرتے تھے جس کے گھر ایک چاند سے دوسرے چاند تک چولہا جلنے کی نوبت نہ آتی تھی، جس نے امت کو نارِ جہنم سے بچانے کے لئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا، جس کی ہر فکر پر امت کی فکر غالب تھی اسے کے ساتھ امت نے جفا کی کوئی شکل نہیں چھوڑی۔

(۲) المائدہ: ۱۸

(۱) ابراہیم: ۳۶

(۳) اناسنر ضیک فی امتک (تفسیر مظہری ۳۰۹/۳ مکتبۃ الرشیدیہ پاکستان)

سنت رسولؐ سے دوری

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جفا کی سب سے افسوس ناک شکل وہ ہے جو آپ کی سنتوں سے دوری کی شکل میں پائی جاتی ہے، سنت رسول ہی امت کا سب سے بڑا سرمایہ ہے، لیکن آج اس سرمایہ سے امت ہی دامن ہے، سنت سے دوری دراصل پیغمبرؐ سے دوری ہے، ارشاد نبوی واضح ہے فمن رغب عن سنتی فلیس منی (۱) جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں، حضرت ابی بن کعبؓ کا قول ہے کہ تم لوگ سنت کو لازم پکڑو! جو کوئی سنت رسول پر کار بند ہو پھر تنہائی میں خوفِ خدا کے تصور سے اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں تو اس کے سارے مٹنا اس طرح جھڑ جائیں گے جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں اور جو کوئی سنت پر رہ کر خدا کی یاد میں آنسو بہائے اسے جہنم کی آگ بھی نہیں چھوئے گی (۲) سنت سے دوری دراصل حقیقی محبت رسول سے محرومی کی دلیل ہے، اس لیے کہ قرآن و حدیث میں محبت کا معیار اطاعت قرار دیا گیا ہے، ارشاد ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی (۳) اے نبی آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کے دعویدار ہو تو میری پیروی کرو، آگے اطاعتِ خدا اور رسول سے منہ پھیرنے کو کافرانہ عمل قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین (۴) آپ کہہ دیجئے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو پھر اگر وہ منہ موڑ لیں تو اللہ تعالیٰ ناشکروں کو پسند نہیں کرتا۔

اصحاب محمد اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضراتِ صحابہؓ سے زیادہ نبی سے محبت کرنے والے نہ پیدا ہوئے اور نہ پیدا ہوں گے، لیکن ان کی زندگیاں گواہ ہیں کہ وہ سب کچھ گوارا کر سکتے تھے لیکن نبیؐ کی سنت سے بے اعتنائی ان کے

(۲) طہیۃ الاولیاء: ۱/ ۲۵۳

(۱) بخاری باب الترغیب فی النکاح حدیث: ۵۰۶۳

(۳) آل عمران: ۳۱

(۴) آل عمران: ۳۱

لئے ناقابل برداشت تھی۔

✽ حذیفہ بن یمانؓ نے کسری کے دربار میں شاہانہ رسم و رواج کی پرواہ نہ کی اور گرے ہوئے لقمے کو صاف کر کے کھالیا، لوگوں نے عار دلایا تو کہا کہ کیا ان احمقوں کی وجہ سے میں اپنے محبوب ﷺ کی سنت چھوڑ دوں؟ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا حال یہ تھا کہ شریعت سے ہٹ کر دیگر وقتی عادات میں بھی اتباع کا اہتمام کرتے تھے، ایک مرتبہ راستہ میں اچانک اپنی اونٹنی گھمانے لگے کسی نے اس بارے میں ان سے استفسار کیا تو فرمایا مجھے خود پتہ نہیں لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتا دیکھا تھا اس لئے کیا۔ (۱)

✽ حضرت علیؓ ایک موقع پر ہنس پڑے حاضرین نے دریافت کیا امیر المؤمنین آپ کیوں ہنس پڑے؟ فرمایا میں نے اس جگہ حضور کو اس طرح کرتے دیکھا کہ آپ ہنس پڑے، لوگوں نے دریافت کیا آپ کیوں ہنسے؟ تو آپؓ نے فرمایا: اللہ عز و جل بندہ اس بات پر حیرت اور تعجب کرتا ہے جب وہ یہ کہتا ہے رب اغفر لی ذنبی کیونکہ بندہ جانتا ہے کہ اس کی مغفرت میرے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ (۲)

✽ حضور ﷺ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کچھ لوگوں کو کھڑے دیکھا تو آپ ﷺ نے ان کے لیے ارشاد فرمایا بیٹھ جاؤ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو اس وقت مسجد میں داخل ہو رہے تھے آپ کی آواز ان کے کان میں پڑی تو دروازہ ہی پر جوتوں کے پاس بیٹھ گئے، پھر سرور عالمؐ نے انہیں اندر بلوالیا۔ (۳)

✽ حضرت عبداللہ بن قیس بن عزمہ نے جن کے ساتھ ان کا خچر تھا یہ کہا کہ چچا جان سوار ہو جائیے تو آپؓ نے فرمایا میرے بھتیجے! اگر میں سوار ہونا چاہتا تو مجھے سوار یاں مل جاتیں لیکن میں بھی اس مسجد کو اسی طرح پیادہ جاؤں جس طرح میں نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو پیادہ جاتے

(۱) الشفاء بتعريف حقوق المصطفى ۲/۳۳۲ دار الفیحاء عمان

(۲) مسند احمد، مسند ابی ہریرہ حدیث: ۱۰۳۸۴

(۳) فجلس عند باب المسجد ﷺ النبی ﷺ تعال یا عبد ﷺ بن مسعود (کنز العمال حدیث ۳۷۲۰۹)

ہوئے دیکھا ہے۔ (۱)

اسلاف کا اتباع سنت

یہ تو حضراتِ صحابہ کرامؓ کی بات تھی، ماضی قریب کے بعض اہل اللہ میں بھی اتباعِ سنت کا اہتمام اس شدت سے تھا کہ کسی ایک سنت کا چھوٹنا بھی ان کے لیے گوارہ نہ تھا، حضرت مولانا محمد احمد صاحب علیہ الرحمۃ نے بیان فرمایا کہ ان کا کرتہ اتارنے والے خادم نے داہنے ہاتھ کی طرف سے کرتہ اتار دیا، حالانکہ سنت یہ ہے کہ کرتہ پھنتے وقت پہلے داہنے ہاتھ میں پہنے اور اتارتے وقت بائیں ہاتھ سے اتاریں، حضرت نے خادم کو ڈانٹ کر فرمایا تم کیسے بے وقوف ہو؟ تم کو سنت کا علم نہیں تم نے میرا کرتہ سنت کے خلاف اتار دیا اب دوبارہ پہنا دو، دوبارہ داہنے ہاتھ میں پہنا اور فرمایا کہ اب بائیں ہاتھ کی طرف سے اتارو۔

✽ حضرت حکیم صاحب نے حضرت ہردوئی رحمۃ اللہ سے بھی اس قسم کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ہردوئی رحمۃ اللہ کا موزہ اتارا جو پہلے داہنی طرف سے اتار دیا، فرمایا پھر پہناؤ اور پہلے بائیں طرف سے اتارو، آج امت کا عجیب حال ہے کہ وہ سنت کو سنت خیال کر کے نظر انداز کرنے لگی ہے، جب کہ بگاڑ کے زمانہ میں ایک سنت پر چلنے والے کو شہیدوں کے ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے، قاضی عیاضؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ اللہ عزوجل بندے کو محض ایک سنت کے اتباع کی وجہ سے جنت میں داخل کر دیتا ہے۔ (۲)

مسلمانوں کا حال

مسلمان سنت سے کس قدر دور ہیں اور خلافتِ شرع چیزوں کے کس قدر عادی ہیں اس کا اندازہ لگانے کے لئے مسلم معاشرہ پر اچھٹی نگاہ ڈالنا کافی ہے، تصویرِ نبیؐ کو کس قدر ناپسند تھی اور اس

(۱) أنا احب ان أمشي إليه كما رأيته أمشي (مسند احمد، عبد اللہ بن عمر حدیث: ۵۹۹۹)

(۲) إن الله يدخل العبد الجنة بالسنة تمسك بها (الشفاء: فصل وأما وجوب اتباعه وامتنال سنة ۲/۲۶۷)

کے تعلق سے کس قدر سخت وعید آئی ہے اس سے ہر شخص واقف ہے جس گھر میں جاندار کی تصویر ہوتی ہے اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے، لیکن مسلم گھروں کا حال یہ ہے کہ محض فیشن اور شوق کے لئے گھروں میں تصویریں آویزاں کرتے ہیں، ایک مشت ڈاڑھی رکھنے کا وجوب ہر شخص جانتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ اس کا حکم دیا، سب نبیوں نے ڈاڑھی رکھی، صحابہ کرامؓ، تابعینؓ سب اس کا اہتمام کرتے تھے لیکن نبی کی اس اہم ترین سنت کی ہم نے کیا درگت بنائی ہے؟ اسے ہر شخص جانتا ہے، بعض لوگ ڈاڑھی کا مذاق اڑاتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ دین میں ڈاڑھی ہے ڈاڑھی میں دین نہیں، اگر ان کی اس تھیوری پر عمل کیا جائے تو پھر دین کا کوئی رکن باقی نہیں رہے گا، مثلاً یہ کہ دین میں کلمہ ہے کلمہ میں دین نہیں، دین میں نماز ہے نماز میں دین نہیں، دین میں زکوٰۃ ہے زکوٰۃ میں دین نہیں، دین میں حج ہے حج میں دین نہیں، اس نامعقول اور بے سرو پا تھیوری پر عمل کریں تو دین کا کوئی عمل اور نبی کی کوئی سنت باقی نہیں رہے گی، ایک مشت ڈاڑھی رکھنے کے وجوب پر چاروں ائمہ کا اجماع ہے، غور کیجئے! کہ کل قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرمائیں کہ اے میرے امتی تو نے میرے چہرے میں کیا عیب پایا کہ میرے جیسی شکل نہیں بنائی تو ہم کیا جواب دیں گے؟

✽ ایک مرتبہ ڈاڑھی منڈھے ایران کے دو سفیر آپ کے پاس آئے، آپ نے اپنا چہرہ مبارک نفرت سے پھیر لیا۔ کل قیامت کے دن اگر آپ ﷺ نے نفرت سے چہرہ پھیر لیا تو بتائیے کہ ہم شفاعت کے لیے کہاں جائیں گے؟ فارسی کے مشہور شاعر مرزا بیدل کے پاس دور دراز سے ایک وفد پہونچا مرزا ڈاڑھی منڈوا رہے تھے؟ وفد کے امیر نے حیرت سے کہا کہ مرزا آپ بھی ڈاڑھی منڈواتے ہیں؟ مرزا نے شوخی سے جواب دیتے ہوئے کہا ہاں ڈاڑھی منڈاتا ہوں کسی کا دل نہیں دکھاتا، اس پر وفد کے سربراہ نے جو جواب دیا وہ ہم سب کے لئے غور طلب ہے، اس نے کہا ہاں! آپ کسی کا دل نہیں دکھاتے، لیکن ڈاڑھی منڈوا کر اپنے رسول کے دل پر آرے ضرور چلاتے ہیں۔

(۱) ”فکرہ النظر الیہا“ (السيرة النبویة لابن کثیر، ذکر بعثہ الی کسری ملک الفارس ۳/ ۵۰۹ دار المعرفہ بیروت)

✽ اس وقت سنت سے دوری ہر چیز میں عام ہے، لباس میں، وضع قطع میں، گھر میں، شادی بیاہ میں، ہمارے گھروں میں کوئی سچا محب رسول آئے تو وہ فرق نہیں کر پائے گا کہ یہ رسول کے چاہنے والے کا گھر ہے یا دشمن رسول کا۔

✽ ٹخنوں سے نیچے سے شلوار، پاجامہ وغیرہ رکھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگوار تھا، آپ نے یہاں تک فرمایا: ما أسفل من الكعبين من الازار فی النار (۱) یعنی ٹخنوں سے نیچے ازار یا پاجامہ لٹکانے والے کے لیے آگ ہے، لیکن ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو نبی کی اس پسند کا لحاظ رکھتے ہوں، واقعہ یہ ہے کہ اتباع رسول کتنی قیمتی چیز ہے ہمیں اس کا اندازہ نہیں بقول حضرت حکیم اختر صاحب مدظلہ کے جتنا قدم قیمتی ہوتا ہے اتنا ہی قیمتی نقش قدم ہوتا ہے اور پوری کائنات میں حضور کے قدم مبارک سے بڑھ کر کسی مخلوق کا قدم نہیں۔

✽ گانے بجانے سے اور موسیقی سے نبی کو بے حد نفرت تھی ایک مرتبہ آپ نہیں تشریف لے جا رہے تھے کسی کے گانے بجانے کی آواز آرہی تھی آپ نے کانوں میں انگلیاں رکھ لیں اور صحابہ سے پوچھتے رہے کہ آواز رک گئی یا نہیں؟ جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے اطلاع دی کہ آواز نہیں آرہی ہے تو آپ نے انگلی مبارک کو کان سے نکالا، (۲) ایک روایت میں آپ نے فرمایا: الغناء ینبت فی القلب کما ینبت الماء الذرع (۳) گانا آدمی کے دل میں اس طرح کا اتفاق اگاتا ہے جس طرح پانی گھانس کو اگاتا ہے، آپ نے ایک موقع پر فرمایا کہ مجھے گانا بجانا مٹانے کے لئے بھیجا گیا ہے نبی کی اس انتہائی ناپسندیدہ چیز کو ہم نے اس قدر من پسند بنا لیا کہ موسیقی کے بغیر ہمارا جینا مشکل ہو گیا ہے کہ حتیٰ کہ نبی کی ولادت کے نام پر منائے جانے والے جشن میں تک میوزک اور ریکارڈنگ کے بے تحاشہ استعمال ہونے لگا ہے، مساجد تک رنگ ٹون کی میوزک سے محفوظ نہ رہیں، موبائل نے ۲۴ / گھنٹے آدمی کو میوزک کے سمندر میں ڈبو کر رکھ دیا ہے، گھروں میں گھنٹوں ٹی

(۱) بخاری باب ما أسفل من الكعبین فی النار حدیث ۵۴۵۰۱

(۲) فوضع اصبعیه فی اذنیہ وعدل براحتہ عن الطریق (الطبقات الکبریٰ، دارصادر بیروت ۶۳/۴)

(۳) شعب الایمان فصل وما ینبغی للمراء المسلم أن یحفظ حدیث ۵۱۰۰

وی پر فحش اور ننگے رقص کے ساتھ میوزک کا ناپاک سلسلہ جاری رہتا ہے، شادی بیاہ کی تقریبات میں فحش ریکارڈنگ کے ساتھ نیم برہنہ رقاصوں کا رقص عام ہوتا جا رہا ہے، نبی کے ساتھ یہ کیسی جفا ہے اوکتنا بڑا ظلم ہے کہ موسیقی کو مٹانے والے پیغمبر کی امت موسیقی کی حد درجہ دلدادہ ہو رہی ہے۔

۴ شادی بیاہ کے موقعوں پر سنت رسول کو کس بے دردی سے پامال کیا جاتا ہے، اس کے تصور ہی سے دل کانپ جاتا ہے، رشتہ کے انتخاب سے لے کر شادی کے اختتام تک ہر کام سنت سے ہٹا ہوا ہوتا ہے، رقصوں میں النکاح من سنتی تو سنہرے الفاظ میں لکھا ہوتا ہے اسی طرح فمن دغب عن سنتی فلیس منی (۱) (جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں) کی وہ نبوی وعید بھی خوبصورت تحریر میں درج ہوتی ہے لیکن قدم قدم پر سنت کی پامالی کر کے اس حدیث رسول کے ساتھ غیر شعوری طور پر مذاق اڑایا جاتا ہے، شادی میں چاہے لین دین کا معاملہ ہو یا فضول خرچی؟ دوران تقریب ویڈیو گرافی ہو یا خواتین کی بے پردگی، حسن و جمال اور مال و منال کی بنیاد پر رشتہ کا انتخاب ہو یا بیہودہ رسموں کا اہتمام ہر جگہ سنت رسول سے بے اعتنائی کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے، بقول حضرت تھانویؒ کے شادیوں میں سب کو خوش کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، سوائے خدا اور رسول کے۔

سچی محبت کا ثمرہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ماویٰ و ملجا ہیں، ہمیں ایمان آپ ہی سے ملا، انسانیت آپ ہی سے ملی، ہماری دنیوی و اخروی کامیابی کا دار و مدار آپ ہی پر ہے، ہم پر آپ کے بے پناہ احسانات ہیں، آپ سے سچی محبت ہمارے ایمان کی روح ہے، قرآن و حدیث میں آپ کی محبت پر خوب زور دیا گیا ہے، ایک مؤمن کے دل میں خود اپنی ذات سے بھی زیادہ رسول کی محبت ضروری ہے، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سوائے میری جان کے، آپ ﷺ نے فرمایا

(۱) بخاری باب الترغیب فی النکاح حدیث ۴۷۷۶

نہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اس وقت تک تم مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک اپنی جان سے بھی زیادہ مجھ سے محبت نہ ہو! اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: خدا کی قسم اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا: الآن یا عمر! اب اے عمر! (تمہارا ایمان مکمل ہو گیا)

بخاری کی ایک اور حدیث میں یوں فرمایا: فوالذی نفس محمد بیدہ لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولده ووالده والناس اجمعین۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ اور اس کی اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (۱)

افراد امت میں جو زیادہ نبی سے محبت کرے گا وہ دنیا و آخرت میں اسی قدر سرفراز ہوگا، محبت خدا اور رسول سے ایمان کی حلاوت اور چاشنی نصیب ہوتی ہے، حدیث میں جن تین چیزوں کے پائے جانے پر حلاوت ایمان کے حصول کی بات کہی گئی ہے ان میں سے ایک یہ کہ آدمی کی نگاہ میں اللہ و رسول تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہو جائیں۔ (۲) پھر جو بندہ نبی سے سچی محبت کرتا ہے اسے نہ صرف اخروی نجات حاصل ہوگی بلکہ وہ نبی کی رفاقت و معیت سے سرفراز ہوگا، ایک شخص آیا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس شخص نے کہا اللہ اور اس کے رسول کی محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس کے ساتھ ہو گے جس سے تم کو محبت ہوگی۔ (۳)

اس کے علاوہ محبت رسول مؤمن کے لئے عرش الہی کے نیچے سایہ کی ضامن ہوگی، چنانچہ احادیث میں جن سات افراد کے لیے عرش کے سایہ کا وعدہ کیا گیا ہے ان میں ایسے دو افراد بھی ہیں

(۱) لاوالذی نفسی بیدہ حتی اکون احب الیک من نفسک (بخاری حدیث ۶۲۵۶)

(۲) بخاری باب حب الرسول ﷺ من الایمان حدیث ۱۴:

(۳) مسلم ۶۶/۱

(۴) ”أنت مع من أحببت“ (بخاری باب مناقب عمر بن الخطاب حدیث ۳۴۸۵۱)

جو اللہ کے واسطے محبت کرتے ہیں اللہ کی محبت پر جمع ہوتے ہیں اور اس کی بنیاد پر جدا ہوتے ہیں۔
(۱) اور محبت خدا محبت رسول کے بغیر ممکن نہیں، نبی سے محبت کو علماء نے ایمان کی شرط قرار دیا ہے، ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی ساری چیزوں سے محبت خدا و رسول کی محبت کے بعد ہے۔ (۲)

حقیقی محبت کا فقدان

نبی کی جس محبت پر ہمارے ایمان کا دار و مدار ہے آج امت میں اس حقیقی محبت کا فقدان ہے، زبانی دعوؤں کی تو کمی نہیں ہے لیکن اطاعت و اتباع پر کھڑا کرنے والی محبت ناپید ہے، نبی کے نام پر چند رسمی حرکتوں کا نام ہم نے محبت رکھ لیا ہے۔

✽ محبت رسول پر بحث کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ تحریر فرماتے ہیں محبت دینی کی دو قسمیں ہیں (۱) فرض (۲) مستحب فرض وہ محبت ہے جو آدمی کو اللہ کے اوامر کو اپنانے اور نواہی سے بچنے پر آمادہ کرے، اگر کوئی مسلمان کسی گناہ یا حرام میں مبتلا ہے یا کسی واجب کو ترک کرتا ہے تو یہ دراصل محبت الہی میں کوتاہی کا نتیجہ ہے کہ اس نے خواہش نفس کو مقدم رکھا، محبت خدا کی طرح محبت رسول کی بھی دو قسمیں ہیں، جیسا کہ اوپر بیان کی گئیں۔ (فتح الباری ۱/ ۶۱)

حقیقی محبت کی اس کسوٹی کی روشنی میں امت کا جائزہ لیا جائے تو بہت کم لوگ اس پر پورے اتریں گے اگر ہم میں سچی محبت ہوتی تو ہم آپ کی سنتوں کو پامال نہ کرتے، آپ کی پسند و ناپسند کا پاس و لحاظ رکھتے؛ ہمارا تو یہ حال ہے کہ ماہ ربیع الاول میں جشن ولادت کے عنوان سے وہ سب باتیں ہم اپناتے ہیں جو نبی کو ناپسند تھیں، دوسروں کو تکلیف دینا آپ کو استہتائی ناگوار تھا، راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانے کو آپ نے ایمان کا شعبہ قرار دیا۔ (۳) درخت کاٹنے سے اس لیے منع فرمایا کہ اس سے لوگ سایہ سے محروم ہوں گے، حقیقی مسلمان کی تعریف یہ فرمائی کہ اس کے ہاتھ

(۱) ورجلان تحابا فی اللہ اجتماعا علیہ و تفرقا علیہ (بخاری باب الصدقة بالیمین حدیث ۱۳۵۷)

(۲) جلاء الأفہام ۱۸۷۷/۱ ادار العروۃ کویت

(۳) مسلم باب بیان عدد شعب الایمان حدیث ۳۵:

اور زبان سے کسی کو تکلیف نہ پہونچے؛ (۱) لیکن ہم نبی سے اظہارِ محبت کے نام پر ایسی حرکات کرتے ہیں جس سے سراسر دوسروں کو تکلیف پہونچتی ہے، راستہ روکنا کان کے پردے پھاڑنے والی ریکارڈنگ کا اہتمام شور و ہنگامہ سب کچھ اذیت رسانی ہے؛ اسی طرح فضول خرچی آپ کو انتہائی ناپسند تھی؛ لیکن محبت رسول کے عنوان سے رسی چیزوں میں بے تحاشہ پیسہ صرف کیا جاتا ہے اور فضول خرچی کے معنہ کا احساس تک نہیں ہوتا؛ اسی طرح غیروں سے مشابہت سے آپ سخت منع فرماتے تھے؛ لیکن ہم لوگ زندگی کے ہر معاملہ میں یہود و نصاریٰ کی نقل میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

جاثاری تقاضائے عشق ہے

حقیقی محبت تو حضراتِ صحابہؓ میں تھی جو انہیں نبی کی خاطر ہر چیز قربان کرنے پر آمادہ کرتی تھی، ایک مرتبہ تابعین میں سے کسی نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ آپ لوگ نبی سے کیسی محبت کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا قسم بخدا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نزدیک اپنے مال و اولاد، ماں باپ اور سخت پیاس کے دنوں میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب تھے۔ (۲) صحابہؓ کی محبت کا عالم یہ تھا کہ انہوں نے اپنی جان و مال کو نبی کے حوالہ کر دیا تھا؛ چنانچہ غزوہ بدر کے موقع پر سعد بن معاذؓ نے نبی ﷺ سے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ یہ ہمارا مال آپ کے سامنے ہے آپ اس کے تعلق سے جو چاہیں فیصلہ کریں اور یہ ہماری جانیں حاضر ہیں اگر آپ ہمیں سمندر میں کود جانے کا حکم دیں تو ہم سمندر میں کود جائیں گے ہم آپ کے آگے پیچھے سے دائیں بائیں سے ہر طرف سے قتال کریں گے ”لو استعرضنا بنا هذا البحر فخضته لخصنا معك“ (سیرۃ ابن ہشام ۲/۸۸)

صحابہؓ کی جاثاری کا یہ عالم تھا کہ غزوہ احد میں جب کافروں نے آپ ﷺ کی شہادت کی

(۱) ”من سلم المسلمون من لسانه ويده“ (بخاری باب السلم من سلم المسلمون من لسانه ويده حدیث ۴۰:)

(۲) ومن الماء البارد على الظمأ (شفاء ماروی عن السلف والائمة ۵۲/۲ دار الفیحاء عمان)

جھوٹی خبر اڑادی تو ایک صحابیؓ بے چینی کے عالم میں نبی کا حال معلوم کرنے کے لیے آگے بڑھ رہی تھی کہ راستہ میں وقفہ وقفہ سے لوگوں نے ان کے باپ بھائی بیٹے کے شہید ہونے کی اطلاع دی؛ لیکن وہ ہر مرتبہ یہی دریافت کر رہی تھی کہ نبی کا کیا حال ہے؛ بالآخر جب نبی کے قریب پہنچی تو کہنے لگی یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اگر آپ موجود ہیں تو پھر مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں۔ (۱)

✽ زید بن دھنہ کفار مکہ کے ہاتھوں گرفتار ہوئے جب انہیں شہید کرنے کے لیے حرم سے باہر لایا گیا تو ابوسفیان نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے ان سے پوچھا کہ زید! کیا تم اس کو پسند کرو گے کہ اس وقت تمہاری جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور ہم تمہارے بدلے ان کی گردن اڑادیں اور تم اپنے اہل و عیال میں عیش کرو؟ تو انہوں نے کہا کہ (قتل کیا جانا تو دور کی بات ہے) اگر حضور ﷺ اپنی جگہ ہوں اور آپ کا کاٹا چبھ جائے اسے بھی میں گوارا نہیں کر سکتا، اس پر ابوسفیان نے کہا میں نے لوگوں میں سے کسی کو کسی سے ایسی محبت کرتے نہیں دیکھا جیسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ان سے محبت کرتے ہیں۔ (۲)

✽ صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار کے نمائندہ عروہ بن مسعود ثقفیؓ معاہدہ کر کے کفار کے پاس پہنچے تو انہوں نے حضرات صحابہ کرامؓ کا حال بیان کرتے ہوئے کہا کہ اے لوگو! بخدا میں دنیا کے نامی گرامی بادشاہوں کے پاس جا چکا ہوں میں نے قیصر و کسریٰ کے پاس حاضری دی ہے، خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے درباری اور رعایا ویسی تعظیم کرتے ہوں جیسی تعظیم و محبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کرتے ہیں، قسم بخدا! جب وہ ناک صاف کرتے ہیں تو اس کی ریش کسی نہ کسی کی ہتھیلی میں گرتی ہے جسے وہ اپنے چہرے پر مل لیتا ہے اور جب وہ کسی بات کا حکم کرتے ہیں تو سب اس کی تعمیل میں دوڑ پڑتے ہیں اور جب وہ وضو

(۱) ”کل مصیبة بعدک جلل“ (الہدایہ والنہایہ فصل فی عدد الشہود ۵۴/۴)

(۲) وما أحب أن محمدا الآن فی مكانه الذی هو فیہ تصیبه شوكة تؤذیه وانی حابس فی اہلی (الہدایہ، عروۃ الرجیع حدیث ۷۵/۴)

کرتے ہیں تو ان کے وضو کے پانی کے لیے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور جب وہ کچھ کہنے لگتے ہیں تو ان کی آواز پست ہو جاتی ہے (۱)

✽ قبول اسلام سے قبل جب ابوسفیان مدینہ آئے اور حضور ﷺ سے بیاہ ہوئی اپنی لڑکی حضرت ام حبیبہ کے گھر پہنچے تو نبی کے بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا بیٹی ام حبیبہ نے فوراً آپ کے بستر کو لپیٹ دیا اور کہنے لگی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اور آپ مشرک ہونے کے سبب ناپاک ہیں اس لیے میں مناسب نہیں سمجھتی ہوں کہ آپ اس پر بیٹھیں۔ وَاَنْتَ اَمْرٌ وَّلَجَسٌ مَّشْرُکٌ (۲)

✽ ہجرت کے موقع پر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیقؓ کے گھر پہنچ کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کی اجازت کی خوشخبری سنائی اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ تم میرے ساتھ رہو گے تو ہجرت میں رفاقت کے شرف پر مارے خوشی کے حضرت ابو بکرؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اس سے پہلے نہیں جانتی تھی کہ خوشی سے بھی رویا جاتا ہے۔ (۳)

✽ حضور ﷺ کی ہجرت کی جب مدینہ میں اطلاع پہنچی تو مدینہ کے انصار کا آپ ﷺ سے ملاقات کے اشتیاق اور شدت انتظار کا یہ عالم تھا کہ ہر روز صبح مدینہ سے باہر آیا کرتے اور جب تک دھوپ اور گرمی کی شدت نہ پڑتی واپس نہ آتے۔ (۴)

✽ یہ تو صحابہؓ کی محبت رسول کا حال تھا کہ جانوں کو تک قربان کر ڈالا اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہمیں نماز فجر کے لیے نیند قربان کرنا دشوار ہے، ہر دعوائے محبت کے پیچھے دلیل ہوتی ہے ہمارا دعوائے محبت بلا دلیل ہے اس لیے کہ اگر ہمیں سچی محبت ہوتی تو ہم آپ کی سنتوں سے محبت کرتے اور صحابہؓ کی طرح آپ کے اوامر بحال لاتے اور آپ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان سے باز

(۱) وَاِذَا تَكَلَّمَ عَلٰی وَضُوْءِہٖ (بخاری باب الشروط فی اللہاد حدیث ۲۷۳۱۷)

(۲) الاصابہ حرف الراء ۷/ ۶۵۳، دار الجیل بیروت

(۳) فَرَايْتُ اَبَا بَكْرٍ يَّكِي وَمَا كُنْتُ اَحْسِبُ اَنْ اَحَدًا يَّكِي مِنَ الْفَرَحِ (فتح الباری ۷/ ۳۳۵، دار المعرفہ بیروت)

(۴) فَلَمَّا اَحْرَقْتَهُمُ الشَّمْسُ رَجَعُوا اِلٰی مَنَازِلِهِمُ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۸/ ۲۳۸، دار صادر، بیروت)

آتے، تحمل قبلہ کا حکم آیا تو صحابہؓ نے حالت نماز ہی میں اپنا رخ پھیر لیا۔ (۱)

✽ شراب حرام کر دی گئی تو صحابہؓ نے برسہا برس کی شراب کو اس طرح بہا دیا کہ مدینہ کی نالیوں میں شراب پانی کی طرح بہنے لگی، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ (حرم شراب کے اعلان کے وقت) مجھ سے ابو طلحہؓ نے کہا جاؤ شراب بہاؤ، میں نکلا اور شراب بہادی اور مدینہ کی گلیوں میں شراب بہنے لگی، حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمام مسلمانوں نے شراب بہادی اس لیے اس کی کثرت کی وجہ سے گلیوں میں شراب بہنے لگی یہ سب کچھ بغیر قیل و قال کے ہو گیا نہ کسی کو تردد ہوا نہ ہی کسی سے استفسار کیا گیا۔ (۲)

✽ امام بخاریؒ نے حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کیا ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں ابو طلحہؓ اور فلاں فلاں شراب پلانے کے لیے کھڑا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ آپ لوگوں کو خبر ملی؟ لوگوں نے کہا وہ کیا؟ اس شخص نے کہا کہ شراب حرام کر دی گئی، لوگوں نے مجھ سے کہا، انسؓ شراب کے یہ گھڑے بہاؤ، لوگوں نے اس خبر کے بعد کسی سے کچھ نہیں پوچھا نہ ہی کسی نے صراحت کی۔

✽ ایک عورت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی ساتھ میں اس کی ایک بیٹی تھی جس کے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن تھے، آپ نے دریافت فرمایا کیا تم اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ عورت نے نفی میں جواب دیا، حضور ﷺ نے اس سے کہا کہ کیا تم یہ پسند کرتی ہو کہ قیامت کے دن تم کو ان دو کنگنوں کے بدلہ آگ کے کنگن پہنائے جائیں یہ سنتے ہی اس عورت نے دونوں کنگن اتار کر حضور ﷺ کے سامنے ڈال دیے اور کہنے لگی یا رسول اللہ ﷺ یہ اللہ اور اس کے رسول کے واسطے صدقہ ہے۔ (۳)

(۱) (أسر عوافی تولیة وجوہہم الی الکعبۃ) (بخاری باب ما جاء فی اجازۃ خبر الواحد حدیث ۶۸۲۵):

(۲) (فجرت فی سلك المدینة) (بخاری باب صب الخمر فی الطريق حدیث ۲۳۶۴):

(۳) ”فحلعتھا فآلقتها الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ (ابوداؤد باب الکثر ما ہو؟ حدیث ۱۵۶۵):

عشق و تعظیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم اطاعت سے ہے

اگر ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت ہوتی تو ہم کو آپ کی باتوں کی صدات اور ان کے یقینی ہونے پر آنکھوں دیکھی باتوں سے زیادہ یقین ہوتا جیسے حضرات صحابہ کرامؓ کو تھا کہ ان کی نگاہ میں دنیا کی بڑی سے بڑی حقیقت جھوٹی ہو سکتی تھی؛ لیکن نبی نے جن باتوں کی خبر دی ہے ان میں تردد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج سے مشرف کیا گیا صبح آپ نے مشرکین کو خبر دی تو سب آپ کا مذاق اڑانے لگے؛ لیکن حضرت ابو بکرؓ سے کہا گیا تو آپؐ نے بلا آملا اس کی تصدیق کی۔ (۱)

ہماری صورت حال یہ ہے کہ ہم زبان سے تو آپ کے طریقہ میں کامیابی کا اقرار کرتے ہیں لیکن اس پر سچا یقین نہ ہونے کے سبب آپ کی اتباع نہیں کرتے؛ آپ کا فرمان ہے کہ صدقہ سے مال میں برکت آتی ہے اور سود مال کو مٹاتا ہے؛ لیکن صدقہ دینا ہمارے لیے اس لیے گراں ہے کہ ہمیں اس فرمان کا یقین نہیں ہے، امام ابن قیم فرماتے ہیں کہ نبی کی تعظیم کی بنیاد یہ ہے کہ آپ کی کامل اطاعت کی جائے اور آپ کی باتوں کی بھرپور تصدیق کی جائے کہ ذرہ برابر اس میں شک یا شبہ نہ کیا جائے اور نہ کسی باطل کے ذریعہ اس کا تقابل کیا جائے۔ (۲)

اگر ہمیں رسول سے سچی محبت ہوتی تو ہم اپنے آپسی نزاعات میں نبی کو حکم بناتے اور احادیث رسول سے جو بھی ثابت ہوا اسے بسر و چشم قبول کرتے ہم میں سے کتنے مسلمان ہیں جو طلاق، خلع اور عائلی مسائل میں شریعت اور نبی کے طریقہ کی طرف رجوع کرنے کے بجائے ملکی عدالتوں کے چکر کاٹتے ہیں اور قرآن و سنت کے فیصلے کے آگے جھکنے کے بجائے عدالت بازی کا سہارا لیتے ہیں جب کہ قرآن مجید میں صاف اعلان ہے: فلا وربک لایؤمنون حتی یحکموا فیما شجر بینہم ثم لایجدوا فی انفسہم حرجا مما قضیت ویسلموا

(۱) ”نعم إني لأصدقہ فیما هو أبعد من ذلک“ (المستدرک، ابو بکر صدیق حدیث ۴۴۰۷)

(۲) ”ومعارضہ الحق بالباطل“ (مدارج السالکین، فصل فی نظر العبد فی اللاب ۲۳۹، ادارۃ کتاب الغربی بیروت)

تسلیم۔ (۱) قسم ہے آپ کے پروردگار کی یہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے آپسی نزاعات میں آپ کو حکم نہ بنائیں، پھر آپ کے فیصلہ پر اپنے دلوں میں کسی قسم کی تنگی محسوس نہ کریں اور مکمل طور پر تسلیم کریں، علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو سنت رسول سے ہٹ جائے اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ ایسا شخص مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے تمام دینی و دنیوی معاملات میں نبی کے فیصلہ پر راضی نہ ہو جائے اور دل میں کسی قسم کی تنگی محسوس نہ ہو (۲) اسی طرح اگر ہمیں نبی سے سچی محبت ہوتی تو کفار و مشرکین اور دشمنان اسلام کی طرف سے کئے جانے والے حملوں میں آپ کا بھرپور دفاع کرتے جیسے صحابہؓ کا حال تھا کہ مادی و معنوی ہر لحاظ سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وفاء کا حق ادا کر دیا، غزوات میں نبی کے آگے ڈھال بن گئے، سارے تیر خود کھائے نبی پر خراش آنے نہ دیا؛ نیز دشمنوں کی جانب سے آپ کے طریقہ اور شریعت کے خلاف ہونے والے حملوں کا بھرپور دفاع کیا، نبی سے سچی محبت کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ ہم آپ کے صحابہؓ کا دفاع کریں اس وقت دشمنان صحابہؓ کی جانب سے صحابہؓ امہات المؤمنین اور خلفاء راشدینؓ کو ناحق نشانہ بنایا جا رہا ہے اور ہم ہیں کہ اپنی عیش و عشرت میں مگن ہیں، سارے صحابہؓ کو رضائے الہی کا پروانہ حاصل ہو چکا ہے رضی اللہ عنہم و رضوعنہ کی آیت نے سب کو خدا کا پرندیدہ بنا دیا ہے نبی نے اپنے صحابہ کے تعلق سے خدا سے ڈرنے کی تاکید فرمائی اور انہیں برا بھلا کہنے سے منع فرمایا صحابہ کی عدالت اور ان کا معیار حق ہونا اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے؛ صحابہؓ سے محبت ان کی تقلید و اتباع اور ان کا احترام ہر شخص پر لازم ہے، دشمنان صحابہؓ، امہات المؤمنین اور ان میں بھی بالخصوص حضرت عائشہؓ کو ہدف تنقید بناتے ہیں جب کہ حضرت امام مالکؒ کا فرمان ہے جو حضرت عائشہؓ کے ساتھ سب و شتم کرے گا اسے قتل کر دیا جائے لوگوں نے پوچھا کہ کیوں؟ تو انہوں نے فرمایا اس لیے کہ جو حضرت عائشہؓ پر تہمت لگاتا ہے اس نے دراصل قرآن کی مخالفت کی۔ (۳)

(۱) النساء: ۵۶ (۲) مجموع الفتاوی: ۵۸/۴ (۳) ”من رماھا فقد خالف

القرآن“ (الصارم المسلول علی شاتم الرسول ۵۶۶/۱) الطابع الجرس الوطنی السعودی

مفسر ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ سارے علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو کوئی حضرت عائشہؓ کو برا بھلا کہے وہ کافر ہے اس لیے کہ اس نے قرآن سے عناد کیا۔ (۱)

ﷺ سے سچی محبت کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ ہم سنت رسول اور احادیث رسول کا دفاع کریں اس وقت خود کو اہل قرآن کہنے والے منکرین حدیث کا فتنہ عروج پر ہے وہ احادیث کے خلاف نوجوانوں کو برگشتہ کر رہے ہیں، احادیث کے تعلق سے طرح طرح کے شبہات پیدا کر رہے ہیں، محدثین کی ثقاہت کو چیلنج کر رہے ہیں، محمد بن مرتضیٰ یمانی لکھتے ہیں کہ سنت رسول اور احادیث کا دفاع کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ کے برابر ہے اسے حتی المقدور اس جہاد کے لیے آلات و اسباب کی تیاری کرنا چاہئے، حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ جب حضرت حسان بن ثابتؓ اپنے اشعار کے ذریعہ حضور کا دفاع کرتے تھے تو حضرت جبریل علیہ السلام ان کے ساتھ ہوتے تھے یہی حال آپ کے بعد آپ کی سنتوں کا دفاع کرنے والے کا ہے۔ (۲)

ﷺ اسی طرح محبت رسول کا ایک تقاضہ آپ کی سنتوں کی نشر و اشاعت ہے، حضور ﷺ کا فرمان ہے بلغو عنی ولو آیتۃ میری ایک بات ہی کیوں نہ معلوم ہو اسے دوسروں تک پہنچاؤ یہ سب حضورؐ سے سچی محبت کی نشانیاں ہیں ان کے بغیر محبت کے محض زبانی دعوے قابل قبول نہیں ہو سکتے ان نشانیوں کی روشنی میں ہم اپنی محبت رسول کا جائزہ لیں اور کوتاہیوں کی اصلاح کریں۔

محبت رسولؐ کیسے پیدا کی جائے؟

علماء نے جب رسولؐ پیدا کرنے کے لیے چند باتوں کی تاکید کی ہے، مثلاً اللہ کی محبت پیدا کرے اس سے رسولؐ کی محبت پیدا ہوگی، اس لیے کہ محبت رسولؐ کے بغیر محبت خدا ممکن نہیں، اللہ

(۱) "فانه كافر لانه معاند للقرآن" (تفسیر ابن کثیر ۶/۱۶، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۲) "كذلك من ذب عن دينه وسنته من بعده" (ایضاً الحق علی الخلق ۱/۲۴، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۳) بخاری: ۳/۳۴۵

کی محبت پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی نعمتیں یاد کی جائیں اللہ تعالیٰ نے ظاہری و باطنی بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں، آدمی جس کو بار بار یاد کرتا ہے اس کی محبت دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے؛ اسی طرح نمازوں میں خشوع و خضوع اور قرآن کے ساتھ نوافل کا اہتمام بھی محبت الہی میں معاون ہے، دعا کی کثرت سے بھی اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے، دعا کے آداب کی پوری رعایت رکھی جائے اسی طرح تدبر و ترتیل کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت اس مقصد کے لیے بے حد مفید ہے، تلاوت کلام اللہ دراصل اللہ تعالیٰ سے سرگوشی کرنا ہے؛ نیز اللہ کے محبوب بندوں سے محبت اور ان کی صحبت انتہائی مؤثر ہے؛ اگر وہ میسر نہ ہو تو ان کے حالات کا مطالعہ بھی مفید ہے۔

(۱) نبی کی محبت کے لیے بار بار نبی کا تذکرہ اور آپ کے حالات و سیرت کے سننے پڑھنے کا اہتمام کیا جائے، اس دوران خصوصیت کے ساتھ امت پر نبی کی شفقت و رحمت کی تفصیلات اور دعوت کی راہ میں پیش آئیں مشکلات اور کفار و مشرکین کی ایذا رسانیوں کو بار بار سوچتا رہے، آپ نے امت کی ہدایت کی خاطر کیسی کیسی تکلیفیں جھیلیں طائف میں لہو لہان ہوئے، احد میں زخمی کئے گئے، فاقہ سے پیٹ پر پتھر باندھے، ان سب باتوں کا مذاکرہ حب رسول کے لیے انتہائی مفید ہے۔

(۲) اسی طرح اس بات پر بھی غور کرے کہ آپ کی محبت کے بغیر ایمان کامل ہو نہیں سکتا؛ نیز سچی محبت رسول کے بغیر اعمال و عبادات میں حلاوت اور لذت نہیں آسکتی؛ نیز محبت رسول سے غم ہلکے ہوتے ہیں دل کو تقویت ملتی ہے، گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے اور جو جتنا زیادہ نبی سے محبت رکھے گا کل قیامت کے دن نبی سے اتنا ہی قریب ہوگا۔

(۳) حضرات صحابہؓ سے محبت اور ان کے حالات کا مطالعہ بھی نہایت مؤثر ہے، صحابہؓ کس طرح نبی سے والہانہ محبت کرتے تھے اور رسولؐ پر اپنی جان اپنا مال نچھاور کرتے تھے، صحابہؓ کی محبت کے واقعات کے بار بار سننے سے آدمی میں سچی محبت کا جذبہ پیدا ہوگا۔

(۴) کثرتِ درود کے اہتمام سے بھی امتی کا نبی سے تعلق بڑھتا ہے۔

رفعتِ شانِ مصطفیٰؐ

اللہ تعالیٰ کے بعد اگر کوئی ذات سب سے باعظمت ہے تو وہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی

ہے، خدا کے نام کے بعد انہی کے نام کی رٹ ہے، قرآن خود آپ کی رفعت شان پر گواہ ہے، اللہ تعالیٰ نے ورفعتا لک ذکر کر فرما کر آپ کو عظمت و رفعت کی چوٹیوں پر پہنچا دیا ہے، نماز و اذان میں خدا کے ساتھ آپ کا نام بھی لیا جاتا ہے، معراج میں آپ نے جن بلندیوں کو چھوا ہے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھی وہ مقام حاصل نہ ہو سکا، آپ پر درود و صلوٰۃ کا جہاں مومنوں کو حکم دیا گیا وہیں خدا تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی اس میں شریک ہیں، آپ پر نبوت کا سلسلہ ختم کیا گیا، آپ کو انبیاء کی امامت کا شرف عطا کیا گیا، قیامت کے دن آپ کے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا، سارے انبیاء میں آپ ہی کو شفاعت بھری کا حق حاصل ہوگا، سارے نبیوں کی انفرادی خصوصیات آپ میں اکٹھی جمع کر دی گئیں، آپ کی عظمت شان کے پیش نظر صحابہؓ کو پابند کر دیا گیا کہ وہ اپنی آواز نبی کی آواز پر بلند نہ کریں لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی (النجرات ۲۱) ورنہ ساری نیکیوں کے ضائع ہونے کی وعید سنائی گئی، علماء نے اس کی بھی وضاحت کی ہے کہ زمین کے جس ٹکڑے پر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک رکھا ہوا ہے وہ ٹکڑا عرشِ اعظم سے بھی افضل ہے، جس سے سچی محبت ہوتی ہے آدمی اس کی تعظیم و توقیر بھی کرتا ہے، نبی سے سچی محبت کا تقاضہ ہے کہ ہمارے قلوب ان کی عظمت سے سرشار ہوں۔

عظمت رسول میں کوتاہی

قرآن مجید میں کامیاب مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے مسلمانوں پر نبی کے جن حقوق کا تذکرہ کیا گیا ہے ان میں توقیر و تعظیم بھی ہے؛ بد قسمتی سے ہم مسلمانوں سے جہاں اور باتوں میں کوتاہی ہو رہی ہے وہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں بھی کوتاہی ہو رہی ہے۔

ماہِ ربیع الاول کے موقع پر محبت رسول کے نام پر کی جانے والی بیشتر حرکتیں عظمت رسول کے تقاضوں سے عاری ہوتی ہیں، کافذ کے پھیریوں اور جھنڈوں پر رسول کا نام درج ہوتا ہے؛ پھر دوسرے دن وہ پھیرے پیروں تلے آجاتے ہیں، آپ کی شان میں پڑھی جانے والی نعتوں میں میوزک کا اہتمام اور جلوس میں رقص کا شعل گنبد خضریٰ کا ماڈل بنا کر اسے ضائع کر دینا وغیرہ بے شمار حرکتیں ہیں جو عظمت رسول کے منافی ہیں۔

اسلاف کے عظمت رسول پر حیرت انگیز واقعات

حضرات صحابہؓ تابعین متبع تابعینؓ اور ائمہ مجتہدین و محدثین تھے جنہوں نے عظمت رسول کا حق ادا کیا، آیت قرآنی یا ایہا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجہروا لہ بالقول کجہر بعضکم لبعضکم ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون (۱) جب نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو نبی کے ساتھ بلند آواز سے گفتگو کرنے سے منع فرمایا تو حضرت عمرؓ کا یہ حال تھا کہ اس قدر پست آواز سے گفتگو کرتے کہ حضور ﷺ کو دوبارہ دریافت کرنا پڑتا۔ (۲)

حضرت ثابت بن قیسؓ فطری طور پر بلند آواز تھے آیت بالا کے نزول کے بعد گھر ہی میں محصور ہو کر رہ گئے اور یہ سمجھنے لگے کہ میں تو جہنمی ہو گیا؛ یہاں تک کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنتی ہونے کی خوشخبری دی۔ (۳)

عظمت رسول کا یہ عالم تھا کہ صحابہؓ جی بھر کے حضور کو دیکھتے بھی نہ تھے (فتح الباری ۵: ۳۸۸) جب آپ گفتگو فرماتے تو اس طرح خاموش ہو جاتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ (۴)

حتیٰ کہ صحابہ کرامؓ آپ کے گھر پہنچتے اور دروازہ کھٹکھٹانے کی نوبت آتی تو ناخنوں سے کھٹکھٹاتے؛ تاکہ آواز سے کہیں نبی کو تکلیف نہ پہنچے۔ (۵)

یہی حال حضرات تابعینؓ، ائمہ محدثینؓ کا تھا کہ حدیث بیان کرتے تو عظمت رسول کے احساس سے حالت غیر ہو جاتی تھی، اکثر محدثین کے تعلق سے آتا ہے کہ وہ بغیر وضو کے حدیث بیان

(۱) الحجرات: ۲

(۲) ”فما کان عمر یسمع رسول اللہ ﷺ بعد هذه الآية حتی یستفهمه“ (بخاری)
لا ترفعوا اصواتکم، حدیث: ۳۸۳۵

(۳) ”ولکن من اهل الجنة“ (بخاری باب علامات النبوة فی الاسلام حدیث ۳۶۱۳)

(۴) ”مکان علی رؤوسهم الطیر“ (بخاری باب فضل النبی فی سبیل اللہ حدیث ۲۸۴۲)

(۵) ”مکان أبواب النبی ﷺ تفرع بالأظافیر“ (الجامع لاحلاق الراوی، ۱۶۱)

کرنے سے گریز کرتے تھے اور با وضو حدیث سنانے کا اہتمام کرتے تھے، ضرار بن مرہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت اعمشؒ کو دیکھا کہ اگر بے وضو ہوتے اور حدیث بیان کرنے کی نوبت آتی تو تیمم فرما لیتے۔ (۱)

✽ حضرت ابو مسلمہ خزاعیؒ کہتے ہیں کہ حضرت مالک بن انسؒ درس حدیث کے لیے نکلتے تو وضو فرماتے، اچھے کپڑے زیب تن کر لیتے، ٹوپی پہنتے ڈاڑھی میں کنگھی کر لیتے، ان سے پوچھا جاتا کہ آپ اس قدر اہتمام کیوں کرتے ہیں؟ تو فرماتے ہیں کہ حدیث رسول کی توقیر کر رہا ہوں۔ (۲)

✽ حضرت سعید بن مسیبؒ بیمار تھے اور لیٹے ہوئے تھے جب شاگردوں کو حدیث سنانے کا وقت آیا تو فرمایا مجھے بٹھا دو میں لیٹے لیٹے حدیث سنانے کو انتہائی گراں سمجھتا ہوں۔ (۳)

✽ حضرت محمد بن سیرینؒ گفتگو کے دوران حسب ضرورت ہنستے لیکن جوں ہی حدیث سنائی جاتی ان پر خشیت اور رعب طاری ہو جاتا۔ (۴)

✽ حضرت امام مالکؒ سے ایوب سختیانی کے تعلق سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ان کے سامنے جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ آتا اس قدر روتے کہ ہمیں ان پر رحم آتا، جب میں نے نبی کی تعظیم کی یہ کیفیت ان پر دیکھی تو ان سے احادیث لینے لگا۔ (۵)

✽ حضرت مصعب بن عبد اللہ امام مالک کے تعلق سے فرماتے ہیں کہ جب نبی کا ذکر شریف ہوتا تو امام مالکؒ کے چہرہ کارنگ بدل جاتا اور بالکل جھکنے لگتے حتیٰ کہ ان کی یہ کیفیت ان کے ہم نشینوں کے لیے دشواری کا باعث بننے لگی، لوگوں نے ان سے اس تعلق سے دریافت کیا تو

(۱) "كانت أبواب النبي ﷺ تفرع بالأظافر" (الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع ۱/۳۸۸، جواز طرق الباب وصفته ۱۶۱، مکتب المعارف الرياض)

(۲) "أقر به حديث رسول الله ﷺ" (الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع ۱/۳۸۸)

(۳) (الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع ۱/۳۸۸)

(۴) (الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع ۱/۳۸۹)

(۵) (الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع ۱/۳۸۹)

فرمایا جو کچھ میں دیکھتا ہوں وہ تم دیکھنے لگو تو اس کیفیت پر تعجب اور حیرت نہ کرو، حضرت امام مالکؒ محمد بن مسکد کے تعلق سے نقل کرتے ہیں کہ جب بھی ہم ان سے کوئی حدیث دریافت کرتے تو وہ اس قدر روتے کہ ہمیں ان پر ترس آتا۔ (۱)

✽ حضرت امام مالکؒ جعفر بن محمد کے تعلق سے کہتے ہیں کہ وہ بڑے ظریف الطبع تھے بہت مزاح فرماتے تھے؛ لیکن جب ان کے سامنے نبی کا ذکر آتا تو ان کے چہرہ کارنگ زرد پڑ جاتا میں نے دیکھا کہ ہمیشہ با وضو درس حدیث دیا کرتے تھے۔ (۲)

✽ حضرت عبدالرحمن بن قاسم رحمۃ اللہ کے بارے میں آتا ہے جب ان کی مجلس میں نبی کا ذکر آتا تو ان کا چہرہ اس قدر سرخ ہو جانے لگتا تھا کہ خون رس رہا ہے اور..... زبان سوکھ جاتی تھی یہی حال حضرت عامر بن عبد اللہ بن زبیر کا تھا کہ نبی کے تذکرہ پر اتار دیتے کہ آنکھوں سے آنسو ختم ہو جاتے زہری او صفوان بن سلیم کے بارے میں بھی یہی کیفیت نقل کی گئی ہے۔ (۳)

✽ حضرت امام مالکؒ کے بارے میں آتا ہے کہ تمام عمر مدینہ میں بسر کی اور بہ پاس ادب کبھی مدینہ منورہ کے حدود میں بول و براز نہیں کیا، ایک شخص نے کہا مدینہ طیبہ کی مٹی خراب ہے تو حضرت امام مالکؒ نے فتویٰ دیا کہ اسے ۳۰ / درے مارے جائیں اور قید کر دیا جائے اور فرمایا کہ ایسا شخص تو اس لائق ہے کہ اس کی گردن مار دی جائے وہ زمین جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہوں اس کی نسبت وہ گمان کرتا ہے کہ وہ خراب ہے۔ (۴)

✽ امام مالکؒ سے یہاں تک نقل کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ زرت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ میں نے حضورؐ کی زیارت کی؛ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بحیاۃ طیبہ خاص حیات سے مشرف ہیں، حضرت احمد بن فضلویہ بڑے غازی اور تیر انداز تھے؛ انہوں نے جب سنا کہ

(۱) الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع ۱/۳۸۹

(۲) الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع ۱/۳۹۰

(۳) حتی لا تبقى فی عینہ دموع (الشفاء الفصل الثالث حرمتہ و توقیرہ دار الفیحاء عمان ۲/۹۳)

(۴) تربة دفن فیہا رسول اللہ ﷺ یزعم أنها غیر طيبة (الشفاء حرمتہ و توقیرہ ۲/۹۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کمان کو اپنے دست مبارک میں لیا تو اس روز سے پاس ادب میں کبھی کمان کو بے وضو نہیں چھوا۔ (۱)

حضرت ابوالفضل اندلسی جوہری نے زیارتِ مدینہ کا قصد کیا جب مدینہ منورہ کے حدود میں داخل ہوئے تو سواری سے اتر پڑے اور پیدل چلنے لگے۔ (۲)

حضرت عمرؓ کو وصالِ رسول کے بعد مسجد نبوی کے احترام کا تک اس قدر لحاظ تھا کہ دو افراد کو مسجد نبوی میں بلند آواز سے گفتگو کرتے دیکھا تو دونوں کو بلوایا اور دریافت کیا کہ تم دونوں کا تعلق کس علاقہ سے ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں تو فرمایا کہ اگر تم مدینہ کے ہوتے تو تمہیں دردناک سزا دیتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آواز بلند کرتے ہو؟۔ (۳)

عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تقاضے

عظمتِ رسول کے متعدد تقاضے ہیں، عظمتِ رسول کا تقاضہ ہے کہ آپ کی سنتوں کا احترام کیا جائے ان کے مقابلہ میں غیروں کا طریقہ اپنانا عظمتِ رسول کے سراسر منافی ہے؛ اسی طرح صحیح احادیث سے ثابت سنتوں کا استخفاف بھی توہینِ رسالت کے برابر ہے، عظمتِ رسول میں یہ بھی شامل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بار بار تہذکرہ کیا جائے آپ کے فضائل و خصوصیات بیان کئے جائیں آپ کے معجزات و دلائلِ نبوت کا علم حاصل کیا جائے، لوگوں کو آپ کی سنتوں سے واقف کرایا جائے؛ نیز لوگوں کو آپ کے مقام و مرتبہ اور علو شان سے آگاہ کیا جائے، آپ کی صفات و اخلاق اور حلیہ مبارک بیان کیا جائے اور امت پر آپ کے کیا حقوق عائد ہیں انہیں بیان کیا جائے؛ نیز آپ کی سیرت اور آپ کے غزوات کا علم حاصل کیا جائے اور ان سے دوسروں کو واقف کرایا جائے۔ (۴)

(۱) ما مسست القوس إلا على طهارة (حوالہ سابق)

(۲) وقرب من بيوتها تخرجل ومشى باكيا

(۳) "وترفعان أصواتكما في مسجد الرسول" (بخاری باب رفع الصوت في المساجد حدیث ۴۵۸)

(۴) "وما كان من امر دعوته وسيرته وغزواته" (حقوق النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی امتہ، تعظیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۲/۴۷۲)

عظمت رسول کا ایک اہم تقاضہ آپ پر درود و سلام کا اہتمام ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے عجیب انداز میں مسلمانوں کو اس کی تاکید فرمائی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے نبی پر رحمت نازل کرتے ہیں فرشتے بھی ہمیشہ آپ کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں؛ گویا عالم طوی اور عالم سفلی دونوں کو آپ پر درود بھیجنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ (۱)

مؤمنوں کا نبی پر درود بھیجنا دراصل اللہ تعالیٰ سے آپ کی مزید ثنا کی گزارش ہے۔ (۲) آیت قرآنی میں امر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی پر درود واجب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بخیل قرار دیا ہے جس کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے۔ (۳)

عظمت رسول کا ایک تقاضہ یہ ہے کہ آپ کا نام پاک ادب سے لیا جائے؛ بلکہ آپ کو نام لیکر پکارنے کے بجائے رسول اللہ نبی اللہ یا آپ کے دیگر اوصاف ذکر کئے جائیں، قرآن مجید میں بھی اس کی تاکید کی گئی ہے، ارشاد ہے لا تجعلوا دعاء الرسول کدعاء بعضکم بعضا۔ (۴)

عظمت نام پاک کا نمونہ

آدمی کے دل میں جب عظمت جاگزیں ہو جاتی ہے تو پھر اس کے لیے بادشاہت بھی احترام کے تقاضوں کی تکمیل میں رکاوٹ نہیں بنتی، سلطان محمود پر حب رسول اور عظمت رسالت کا اس قدر غلبہ تھا کہ وہ اپنی زبان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک لانے میں حد درجہ احتیاط کرتا تھا؛ اس کے ایک ندیم خاص کا نام محمد تھا وہ اس کو ہمیشہ اسی نام سے پکارا کرتا تھا ایک روز اس

(۱) ”ثم امر الله تعالى أهل العالم السلفي بالصلاة والتسليم عليه“ (أضواء السلف السعودية،

تفسير ابن كثير ۴/۶۰۰ دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) ”فهو طلب المزيد من الشاء من الله عز وجل“ (التأديب مع الرسول ۱/۱۱۹ حسن نور محمد)

(۳) ”البيخيل الذي من ذكرت عنده فلم يصل علي“ (ترمذی حدیث ۳۵۴۶:)

(۴) النور ۳۶

نے اس کو تاج الدین کہہ کر پکارا وہ آیا اور شاہی حکم کی تعمیل کر کے گھر گیا، تین دن تک سلطان کی خدمت میں حاضر رہا، سلطان نے اس کو گھر سے بلوا بھیجا اور اس سے غیر حاضری کا سبب دریافت کیا تو اس نے عرض کیا کہ آقا مجھے ہمیشہ محمد کے نام سے پکارا کرتے تھے، اس روز خلافتِ عادت مجھے تاج الدین کے نام سے پکارا گیا تو میں نے سمجھا کہ مجھ سے بدگمانی پیدا ہو گئی ہے اس لیے میں نے اپنی صورت نہیں دکھائی اور یہ تین روز میں تم سے بدگمان نہیں ہوں؛ لیکن جب میں نے تم کو تاج الدین کہہ کر پکارا تھا اس وقت میں با وضو نہیں تھا، مجھے شرم آتی ہے کہ محمد کا نام بے وضو لوں۔ (۱)

ذکر رسول ﷺ کی برکات

عظمتِ رسول کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ کا ذکر خیر سراسر خیر و برکت کا ذریعہ ہے، عارف باللہ حضرت شاہ حکیم اختر صاحب علیہ الرحمۃ نے اس ضمن میں حضرت تھانویؒ کی تصنیف لطیف ”نشر الطیب فی ذکر النبی الجلیل“ کا واقعہ نقل فرمایا ہے جب حضرت تھانویؒ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل پر اس کتاب کو لکھ رہے تھے اس زمانہ میں تھانہ بھون میں طاعون پھیلا ہوا تھا جس دن کتاب لکھتے قصبہ میں کوئی موت نہیں ہوئی تھی اور جس دن ناغہ ہوتا اس دن کئی اموات ہو جاتی تھیں، جب حضرت کو مسلسل یہ روایت پہونچی تو آپ روزانہ لکھنے لگے تو وہاں طاعون ختم ہو گیا۔ (۲)

عظمتِ رسول میں یہ بھی شامل ہے کہ آپ کی مسجد اور آپ کے روضہ مبارک نزدیک آواز بلند نہ کی جائے حتیٰ کہ سلام پیش کرتے ہوئے بھی علماء نے آواز بلند کرنے سے منع فرمایا ہے اور مسجد نبویؐ اور روضہ رسولؐ کی زیارت کے مستقل آداب ہیں جن کی رعایت کرنا ہر مؤمن پر ضروری ہے، اتنا ہی نہیں بلکہ شہرِ مدینہ کا احترام بھی لازم ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے متعدد فضائل ذکر فرمائے ہیں، مدینہ مقدس شہر ہے جہاں مسجد نبویؐ اور روضہ رسولؐ ہے۔

تیسرا باب

واقعاتِ ہجرت کا پیغام

واقعہ ہجرت - ایک مطالعہ

واقعہ ہجرت اسلامی تاریخ کا ایک تابناک باب ہے جس کے بغیر اسلامی تاریخ ادھوری رہ جاتی ہے، بلکہ اسلامی تاریخ کی وسعت اور اس کا ارتقاء واقعہ ہجرت ہی سے وابستہ ہے، ہجرت کے بعد ہی اسلام مکہ کی بنجر زمین اور اسکی محدود چہار دیواری سے نکل کر آفاق عالم کی جانب اپنے سفر کا آغاز کر سکا، ہجرت دراصل ساری انسانیت کے لیے حرکت، بیداری، تہوج اور بے پناہ اولوالعزمی کا ایک انقلاب آفریں پیغام ہے، ہجرت ہی سے ساری انسانیت کے لئے دنیا میں ایک نیا سوریا طلوع ہوا، خداوند قدوس کے یہاں یہ بات طے شدہ تھی کہ اس کے محبوب بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لگائی گئی صدا چار دانگ عالم میں پھیل جائے گی، چنانچہ اس عظیم انقلاب کے لئے جب مکہ کی زمین تنگ کر دی گئی تو قدرت نے ہجرت کی شکل میں ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ اس عظیم دعوت کو کھلی فضا نصیب ہوئی، قبل اس کے کہ ہم ہجرت کے رموز و اسرار اور بصائر و حکم کی طرف اشارہ کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہجرت کے پس منظر، اسباب و محرکات پر ایک نظر ڈال لیں۔

ہجرت کا پس منظر اور مستشرقین کا پروپیگنڈہ

مستشرقین اور اسلام دشمن لابی کی طرف سے کئے گئے پروپیگنڈوں اور تاریخ کی مادی تشریح کے فلسفہ سے جہاں تاریخ اسلام اور بالخصوص اس کا وہ حصہ جو آپ کے اقدامات اور سیرت سے متعلق ہے مخدوش ہو گیا وہیں پر ہجرت جیسے عظیم واقعہ کا مخدوش و متاثر ہونا تعجب خیز بات نہیں، عصر حاضر کے ان نام نہاد محققوں نے تحقیق و ریسرچ کے نام پر تحقیقی حقائق کو جس بھونڈے انداز سے مسخ کرنے کی کوشش کی ہے اس سے ان کی اسلام دشمنی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے چنانچہ جب انہوں نے یہ محسوس کیا کہ ہجرت اور اس کے پس منظر کو ایک نئے زاویہ سے پیش کیا جائے تو اس سے اسلامی تاریخ پر کاری ضرب ہی نہیں بلکہ بعثت رسول کے مقاصد اور واقعہ ہجرت پر مبنی حقائق و نتائج بھی بری طرح متاثر ہو سکتے ہیں تو انہوں نے اس گوشہ پر ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور کہنے لگے کہ

مکہ سے مسلمانوں کی ہجرت کسی دینی مقصد یا اسلامی جذبہ کے تحت نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک نئے دین کو قبول کرنے سے جب ان پر اقتصادی ناکہ بندی کر دی گئی اور انہیں ایک خطرناک معاشی بحران سے دوچار ہونا پڑا نیز مکہ میں ان کے لئے عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا تو انہوں نے ایک ایسی جگہ ہجرت کرنی چاہی جہاں وہ چین کا سانس لے سکیں اور ان کا اقتصاد بھی مستحکم ہو، یہ ایک ایسا پروپیگنڈہ ہے جس کی نہ تاریخی حقائق تائید کرتے ہیں اور نہ ہی سیاق و سباق سے اس کا کوئی سراغ ملتا ہے۔

تاریخ اسلام سے معمولی واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ مکہ میں جن جواں مردوں نے سب سے پہلے محمد عربیؐ پر ایمان لایا تھا ان کی معاشی حالت کا معیار کیا تھا؟ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت خدیجہ الکبریٰؓ اور حضرت عثمانؓ، یہ وہ حضرات تھے جن کے پاس مال و دولت کی بہتات تھی ان کی تجارت کا دائرہ اتنا وسیع تھا کہ وہ بہ آسانی مکہ کی اقتصادیات پر اثر انداز ہو سکتے تھے، اس کا اندازہ کتب سیرت کی روایات سے لگایا جاسکتا ہے، کوئی اپنا سارا مال جائیداد چھوڑ کر جا رہا ہے تو کسی کو اپنے گھر کے ساز و سامان سے ہاتھ دھونا پڑ رہا ہے، کوئی ہے کہ محض کافروں سے خلاصی پا کر نکلنے کے لئے ان سے اپنی ساری دھن دولت کا سودا کر رہا ہے ادھر حضرت ابو بکر جیسے رئیس شخص کو جن کی تجارت کا مکہ میں ڈنکا بج رہا تھا، جب ہجرت کی خوشخبری دی جاتی ہے تو وہ اپنے گھر کا سارا صرفہ جس کی مقدار ۵۰ / ہزار درہم تھی لے کر خدا کے رسولؐ کے ساتھ نکل پڑتے ہیں اور پھر رسول اللہؐ کی شان دیکھتے کہ ایک شخص کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ ہجرت جیسے عظیم عمل میں مخلص نہیں ہے بلکہ دنیوی اغراض کے حصول کے تحت ہجرت کر رہا ہے تو فوراً تنبیہ کر دی ”ومن كانت هجرته الى دنيا يصيبها أو امرأة ينجسها فلهجرة الى ما هاجر إليه“ (۱) (جس کی ہجرت دنیوی مقصد کے حصول کے لئے یا کسی عورت سے شادی کرنے کی نیت سے ہو اس کی ہجرت اسی مقصد کے لیے ہوگی)

ایک طرف حضورؐ سے صحابہ کاشدت عشق نظر میں رکھنے اور دوسری طرف حضورؐ کا یہ ارشاد ذہن

(۱) بخاری: کیف كان بدء الوحي الى رسول الله ﷺ حديث ۱ :

میں رکھنے پھر سوچئے کہ صحابہ کی ہجرت کا کیا مقصد تھا؟

ایک مغالطہ کا جواب

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک مغالطہ کا ازالہ کیا جائے جس کا عام طور پر لوگ شکار ہوتے ہیں گو کہ واقعہ ہجرت سے اس کا تعلق دور کا ہے تاہم اس کے بعض گوشوں کو اجاگر کرنے میں معاون ثابت ہو سکتا ہے وہ مغالطہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی مظلومانہ زندگی، دفاعی کارروائی سے احتراز اور پے در پے ظلم سہتے رہنے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ مسلمان اس قدر زبوں حال تھے کہ ان کے لئے سوائے ظلم کی چکیوں میں بسنے کے کوئی چارہ نہ تھا چہ جائے کہ وہ کفار مکہ سے برسر پیکار ہو جاتے حالانکہ حقیقت حال ایسی نہ تھی، یہ صحیح ہے کہ مسلمان کفار مکہ کے مقابلہ میں کمزور ضرور تھے کیونکہ ان کی نفری تعداد مختصر تھی، وسائل کی بھی ان کے پاس قلت تھی لیکن بایں ہمہ اگر وہ چاہتے اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اشارہ ملتا تو وہ کفار مکہ کی زندگی دو بھر کر دیتے اور خفیہ طریقہ پر ان کے خلاف پُر تشدد کارروائیاں کرتے، جیسی صورت حال آج پنجاب و کشمیر اور بعض دوسرے علاقوں میں نظر آرہی ہے لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ مسلمان اسی میں الجھ کر رہ جاتے اور ان کا اصل دعوتی مشن لوگوں کے ذہنوں سے محو ہو جاتا، ورنہ کیا وجہ ہے کہ جن جاٹاروں نے سارے سماج کی دشمنی مول کر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہو اور ان پر بے رحم ظالم آئے دن ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہوں انہیں ”صبراً یا آل یاسر“ (۱) (اے آل یاسر صبر کرو) کی تلقین کی جائے؟ واقعہ یہ ہے کہ جس ذات مالی کے پیغام کو عام کرنے کے لیے آپ یہ سب برداشت کر رہے تھے اس کی طرف سے طاقت کے استعمال کی اجازت بھی نہیں ملی تھی، یہی وجہ ہے کہ جب مدینہ کی ہجرت کو کچھ عرصہ گزر گیا تو حضر جبریل ”اذن للذین یقاتلون بأنہم ظلموا“ (۲) (ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے (کافروں کی طرف سے) لڑائی کی جاتی ہے اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا) لے کر اترے، اس آیت میں اجازت دی گئی کہ الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ”اجازت نہیں تھی، اس پوری صورت حال سے مسلمانوں کو یہ پیغام ملتا ہے کہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ہر نقصان کو

برداشت کیا جاسکتا ہے لیکن دعوتی کام کے نقصان کو برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

ہجرت اور چند حقائق

نظام کائنات میں اللہ تعالیٰ کے چند تکوینی قوانین کار فرما ہیں جن کے بغیر دنیا کی کوئی چیز نہ تو وجود میں آتی ہے اور نہ باقی رہ سکتی ہے، انہیں قوانین میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں کی چیزوں کو اسباب کے ساتھ جوڑ رکھا ہے، جب تک مطلوبہ اسباب کو اختیار نہیں کیا جائے گا نہ کوئی کوشش کامیابی سے ہمکنار ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس کے مطلوبہ نتائج برآمد ہو سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی جانب سے انسان سے یہ مطالبہ ہے کہ وہ اپنی وسعت و امکان کے بقدر مطلوبہ اسباب کو اکٹھا کرے، پھر اللہ کی ذاتِ عالی سے لو لگائے رکھے، جب یہ دو عناصر ترکیبی وجود میں آتے ہیں تو پھر نصرتِ الہی بھی حرکت میں آتی ہے، رسول اکرمؐ کی زندگی کے تمام مراحل بالخصوص ہجرت جیسے نازک ترین مرحلہ میں مذکورہ دونوں پہلو مکمل طور سے نظر آتے ہیں ایک طرف خدا کی ذات پر کامل یقین ہے کہ وہ اپنے دین کو غالب کر کے رہے گا اور یہ کہ سب کچھ اسی سے ہوتا ہے، دوسری طرف عمل پیہم، جہد مسلسل، حتی الامکان اسباب کی فراہمی، ٹھوس اقدامات اور مضبوط پالیسیوں کا ایک طویل سلسلہ ہے، ایک طرف ذہن میں ہجرت کا نقشہ تیار کیا جا رہا ہے اور دوسری طرف نگاہیں آسمان کی طرف اٹھی ہوئی فریاد کر رہی ہیں ”وقل رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا“ (۱)

(اے اللہ مجھے خوبی کے ساتھ پہنچائیو اور مجھ کو خوبی کے ساتھ لے جاتیو اور مجھے اپنے پاس سے ایسا غلبہ دیجیو جس کے ساتھ نصرت ہو)

گویا امت کو یہ بتانا مقصود ہے کہ کوئی بھی تحریک یا انقلاب اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک زمین و آسمان کا یہ حین امتزاج اسے مستحکم بنیاد فراہم نہ کرے۔

ہجرت کا آغاز

ہجرت کی سرگرمیوں کا آغاز کب سے ہوا اس کی صحیح تحدید تو شاید مشکل ہے تاہم اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا مکمل یقین ہو گیا کہ مکہ کی بت پرست قیادت کسی طرح اس نئے انقلاب کو برداشت کرنے والی نہیں ہے اور اب مکہ میں اس دعوت کے پھلنے پھولنے کا کوئی امکان نہیں ہے، تو اسی وقت آپ اس فکر میں تھے کہ کسی دوسرے مقام کا انتخاب کیا جائے، اور یہ اس لئے کہ آپ اچھی طرح جان چکے تھے کہ بنجر زمین میں اپنے دعوتی مشن کو جاری رکھنا دراصل اپنی صلاحیتوں کو ضائع کرنا ہے، لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ آپ نے یہ فیصلہ اس وقت کیا جب کہ سالہا سال کی طویل محنت اور بے لوث دعوت کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ مکہ کے چودھری اب اس کو چننے نہ دیں گے، ”آپ کے اس طرز عمل میں ایک داعی کے لئے بہترین اسوہ ہے، اس سے جہاں یہ درس ملتا ہے کہ داعی کو مدعو سے فوراً دل برداشتہ نہ ہونا چاہئے، بلکہ انتہائی صبر و ضبط اور تحمل کے ساتھ اپنی محنت کو جاری رکھنا چاہئے، وہیں یہ رہنمائی بھی ملتی ہے کہ داعی کو اگر طویل مدت کے بعد بھی مدعو سے مستقبل میں کسی چیز کی امید نہ رہے تو وہ اپنی صلاحیتوں اور کاوشوں کو ان کے پیچھے لگا کر ضائع نہ کرے۔

طائف کے سفر سے جب آپ کو ناامید لوٹنا پڑا تو آپ پست ہمتی کا شکار نہ ہوئے بلکہ مزید شدت وقت کے ساتھ اس فکر و کوشش میں رہے کہ اللہ تعالیٰ دعوت کے پھیلنے کی کوئی سبیل نکالے چنانچہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے بعثت کے گیارہویں سال یثرب سے ایک وفد مکہ آیا، آپ ﷺ نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت، اس کی تعلیمات اور اس کے آفاقی پیغام کو پیش کیا سمجھوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا، ایک سال گزرا تھا کہ یثرب سے بارہ آدمیوں پر مشتمل ایک اور وفد آیا، اس مرتبہ انہوں نے رسول اکرمؐ سے اسلامی اقدار پر کاربند رہنے اور اس کو اپنی زندگی میں نافذ کرنے پر بیعت کی، آپ کی بصیرت اور ٹھوس حکمت عملی کا اندازہ لگائیے کہ پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی تو صرف اسلام کی دعوت پیش کی باوجود یہ کہ انہوں نے اسلام کو مصمم قلب قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی تھی لیکن آپ نے بیعت میں جلدی نہ کی، جب

دوسرے سال بارہ افراد آئے جن میں چھ پرانے تھے تو ان سے بھی صرف بیعت پر اکتفا کیا، اب بھی ان کے سامنے اپنی بات نہ رکھی، اور نہ ہی اپنے آنے کا ارادہ ظاہر فرمایا، جب دوسری مرتبہ آنے پر ان کی سچائی اور اخلاص کے سلسلے میں مزید اطمینان ہوا نیز ان سے بیعت ہوئی تو اپنے اپنے ایک قاصد کو بھیج کر وہاں کے ماحول کو سازگار بنانا چاہا چنانچہ مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ساتھ روانہ کیا، حضرت مصعبؓ کی ایک سالہ محنت سے مدینہ کی کایہ پلٹ گئی جس کے نتیجہ میں اگلے سال ۷۲ / مرد اور دو عورتوں پر مشتمل ایک وفد اسلام سے مشرف ہونے کے لئے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، اب تیسری مرتبہ جب آپؐ کو مدینہ کے حالات کے سلسے میں پورا اطمینان ہوا اور سارے خدشات ختم ہو گئے تو ان کے سامنے ہجرت کی پیش کش کی اور پوری صراحت کے ساتھ ان لوگوں سے اسلام اور رسول خداؐ کی حفاظت کی خاطر مرثیے پر بیعت کی، اب حالات پوری طرح سازگار ہو چکے تھے، مدینہ کے نئے مسلمانوں کے اسلامی جذبہ اور اخلاق پر کامل اعتماد حاصل ہو چکا تھا، (۱)

مادی اسباب بالکلیہ اس کی اجازت دے رہے تھے کہ اب ہجرت کی جائے لیکن رسول اکرمؐ نے اپنے ساتھیوں کو تو چپکے سے نکلنے کا حکم صادر فرمایا اور خود آسمانی اشارے اور خدائی مشیت کے منتظر رہے، مادی اسباب اور آسمانی مدد میں کیسی عجیب ہم آہنگی ہے اس کا اندازہ آپؐ کی زندگی کے ایک گوشے سے لگایا جاسکتا ہے، یہ اس عظیم ذات کی سیرت ہے جو دنیا میں امام المتوکلینؑ کہلاتی جس نے دنیا کو توکل کے مفہوم سے آشنا کیا لیکن آج اسی نبیؐ کی امت سیرت کے اس عظیم پیغام کو فراموش کر کے دردِ در کی ٹھوکریں بکھا رہی ہے۔

مکہ کے چودھریوں نے جب دیکھا کہ مکہ مسلمانوں سے خالی ہوتا جا رہا ہے اور عنقریب رسول اکرمؐ بھی مدینہ روانہ ہونے والے ہیں تو فوراً حرکت میں آ گئے، وہ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ مدینہ جا کر مسلمان چین کی سانس لیں اور رسول اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین خوب پھلے پھولے، چنانچہ ادر جبریل امینؑ ہجرت کا پروانہ لے کر اترے اور کفار مکہ کے ناپاک عزائم سے مطلع کیا۔

شب ہجرت شب عشق و امتحان

جس اشارے کے آپ سخت منتظر تھے اب وہ مل چکا تھا نیز اس وقت آپ کو اللہ کی نصرت و تائید اور غیبی حفاظت جو کامل اعتماد رہا ہوگا اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے، اب آپ کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ تھی لیکن اس کے باوجود آپ نے ہجرت میں جلدی نہ کی اس لئے کہ آپ کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اسی وقت ہو سکتی ہے جب ظاہری اسباب اور عقل و بصیرت کا بھی مطلوبہ استعمال کیا جائے، چنانچہ اب ٹھوس اقدامات کا مرحلہ آتا ہے، اس نازک مرحلہ کو طے کرنے کے لیے معاون کے طور پر اپنے ایسے دو ساتھیوں کا انتخاب فرمایا جنہوں نے آپ پر سب سے پہلے ایمان لایا تھا، حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر رات گزارنے کا حکم فرمایا، حضرت علیؓ نے اس موقع پر اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر جس عظیم قربانی اور والہانہ محبت کا ثبوت دیا ہے تاریخ انسانی میں بہت کم اس کی مثالیں ملتی ہیں، واقعہ ہجرت کا تفصیلی جائزہ لینے سے جو چیز سب سے نمایاں نظر آتی ہے وہ یہ کہ ہجرت از آغاز تا انجام ایثار و قربانی کی ایک طویل داستان ہے دوسرا کام جو حضرت علیؓ کے ذمہ کیا گیا تھا وہ کفار مکہ کی امانتوں کو لوٹانے کا تھا جو اس وقت تک آپ کے پاس باقی رہ گئی تھیں، یہ رسول اکرم محمد ﷺ جیسی امین لقب ذات ہی کی شان تھی کہ ایک ایسے نازک ترین مرحلے میں جبکہ سارا مکہ آپ کے خون کا پیاسا تھا اپنے دین ہی کی نہیں بلکہ عام انسانی قدروں کو تک پامال نہیں کیا، حالانکہ ہجرت جیسے عظیم مقصد کے مقابلہ میں ان جزئیات کو ترک کیا جاسکتا تھا لیکن آپ نے اس کو بھی گوارا نہ فرمایا کہ تھوڑی دیر کے لئے بھی لوگ آپ سے بدگمان ہو جائیں۔

مختصر یہ کہ رسول اکرم ﷺ اور آپ کے رفیق حضرت ابو بکر صدیقؓ دو افراد پر مشتمل چھوٹا سا قافلہ چپکے سے مدینہ کی طرف نکل پڑتا ہے اس طور پر کہ اہل مکہ کو کانوں کان خبر نہ ہو، نکلنے سے پہلے مدینہ پہنچنے تک پیش آنے والے سارے خدشات، ضرورتوں اور کفار مکہ کی طرف سے کی جانے والی امکانی سازشوں کا جائزہ لے کر اس کے مطابق نہایت منظم پروگرام مرتب کیا جاتا ہے، سب سے پہلے ایسے راستے کا انتخاب کیا جاتا ہے جو غیر معروف تھا تا کہ دشمن تلاشی کے بعد بھی مطلع نہ ہو پائیں

پھر کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک غار میں پناہ لیتے ہیں تین دن تک اس میں قیام کیا جاتا ہے تاکہ دشمن تلاش کر کے تھک جائیں تو بقیہ سفر اطمینان سے طے کیا جاسکے، اگر مسلسل سفر جاری رکھا جاتا تو اس کا قوی امکان تھا کہ بیچ راستہ میں دشمن آگھیریں، ادھر حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کو صبح و شام غار میں کھانا پہنچانے کی ذمہ داری پہلے ہی سونپی جا چکی تھی، چنانچہ وقت پر کھانا پہنچ جایا کرتا تھا پھر دوسری طرف یہ بھی ضروری تھا کہ اس دوران کفار مکہ کی پل پل کی خبر رکھی جائے، اس کام پر عبداللہ بن ابوبکرؓ کو مامور کیا گیا وہ شام کو مکہ کے سارے حالات سے آگاہ کرتے تھے، ابتداء سے انتہاء تک ان ساری تدابیر اور اسباب کو اختیار کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی نصرت کی جھلکیاں نظر آئیں، (۱) سراقہ کے گھوڑے کے پیر دھنسا دیے جانے کو تو ذہن میں خوب تازہ کیا جاتا ہے لیکن اسباب و تدابیر کے پہلو کو جو آپ کے ہر اقدام میں نمایاں نظر آتا ہے بالکل فراموش کر دیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں سیرت کا مواد جو سراسر حرکت، بیداری، تہجد اور پیہم کوشش کا داعی ہے امت کے لیے جمود اور تعطل کا باعث بن جاتا ہے، چنانچہ آئے دن سیرت کے عنوان سے جلسے، پروگرام اور سمینار منعقد کئے جاتے ہیں مگر عوام کی زندگی پر وہ کوئی اثر نہیں چھوڑتے، حالانکہ سیرت کا ہر گوشہ اس قابل ہے کہ زندگی میں انقلاب پیدا کر دے، واقعہ ہجرت ہی کا سرسری جائزہ لیا جائے تو اس میں مسلمانوں کو کیسا عظیم پیغام ملتا ہے! کس بے سرو سامانی کے عالم میں اللہ کے نبی ﷺ نے ہجرت کی اور پھر اللہ نے یاس و ناامیدی کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں کیسے امید کی چراغ جلائی؟ کیا اس کے باوجود بھی موجودہ حالات میں مسلمان ناامیدی کا شکار ہو سکتے ہیں؟ افسوس کہ دوسری ملحد قوموں نے اس گر کو سمجھا اور اس دنیا میں اپنا سکھ جمائیں اور مسلمان ایسے مدبر اعظم نبی کریم ﷺ کے سامنے والے ہو کر بھی نبی کے معجزات کو پڑھ کر لطف تو اٹھاتے رہے مگر آپ ﷺ کی سیرت کے حقیقی پیغام سے ناواقف رہے تو کل کی غلط تفسیر نے انہیں جمود و تعطل کا شکار بنا دیا۔

آج ضرورت اس بات کی ہے سیرت کے اس عظیم سرمائے کا اس نقطہ نظر سے مطالعہ کیا

جائے اور آپ ﷺ کی زندگی کے ان پہلوؤں پر زیادہ سے زیادہ توجہ دی جائے جو اسباب کی نوعیت کے ہیں جن سے آپ ﷺ کی شان تدبر و فراست کا اظہار ہوتا ہے پھر اپنی حالت پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے کہ ان دو پہلوؤں میں ہم نے کہاں تک توازن باقی رکھا ہے، کیا یہ حقیقت نہیں کہ اگر امت کا ایک طبقہ توکل محض کی دعوت دیتا ہے تو دوسرا اسباب ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھا ہے، جب تک ان دونوں میں توازن پیدا نہیں کیا جائے گا اس وقت تک امت کامیاب نہیں ہو سکتی۔

واقعہ ہجرت کی عصری معنویت

ہجرت: لغت میں چھوڑنے، جدا کرنے اور ترک کرنے کو کہتے ہیں، چنانچہ قرآن و حدیث میں یہ لفظ اس معنی میں کثرت سے استعمال ہوا ہے، ارشاد باری ہے:

”اور جن کی بد خوئی کا ڈر ہو تم ان کو سمجھاؤ اور جدا کر دو سونے میں“۔ (۱)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اور حقیقی مہاجر وہ شخص ہے جو ان چیزوں کو ترک کر دے جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے“۔ (۲) دوسری جگہ فرمایا: ”کسی مسلمان کے لیے یہ درست نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع کلام کرے“۔ (ریاض الصالحین) عام محاوروں میں لوگ ہجرت کے لفظ کو ترک وطن کے لیے استعمال کرتے ہیں، چاہے وطن کا ترک کرنا کسی بھی غرض سے کیوں نہ ہو، نیز اردو شاعری میں ہجر یار کی اصطلاح مشہور ہے، جو محبوب کی جدائی اور فراق جاناں کے لیے مستعمل ہوتی ہے، شریعت کی اصطلاح میں دار الکفر سے دار الاسلام یا دار الامن جانے کا نام ہجرت ہے، (۳) مرقاة شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ کسی وطن کو دینی مجبوری کی بنا پر چھوڑ دینا بھی ہجرت میں داخل ہے۔ (۴)

ہجرت قرآن میں

ہجرت قرآن کے ان موضوعات میں سے ہے جن کو متعدد جگہ بار بار دہرایا گیا ہے، جہاد کے بعد کثرت سے ہجرت کی تاکید کی گئی ہے، ہجرت کی اہمیت کے لیے یہی کچھ کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ

(۱) واھجروھن فی المضاجع (النساء: ۸۴)

(۲) ”المہاجر من ہجر ما نہی اللہ عنہ“ (بخاری باب الانتہاء عن المعاصی: ۶۴۸۴)

(۳) ”الخروج من دار الکفر الی دار الاسلام“ (روح المعانی ۱۰۵/۳، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۴) ”والمراد هنا ترک الوطن الذی بدار الکفر الی دار الاسلام“ (مرقاۃ المفاتیح: انما الأعمال بالنیات، دار الفکر بیروت)

نے اپنی کتاب میں جگہ جگہ اس کا تذکرہ فرمایا: سورۃ البقرۃ کی آیت ہے ”جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔“

اس آیت میں مہاجرین کی مغفرت اور ان کے ساتھ رحم و کرم کے سلوک کا وعدہ کیا گیا ہے، ایک دوسری آیت میں مہاجرین کے لیے کامیابی کا وعدہ سنایا گیا چنانچہ ارشاد ربانی ہے ”جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا وہ اللہ کے پاس بڑے درجہ میں ہیں اور یہی لوگ کامیاب و بامراد ہیں۔“ (۱)

پہلی ہجرت جب حبشہ کی طرف ہوئی تو حضرت خالد بن حزام بھی مکہ سے حبشہ کی طرف نکلے راستہ میں جب ان کو سانپ نے ڈس لیا جس سے ان کی موت واقع ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ”جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے لیے بہ نیت ہجرت اپنے گھر سے نکل کھڑا ہو پھر اس کو راستہ ہی میں موت آگئی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہو گیا۔“ (۲)

قرآن میں جہاں ہجرت کی اخروی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے وہیں اس کے دنیوی نتائج و منافع کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا ہجرت آخرت میں کامیابی کا ذریعہ تو ہے ہی ساتھ ہی دنیا کی فلاح اور کامرانی کی بھی ضامن ہے، لوگ کہا کرتے ہیں کہ حرکت میں برکت ہے، انسانی عقل بھی اس کو تسلیم کرتی ہے آدمی گھر بار اور وطن چھوڑ دیتا ہے تو اس کے لیے ترقی کی راہیں کھلتی ہیں، قرآن نے ہجرت کے دنیوی برکات کی طرف اشارہ کیا ہے، فرمان خداوندی ہے: ”جن لوگوں نے اللہ کے لیے ہجرت کی بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا، ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا ثواب تو بہت بڑا ہے، کاش یہ لوگ سمجھ لیتے، اس آیت میں خدا کی راہ میں ہجرت کرنے والوں سے وعدہ کیا گیا کہ ان کو دنیا میں بہترین ٹھکانہ عطا کیا جائے گا، جو کہ عمدہ ٹھکانہ کی تفسیر کسی نے رزق حلال سے اور کسی نے عمدہ مکان یا دشمن پر غلبہ سے کی ہے، لیکن اس کا مفہوم بہت وسیع ہے، اس میں ہر

(۱) الذین آمنوا وهاجروا وجاهدوا فی سبیل اللہ بأموالہم وأنفسہم أعظم درجۃ عند اللہ (التوبہ: ۲۰)

(۲) ومن یمخرج من بیتہ مهاجراً إلی اللہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع أجرہ علی اللہ (النساء: ۱۰۰)

طرح کی دنیوی آسائش اور راحت شامل ہے، ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے: ”جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں جگہ اور کشادگی پائے گا۔“ (۱)

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ کو دنیا میں سچ کر دکھایا، چنانچہ اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کی زندگی اس پر شاہد ہے جنہوں نے اللہ کی خاطر ہجرت کی، حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وطن چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا، بیت پر تانہ معاشرہ ان کا مخالف بن چکا تھا جب انہوں نے توحید و دین کی خاطر عراق کو چھوڑا تو اللہ نے اس سے بہترین وطن انہیں عطا فرمایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر کو چھوڑا تو انہیں اور ان کی قوم کو شام میں عزت عطا کی گئی پھر مصر بھی ان کے ہاتھ آگیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس سلسلے میں روشن مثال ہے، مکہ میں نہایت تنگیوں کا سامنا تھا، عرصہ حیات تنگ ہو گیا تھا، مسلمان کفار مکہ کے ظلم سے بے حد پریشان تھے لیکن ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے تنگی کو کشادگی سے اور عسر کو یسر سے بدل دیا اور مسلمانوں نے چین کا سانس لیا، گو کہ ہجرت کے ابتدائی مرحلہ میں کچھ دشواریاں درپیش ہوتی ہیں؛ لیکن بہت جلد حالات سازگار ہو جاتے ہیں۔

ہجرت احادیث میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں سے ہجرت کی اہمیت اور دین میں اس کے کلیدی مقام کی وضاحت فرمائی ہے، اس کا اندازہ آپ کے ان ارشادات سے لگایا جاسکتا ہے جو حدیث اور سیرت کی کتابوں میں بھرے پڑے ہیں، ایک جگہ ارشاد فرمایا: ”ہجرت ان تمام گناہوں کو ڈھاتی ہے جو اس سے پہلے کئے گئے ہوں۔“ (۲) اس سے بڑھ کر ہجرت کی کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ اس سے پچھلے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سارے اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے، بڑا سا بڑا عمل بھی اگر نیت کھوٹی ہو تو بے قیمت ہو جاتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمال میں خلوص نیت پر کافی زور دیا ہے، لیکن جس حدیث میں آپ کے خلوص نیت کی تاکید

(۱) ”ومن يهاجر في سبيل الله يجد في الارض مراعماً كثيراً وسعة“ (النساء: ۱۰۰)

(۲) ”الهجرة تهديم ما كان قبله“ (مسلم باب كون الاسلام يهدم ما كان قبله حدیث: ۱۲۱)

کی ہے اس میں خصوصیت کے ساتھ ہجرت کے عمل کا تذکرہ فرمایا ہے چنانچہ فرمانِ نبویؐ ہے :
اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے، جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہو تو اس کی
ہجرت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا کے حصول یا کسی عورت سے
نکاح کی غرض سے ہو تو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہوگی۔ (۱)

حضرات صحابہؓ جن کا عالم یہ تھا کہ مکہ میں انہوں نے اسلام کی خاطر ہر طرح کی مصیبتوں کو مول
لیا تھا ظاہر ہے کہ ان کا مکہ چھوڑ کر مدینہ جانا صرف اسی غرض سے تھا کہ اسلام کی حفاظت ہو سکے اس
کے لیے انہوں نے مکہ کی ساری جائیداد کو خیر آباد کہا، ایسے مخصوص افراد کے بارے میں کسی طرح کا شبہ
نہیں ہو سکتا کہ وہ مدینہ کسی دنیوی مقصد سے جائیں لیکن اس کے باوجود آپؐ نے دلوں کو انداز میں
کہہ دیا کہ ہجرت بلاشبہ ایک عظیم عمل ہے لیکن اسی وقت جب کہ اس میں دوسرے اغراض کا شائبہ نہ
ہو ورنہ اس سے کچھ حاصل نہ ہو سکے گا، سوائے انتقالِ مکانی کے۔

دین میں ہجرت کا مقام

قرآن و حدیث میں ہجرت کی جو اہمیت بتائی گئی ہے آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ ہجرت کے
پس منظر پر جب ہم غور کرتے ہیں تو ہم یہ مانتے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ واقعی ہجرت جیسے عظیم عمل کو
ایسی ہی اہمیت کا حامل ہونا چاہئے، اس لیے کہ ایک مسلمان کے لیے سب سے بڑی چیز نہ وطن ہے
نہ اس کی قوم اور نہ ہی اس کا معاش بلکہ کسی بھی مسلمان کے نزدیک سب سے عزیز اس کا دین اور وہ
اصول ہیں جن پر وہ ایمان لایا ہے، وہ وطن، مال برداری سب کچھ قربان کر سکتا ہے لیکن دین کو
قربان نہیں کر سکتا، مکہ میں حضرات صحابہؓ کو بحیثیت شہری ہونے کے سارے حقوق حاصل تھے،
ان کو اپنے قبیلوں میں ہر طرح کی آزادی حاصل تھی لیکن انہیں اگر کسی چیز کی آزادی حاصل نہ تھی تو وہ
دینی اصول تھے، جن پر وہ آزادی سے عمل نہیں کر سکتے تھے، لوگ محض اس لیے ان کے دشمن
ہو گئے تھے کہ وہ ایک نئے دین کے پیرو ہیں اور نئے اصول کو اپنا لیا ہے، چنانچہ انہیں اس قدر

(۱) بخاری: کیف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ حديث: ۱۰

پریشان کیا گیا کہ ان کا مکہ میں دین پر باقی رہنا مشکل ہو گیا، مجبوری کی حالت میں اپنے دین کی حفاظت کے لیے انہوں نے مکہ سے نکلنا طے کیا اس طرح ایک مسلمان ہجرت کے ذریعہ وطن و مال و جائیداد اور قوم وغیرہ تمام چیزوں کی محبت کو ٹھکرا کر محض دین کی خاطر ایک دوسرے مقام کا قصد کرتا ہے ظاہر ہے کہ وطن میں آدمی کو ہر طرح کی آسائش میسر ہوتی ہے حالات سازگار ہوتے ہیں ایک عرصہ سے قیام پذیر رہنے سے معاشی بنیادیں مستحکم رہتی ہیں پھر تعلقات کی وسعت اور آب و ہوا کی مناسبت کی وجہ سے وطن سے ایک طرح کا قلبی لگاؤ پیدا ہوتا ہے، ہجرت میں ایک مسلمان ان تمام چیزوں کو قربان کر کے ایک ایسے مقام کی طرف سفر کرتا ہے جو اس کے لیے ہر طرح کے غدشات سے پر ہوتا ہے، نئے وطن میں اس کا معاشی مسئلہ غیر یقینی ہوتا ہے پھر وہاں کی آب و ہوا کی سازگاری بھی بڑی حد تک مشکوک ہوتی ہے غرضیکہ ایک پردیس میں آدمی کو جن جن امکانات کا سامنا ہو سکتا ہے ان تمام کو ذہن میں رکھتے ہوئے وہ صرف اپنے دین کے تحفظ کے لیے یہ اقدام کر بیٹھتا ہے اس لحاظ سے ہجرت دین کا ایک مہتمم بالشان عمل ہے۔

قرآن میں ہجرت کی تیاری کا حکم

ہجرت کی اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن میں بار بار ہجرت کے لیے ابھارا گیا ہے اور مسلمانوں سے کہا کہ تمہارے پروردگار کی زمین بہت کشادہ ہے اگر مکہ میں تمہارے لیے عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے تو فکر کی بات نہیں تم دوسری جگہ ہجرت کر سکتے ہو جہاں تم آسانی کے ساتھ دینی شعائر پر عمل کر سکو، چنانچہ سورہ عنکبوت میں ارشاد ہوا: اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو میری زمین وسیع ہے پس تم میری ہی بندگی بجالاؤ، (۱) ہر متنفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، پھر تم سب ہمارا طرف ہی پلٹا کر لائے جاؤ گے، (۲) جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیا ان کو ہم جنت کی بلند عمارتوں میں رکھیں گے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی وہاں ہمیشہ رہیں گے، کیا عمدہ اجر

(۱) ”اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاَسْعٰ فِتْهَا جُورًا فِیْهَا“ (النساء: ۷۹)

(۲) ”كُلْ نَفْسٌ ذٰئِقَةُ الْمَوْتِ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ“ (العنکبوت: ۵۷)

ہے عمل کرنے والوں کے لیے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے صبر کیا اور جو اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھاتے نہیں پھرتے اللہ ہی ان کو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی، اور وہ سب کچھ سننا جانتا ہے۔“ (۱)

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہجرت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ میری زمین بہت کشادہ ہے اگر مکہ کی زمین تمہارے لیے تنگ ہو رہی ہے تو سفر کر کے دوسری جگہ کا انتخاب کر سکتے ہو، سچا مومن وہی ہے جس کے نزدیک وطن سے بڑھ کر دین سے محبت ہو دین کی خاطر وطن چھوڑنے میں کسی طرح کا پس و پیش نہیں کرنا چاہئے، اس کے بعد کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ہجرت کی راہ میں پیش آنے والے خطرات اور ہجرت کے لیے رکاوٹ بننے والے خیالات کا ذکر فرمایا عموماً دو طرح کے خدشے آدمی کو ہجرت سے روکتے ہیں ایک جان کا خطرہ دوسرا رزق اور معاش کا خطرہ، وطن میں آدمی کے اقارب اور جاننے والوں کی بڑی تعداد ہوتی ہے ناگہانی صورت حال پیش آئے تو اپنوں کی مدد سے محفوظ رہا جاسکتا ہے، اس طرح وطن میں انسان کو جان کے تحفظ کا احساس ہوتا ہے ہجرت کی صورت میں اس کو خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ کہیں کفار پیچھا نہ کریں اور راستہ میں حملہ نہ کر بیٹھیں، اس خطرہ کو رفع کرتے ہوئے کہا گیا کہ جان کا امکانی خطرہ تمہیں ہجرت سے نہ روکے، اس لیے کہ دنیا میں ہر آدمی اس لیے آیا ہے کہ اس کو ایک دن یہاں سے جانا ہے ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اگر تم وطن ہی میں رہو تب بھی موت سے چھٹکارا نہیں، مومن کا عقیدہ ہے کہ موت تو بہر حال وقت مقرر پر آئے گی ایک مومن کے لیے اہم مسئلہ یہ نہیں کہ جان کی حفاظت کیسے کی جائے بلکہ اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ ایمان کی حفاظت کیسے کی جائے اللہ تعالیٰ یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جان کی خاطر ایمان کھو کر آؤ گے تو تمہارا آثار سوائی کا باعث ہوگا اس کے برخلاف ایمان کی حفاظت کے لیے جان کھو کر آؤ گے تو ہمیشہ کے لیے آرام میں رہو گے، آخری آیت میں ہجرت کی راہ میں رکاوٹ بننے والے دوسرے خدشے کا ازالہ کیا گیا، آدمی کے لیے وطن میں معاش کے کئی ایک ذرائع ہوتے ہیں جو پردیس میں میسر نہیں آسکتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رزق کی فکر بھی مومن کو ہجرت سے باز نہ رکھے،

(۱) ”وَكَايْنِ مِنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ“ (العنکبوت: ۵۸)

اس لیے کہ رزق تو ہم دیتے ہیں رزق کے اسباب تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالیں اور تم اس افسوس میں نہ گھر جاؤ کہ ہجرت کی وجہ سے تمہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے، اس لیے کہ بہت سے جانوروں کو ہم بلا سبب رزق پہنچاتے ہیں کتنے جانور ہیں جنہیں رزق کی فکر نہیں ہوتی مگر انہیں اللہ برابر رزق پہنچاتا ہے اس طرح تمہیں بھی اللہ ہی رزق دے گا۔

آمد م بر سر مطلب

اوپر کی تفصیل کو سامنے رکھتے ہوئے ہجرت کی اہمیت کا اندازہ لگانے میں کسی قسم کی دشواری نہ ہوگی ایک طرف ہجرت کے سلسلہ میں قرآنی تاکید کو ذہن میں رکھتے اور دوسری طرف اسلامی تاریخ کے عظیم واقعہ ہونے کا استحضار کر لیجئے اور اس پس منظر میں رسول اکرم ﷺ کی مدینہ کی طرف ہجرت کا جائزہ لیجئے تو اس میں کئی پہلو ایسے ملیں گے جن سے امت اسلامیہ رہنمایانہ خطوط حاصل کر سکتی ہے اور ان کی روشنی میں اپنا سفر جاری رکھ سکتی ہے، ذیل کی سطروں میں ہم واقعہ ہجرت سے حاصل ہونے والے چند ایسے پہلوؤں کی نشاندہی کریں گے جو ملت اسلامیہ کے لیے ہمیز کا کام دے سکتے ہیں، اس مضمون کا مقصد یہی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی سیرت بلکہ پوری اسلامی تاریخ کا ایک عظیم باب جو ہجرت کی شکل میں پایا جاتا اس کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی جائے، سیرت نگاروں نے واقعہ ہجرت پر خاص توجہ دی ہے بالخصوص جن اسلامی اسکالروں نے فقہ السیرۃ کو اپنا موضوع بنایا ہے انہوں نے ہجرت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور یہ عظیم واقعہ اس کا مستحق بھی ہے۔

ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد

ہجرت سے قبل مسلمانوں کا سماں حال تھا؟ عسر ہی عسر، تنگی ہی تنگی تھی، بھغار مکہ کی ریشہ دو انیاں نقطہ عروج کو پہنچ چکی تھیں جو دین چہار دانگ عالم میں پھیلنے کے لیے آیا تھا مکہ کی ناہموار فضا نے اس کو مکہ کی گلیوں تک محدود کر رکھا تھا، مدینہ کی جانب ہجرت نے مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی اور قانون الہی کا یہ مژدہ سنایا کہ ہر عسر میں یسر کا پہلو چھپا ہوا ہے، ہر تنگی آنے والی فراخی اور کشادگی کا

پیش خیمہ ہوتی ہے جہاں مصیبتوں کی انتہا ہوتی ہے وہیں سے آسانی کی راہیں کھلتی ہیں، جہاں آدمی ہر طرح کے دنیوی اسباب سے مایوس ہو جاتا ہے وہیں نصرتِ خداوندی اسے تھام لیتی ہے، ہجرت سے قبل مسلمان جن صبر آزمائیاں سے گزر رہے تھے ان حالات میں تو وہ خواب و خیال میں بھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ مدینہ کی ہجرت انہیں ایک ایسے مقام پہنچا دے گی جہاں وہ ایک اسلامی حکومت تشکیل دیں گے اور فتح مکہ کے موقع پر جن کفار نے مسلمانوں کے ساتھ ظلم و زیادتی کا سلوک کیا تھا وہی لوگ مسلمانوں سے سلامتی اور زندگی کی بھیک مانگیں گے لیکن دنیا نے دیکھا کہ ہجرت کے بعد حالات کیسے سازگار ہوئے اور مسلمان کہاں پہنچ گئے، آج مسلمان جن مشکلات سے گزر رہے ہیں اور عالمی منظر نامہ میں مسلمانوں کی جو حالت زار ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے لیکن انہیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں واقعہ ہجرت مسلمانوں کو یہ پیغام دیتا ہے کہ وہ صبر سے کام لیں اور ناامید نہ ہوں اللہ چاہے تو بہت جلد حالات کی کایا پلٹ جائے گی، سخت سے سخت حالات میں بھی بندہ مومن کو اللہ کی ذات سے مایوس نہ ہونا چاہئے۔

مسلم معاشرہ قنوطیت کی چادر میں

آج مسلم معاشرہ کا عجیب حال ہے، عوام تو عوام خواص اور قائدین کا طبقہ بھی مایوسی کا شکار ہے اور لوگوں کو قنوطیت اور ناامیدی کا درس دیتا پھرتا ہے وہ جدھر نظر دوڑاتا ہے اس کو بحران ہی بحران نظر آتا ہے، مشکلات اور چیلنجوں کا ذکر چھیڑتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ ایک نہ ختم ہونے والی داستان ہے جب کہ اس رویہ کا حاصل اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ عملی قوتیں مفلوج ہو کر رہ جاتی ہیں اور جذبات کی انگلیٹھیاں سرد پڑ جاتی ہیں، یہ دراصل رسول اکرم ﷺ کی سیرت سے دوری کا نتیجہ ہے، آپ کی سیرت میں کہیں بھی ناامیدی کی جھلک نظر نہیں آتی، آپ ﷺ نے نہایت نازک حالات میں بھی فرزندانِ اسلام کو ہمت دلائی مکہ میں کیسی بھیانک صورتحال تھی ہر طرف سے عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا تھا کوئی چیز آپ کو اپنے دعوتی منصوبے سے روک نہ سکی، ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے موجودہ حالات کا تقابل مکہ کی زندگی سے کسی طرح نہیں کیا جاسکتا، عالمی حالات سے قطع نظر اگر ہم اپنے ملک کا جائزہ لیں تو یہ کہنے میں کسی قسم کا تردد نہ ہوگا کہ باوجود سینکڑوں مسائل کے جو یہاں

مسلمانوں کو درپیش ہیں مسلمان اپنے دین پر نہ صرف کار بند رہ سکتے ہیں بلکہ غیروں میں اشاعت دین کا کام بھی کر سکتے ہیں، بشرطیکہ حکمت و مصلحت کو ہاتھ سے جانے نہ دیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمارے اور ہمارے دین کے خلاف کی جانے والی سازشوں سے ہم بالکل ہی غافل رہیں اور اس اطمینان میں رہیں کہ یہاں کچھ نہیں ہو رہا ہے، یہ حقیقت ہے کہ فرقہ پرست قوتیں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے اسلامی تشخص کو ختم کیا جائے اور انہیں قومی دھارے میں بہنے پر مجبور کیا جائے، لیکن جہاں اس قسم کے مسائل ہیں وہیں امکانات بھی ہیں، اسلام دشمنی اور پروپیگنڈوں کا سہارا لے کر آدمیوں کا ایک طبقہ صرف داویلا چلانے ہی کو وقت کا تقاضا سمجھ بیٹھا ہے اور نتیجہ اس کا یہ ہو رہا ہے کہ مسلم قوم کی نظر صرف سازشوں اور چیلنجوں پر مرکوز ہو کر رہ گئی ہے جب کہ اس کے سامنے بہت سے ایسے مواقع ہیں جن کو استعمال کر کے وہ تعمیری خدمات انجام دے سکتی ہے، واقعہ ہجرت سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ ہم ان صبر آزمایا حالات میں امید کی شمع جلا کر عمل پیہم کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھیں۔

اسباب کا پہلو

دوسرا نکتہ جو ہجرت کے سارے واقعہ میں کارفرما نظر آتا ہے یہ ہے کہ دنیوی یا اخروی کامیابی کے لیے اسباب سے بے نیاز نہیں ہو سکتا، ظاہر ہے کہ نبی ﷺ سے زیادہ خدا پر بھروسہ کس کو ہو سکتا ہے لیکن ان کا حال یہ ہے کہ ہجرت کے ہر مرحلہ پر خدائی اعتماد کے ساتھ پوری طرح اسباب کو اپنا رہے ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کا نظام ہی کچھ ایسا بنایا ہے کہ ہر مقصد کی تکمیل کے لیے اسباب کو اپنانا ضروری ہے، نبی اکرم ﷺ کو جب ہجرت کی اجازت ملی تو عین دوپہر کے وقت سخت دھوپ میں حضرت ابوبکرؓ کے گھر کی طرف اس طرح نکلتے ہیں کہ آپ کچھ اوڑھے ہوئے ہیں، مقصود یہ تھا کہ لوگ آپ کو جان نہ سکیں اور ہجرت کا پورا منصوبہ اس طور پر تیار ہو کہ کسی کو کانوں کا خبر نہ ہو، جب حضرت ابوبکرؓ کے گھر میں داخل ہوئے تو فرمایا کہ تمہارے پاس موجود افراد کو باہر کر دو تاکہ مشورہ بالکل تنہائی میں طے ہو، جب مکہ سے نکلنے کا ارادہ ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنی جگہ سونے کا حکم فرمایا اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ چپکے سے نکل گئے تاکہ لوگ اس مغالطہ میں رہیں

کہ آپ ﷺ آرام فرما رہے ہیں، پھر آپ ﷺ نے صبح کی روشنی میں نکلنے کے بجائے رات کی تاریکی کو مناسب سمجھا اور ایسے راستے کو اپنایا جو غیر معروف تھا، پھر سفر کا ایک حصہ طے کرنے کے بعد آپ ﷺ نے فارٹر میں قیام فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر سفر مستقل جاری رکھا جاتا تو دشمن کے تعاقب کا اندیشہ تھا اس طرح از ابتداء تا انتہاء پورا سفر ایک مکمل منصوبہ بندی کی عکاسی کرتا ہے (۱) جس سے امت کو اس بات کی رہنمائی ملتی ہے کہ کوئی دینی یا دنیوی مہم اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک ایک منظم پروگرام کے تحت اس کو انجام نہ دیا جائے اور مستقبل کے تمام خطرات کو سامنے رکھ کر نہایت دور اندیشی کے ساتھ قدم نہ اٹھایا جائے، دور اندیشی منصوبہ بندی اور نظم و ضبط ایک زمانے میں مسلمانوں کا طرہ امتیاز تھا جس کے سہارے مسلمانوں نے بڑی بڑی مہموں کو سر کیا وہ جہاں چلے جاتے کامرانی ان کے قدم چومتی بسا اوقات وسائل کی قلت کے باوجود محض تنظیمی صلاحیت اور دور اندیشی کے ذریعہ مسلمانوں نے عظیم فتوحات حاصل کیں، نبی اکرم ﷺ کی اجتماعی یا انفرادی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں باضابطگی اور باقاعدگی نہ ملتی ہو، آپ ﷺ نے مومن کی شان یہ بیان فرمائی کہ وہ دور اندیش اور نظم و ضبط کا پابند ہوتا ہے آپ ﷺ نے نہ صرف اپنے ارشادات کے ذریعہ اس کی تعلیم دی بلکہ اس کے عملی نمونے بھی پیش فرمائے لیکن موجودہ مسلمانوں کی یہ بد نصیبی ہے کہ کتاب و سنت سے انحراف نے انہیں اسلامی زندگی کے نمایاں خدوخال سے عاری کر دیا جب کہ دوسری قومیں ایسی چیزوں کو اختیار کر کے کامیابی کی سمت بڑھتی چلی جا رہی ہیں، آج ہمیں شکایت ہے کہ ہر میدان میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے لیکن کبھی ہم نے اس پر غور نہیں کیا کہ ہم نے اپنے مسائل کے حل کے لیے کہاں تک دانشمندی اور دور اندیشی سے کام لیا ہے ہمارا کونسا ادارہ یا تنظیم ہے جس نے مطلوبہ مقاصد کے حصول کے لیے تہہ نہی اور مکمل نظم و ضبط کا مظاہرہ کیا ہو، اختلاف و انتشار اور بد نظمی کا یہ حال ہے کہ سینکڑوں تنظیمیں اور ادارے قائم ہوتے ہیں اور پھر بہت جلد نابود بھی ہوتے ہیں کاش کہ ہم واقعہ ہجرت ہی سے سبق حاصل کرتے۔

ایشارو قربانی

ویسے تو حضراتِ صحابہؓ کی پوری زندگی ایثار و قربانی سے عبارت ہے تاہم واقعہ ہجرت میں اس کی بھرپور جھلک نظر آتی ہے، واقعہ ہجرت صحابہؓ کی بے مثال قربانیوں کا ایک روشن باب ہے مکہ سے نکلنے سے لے کر مدینہ پہنچنے تک اور قیام مدینہ کے ابتدائی ایام میں جگہ جگہ صحابہؓ کی قربانیوں کے تابناک نقوش ملتے ہیں، صحابہؓ کا مکہ سے مدینہ چلا جانا کچھ اتنا آسان نہ تھا کہ سفار مکہ اس پر خاموش رہتے اور انہیں بہ آسانی مدینہ جانے دیتے سفار مکہ یہ کہاں برداشت کر سکتے تھے کہ مسلمان مدینہ جا کر سکون کی زندگی گزاریں اور ان کی تکلیفوں سے نجات پائیں، چنانچہ ہجرت کے آغاز ہی سے قربانیوں کا سلسلہ شروع ہوا، مسلمان مال و اولاد سب کچھ قربان کر سکتے تھے مگر ان سے دین و ایمان کا سودا نہیں ہو سکتا تھا، نبی اکرم ﷺ نے جب اپنے ساتھیوں کو مدینہ ہجرت کا حکم دیا تو انہیں سفار مکہ کی جانب سے رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن حضراتِ صحابہؓ کے نزدیک دین اس قدر عزیز تھا کہ عظیم سے عظیم قربانی ان کے لیے سچ تھی، جب مکہ سے نکلنا ان کے لیے دشوار ہو گیا تو کسی نے ساری دولت سفار کے حوالے کر کے جان چھڑائی، کسی کو آل و اولاد سے محروم ہونا پڑا، کسی کو گھر بار سے ہاتھ دھونا پڑا، ہجرت کی رات جب آپؐ نے چمکے سے نکلنے کا ارادہ کیا تو حضرت علیؓ نے آپؐ کی جگہ قیام کر کے جو عظیم قربانی پیش کی تاریخ میں بہت کم اس کی مثالیں ملتی ہیں، حضور اکرم ﷺ کی جگہ رات گزارنا دراصل اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا تھا، حضرت علیؓ نے بخوشی اس خدمت کو انجام دیا اور خاندانِ صدیقی کا تو کہنا ہی کیا جانی و مالی ہر طرح سے حضور ﷺ پر بچھاؤ ہوا۔ (۱)

ہجرت کے لیے خاص طور پر حضرت ابو بکرؓ نے دو اونٹ خریدے اور سفر میں زادِ راہ کے طور پر گھر میں جو پونجی تھی سب کچھ ساتھ لے لیا پھر دورانِ سفر جس والہانہ محبت اور بے لوث ایثار کا مظاہرہ کیا وہ صرف انہی کا حق تھا، سیرت کی کتابوں میں آیا ہے کہ چلتے چلتے راستے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کبھی پیچھے کو ہوتے اور کبھی آگے بڑھ جاتے، حضور ﷺ کے دریافت کرنے پر بتایا

(۱) سیرۃ النبی ﷺ حصہ اول ص ۱۷۹

کہ یا رسول اللہ ﷺ جب دشمن کا تعاقب کا خوف ہوتا ہے تو میں پیچھے ہو جاتا ہوں اور جب گھات کا ڈر ہوتا ہے تو آگے ہوتا ہوں، (۱) فارثور کے قریب پہنچے تو حضور ﷺ کو باہر رکنے کے لیے کہا اور خود اندر داخل ہوئے اور فارث کو صاف کیا اور پورے غار کا جائزہ لیا کہ کہیں کوئی تکلیف دہ چیز نہ ہو جب مطمئن ہوئے تو حضور ﷺ سے آنے کی درخواست کی۔ (۲)

غرض واقعہ ہجرت کے ہر پہلو سے حضرات صحابہؓ کی قربانیوں کی عکاسی ہوتی ہے، ان ساری قربانیوں کے پیچھے کو نسا جذیبہ کا فرما تھا ظاہر ہے کہ وہ صرف دین و ایمان ہی تھا جس نے ان کے لیے ہر قربانی آسان کر دی تھی، آدمی جب اسلام کے دائرہ میں داخل ہوتا ہے تو اس کو طرح طرح کی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، آفتیں اس کو گھیر لیتی ہیں، مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں لیکن ایک سچے مومن کی شان یہ ہونی چاہئے کہ اس کا ایمان اس کو دین کے تحفظ کی راہ میں قربانی پر آمادہ کرے وطن، آل و اولاد، مال و متاع سب کچھ دین پر قربان کر دے کھرے اور کھولے میں امتیاز اس وقت ہوتا ہے جب دینی اور دنیوی تقاضوں میں ٹکراؤ پیدا ہو، دین سے وابستگی کا تقاضا کچھ ہو اور نفسانی خواہشات کچھ اور چاہتے ہوں حقیقی مومن بلا کسی پس و پیش کے ایمان کی آواز پر لبیک کہتا ہے جب کہ نام کا مسلمان تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے، حضرات صحابہؓ نے نہ صرف ہجرت کے موقع پر بلکہ تادم حیات دین کو ترجیح دی، آج سوچنے کی ضرورت ہے کہ ہم اس معیار پر کس قدر پورے اتر رہے ہیں کیا ہمارا ایمان دین کے لیے معمولی سی قربانیوں پر بھی آمادہ کر رہا ہے؟ زندگی میں نہ جانے کتنے ایسے موڑ آتے ہیں جہاں ہم دین کے تقاضوں کو محض اس لیے بالائے طاق رکھتے ہیں کہ اس سے اپنی انا مجروح ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، صرف اپنی انا کی تسکین کے لیے بسا اوقات ہم بڑے سے بڑے ملی مفاد کو قربان کرنے میں پس و پیش نہیں کرتے، کتنی دینی تحریکیں ہیں جو چند افراد کے ذاتی مفاد کی بھینٹ چڑھ گئیں اور کتنے ادارے شکست و ریخت سے دوچار ہوئے ایک طرف تو ہم اپنی غیرت ملی کا اظہار کرتے تھکتے نہیں اور دوسری طرف معمولی سی بات

(۱) سیرت حلبیہ ج ۲ نصف اول ص ۹۵

(۲) سیرت حلبیہ ج ۲ نصف اول ص ۹۸

کے لیے اجتماعی مفاد کو نظر انداز کر دیتے ہیں، واقعہ ہجرت آج سے چودہ سو سال بعد بھی ہمیں جھنجھوڑ رہا ہے کہ ہم اپنے اندر دین کے لیے مر مٹنے کی اسپرٹ پیدا کر دیں۔

اسلامی اخوت

واقعہ ہجرت شروع سے اخیر تک اخوت اسلامی کا عکاس ہے جگہ جگہ اسلامی بھائی چارگی کے غد و خیال نمایاں ہیں، ہجرت کے ابتدائی مراحل میں بھی مسلمانوں نے بے پناہ اخوت کا مظاہرہ کیا اور دوران ہجرت بھی، پھر مدینہ منسلک ہونے کے بعد انصار و مہاجرین نے اخوت کے جو مناظر پیش کیے چشم فلک نے کبھی ان کا نظارہ نہیں دیکھا اور شاید رہتی دنیا تک اس کی نظیر ملنی مشکل ہے، اسی اخوت اور بھائی چارگی سے مدینہ منورہ میں اسلامی معاشرہ تشکیل پایا انصار کی بھائی چارگی کا یہ عالم تھا کہ وہ اس سلسلے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے، نوبت قرعہ اندازی تک پہنچ جاتی ایک مہاجر کے کئی دعویٰ دار بن جاتے۔ پھر قرعہ کے ذریعہ کسی ایک کے حوالے کرنا پڑتا، انصاری اپنے اسلامی بھائی مہاجر کو اپنے گھر لے جاتا اور اپنی ساری جائیداد مال و متاع کو دو حصوں میں تقسیم کرتا اور مہاجر کو اختیار دیتا کہ جو چاہو لے لو، اگر کسی مہاجر کے پاس بیوی نہ ہوتی تو انصاری مہاجر بھائی سے کہتا اگر تم چاہو تو میں اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو جس کو تم پسند کرو طلاق دیدوں، ایک طرف انصار کی طرف سے ایثار و قربانی کا یہ عالم تھا دوسری طرف مہاجرین عزت نفس کا خیال کرتے ہوئے کہتے کہ اللہ تمہارے مال و دولت میں برکت دے، ہمیں صرف بازار کا راستہ بتادو، اس سے اسلامی سماج کا بنیادی عنصر نمایاں ہوتا ہے جب ایک انسان کلمہ توحید کا اقرار کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے تو وہ قومی، وطنی، نسلی ہر طرح کی جکڑ بندیوں سے آزاد ہو کر عالم گیر وحدت میں شامل ہوتا ہے۔ اب وہ اپنے آپ کو تنہا نہیں پاتا بلکہ اپنے پیچھے ملت اسلامیہ کی ایک عظیم طاقت محسوس کرتا ہے وہ دنیا کے جس خطہ میں بھی چلا جائے اسلامی رشتہ اس کو ایک مرکز سے جوڑے رکھتا ہے اخوت اسلامی کی اس روح نے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو بنیان مرصوص کی طرح مضبوط کر دیا تھا، جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو جس چیز نے جوڑے رکھا تھا وہ یہی اسلامی رشتہ

تھا جو خونی رشتہ سے بھی بڑھ کر تھا۔

مدینہ کے انصار کا اسلام سے قبل مہاجرین سے کسی طرح کا کوئی تعلق نہ تھا نہ وطنی مناسبت تھی نہ ہی علاقائی نسبت مہاجرین کے مدینہ منتقل ہونے پر انصار نے محض اسلامی رشتہ کی بنیاد پر ان کا تعاون کیا اور مہاجر بھائیوں کو اپنے حقیقی بھائیوں سے بڑھ کر سمجھا، واقعہ یہ ہے کہ اخوت اسلامی کے بغیر اسلامی معاشرہ کا تصور ہی ناممکن ہے، مدینہ منتقل ہونے کے بعد سب سے پہلا کام جس کو رسول اکرم ﷺ نے انجام دیا وہ انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات ہے، لیکن آج کے مسلمانوں نے یا تو اخوت اسلامی کے بنیادی تصور کو بالکل فراموش کر دیا ہے یا پھر جانتے ہوئے اس سے تغافل برت رہے ہیں، چنانچہ ایک مسلمان اپنے دوسرے بھائی سے اس حال میں ملتا ہے کہ اس کا سینہ بغض و عناد سے بھرا ہوا ہوتا ہے اتحاد و اتفاق، ہمدردی و خیر خواہی اخلاص و ایثار اور باہمی تعاون جیسی عمدہ صفات جو اخوت اسلامی کی بنیاد پر پیدا ہوتی ہیں آج کے مسلم معاشروں سے ناپید ہوتی جا رہی ہیں، جس کے نتیجے میں وحدت اسلامی کا تصور ایک خواب سا بن کر رہ گیا ہے مسلکی اختلافات ایک طوفان کی شکل اختیار کرتے جا رہے ہیں، ایک مسلک کا فرد دوسرے مسلک کے فرد کے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہے جیسے غیروں سے کیا جاتا ہے، ہر مسلمان کی ایک مسلکی شناخت بن گئی ہے، اس کی ساری ہمدردی اپنے مسلک کے لوگوں تک محدود رہتی ہے اور سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ اسی کو عین دین سمجھتا ہے، تنگ نظری اور تعصب کا یہ عالم ہے کہ دوسری جماعت یا مسلک سے منسوب شخص کو تھوڑی دیر کے لیے بھی برداشت نہیں کیا جاتا اور اسے ایک طرح سے اچھوت سمجھا جاتا ہے، تحریکیں اور تنظیمیں تو خدمت دین کے لیے ایک طریقہ کار کے طور پر قائم کی جاتی ہیں بھلا ان میں تعصب اور تنگ نظری کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے، ہر ایک کا مقصد خدمت دین ہوتا ہے لیکن امت اسلامیہ کا یہ کیسا عظیم سانحہ ہے کہ ان ہی تحریکوں سے تعصب و نفرت کے شعلے بھڑک رہے ہیں جن تحریکوں اور جماعتوں کی بنیاد اخلاص و ولہیت پر رکھی گئی تھی، آج وہی تحریکیں امت میں اختلاف و انتشار کا ذریعہ بن رہی ہیں، چنانچہ آج ملت مختلف چھوٹے چھوٹے خانوں میں بٹ گئی ہے جس کی وجہ سے اسلامی اخوت کا صاف و شفاف چہرہ دھندلا ہوتا جا رہا ہے

اور امت کا ہر فرد مسلم کی اور تحریکی غلیبوں کی بنیاد پر خود کو تنہا محسوس کر رہا ہے واقعہ ہجرت چودہ سو سال بعد بھی ہمارے ذہنوں میں اخوت اسلامی کہ حقیقی مفہوم کو تازہ کر رہا ہے اسلامی اخوت کے بغیر غلبہ اسلام کے لیے جانے والی ہر کوشش بے کار ہے اس کے دیر پا نتائج برآمد نہیں ہو سکتے۔

معراج کا پس منظر

رسول اکرم ﷺ کی سیرت کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جسے حیرت انگیز اور عبرت خیز قرار نہ دیا جائے اور جس میں امت مسلمہ کے لیے کوئی سبق اور پیغام پوشیدہ نہ ہو، آپ کی مبارک زندگی کا ہر واقعہ اپنے اندر سامانِ عبرت کا ایک پورا جہان رکھتا ہے، بس ضرورت نگاہِ عبرت شناس اور دل ہوشمند کی ہے جو اس میں پنہاں لعل و جواہر تک رسائی حاصل کر سکے۔

سیرت رسول اکرم ﷺ کا ایک انتہائی نمایاں واقعہ معراج ہے، جو عام واقعات سے مختلف اور رسول ﷺ کے عظیم معجزہ کی حیثیت رکھتا ہے، یہ واقعہ روایات کے اختلاف کے ساتھ ماہِ رجب ہی میں پیش آیا، موجودہ حالات میں امت مسلمہ اس واقعہ سے بہت کچھ قوت و توانائی حاصل کر سکتی ہے، اس وقت مسلمانوں کی عالمی صورتِ حال انتہائی مایوس کن ہے، دشمنوں کی جانب سے ہونے والی مسلسل یلغار اور عالمی سازشوں کے نتیجہ میں ساری دنیا کے مسلمان سخت مایوسی کا شکار ہیں، ایسے میں کسی بھی طرح کے مثبت اقدام سے پہلے ملت کو مایوسی کے دلدل سے نکالنا اولین تقاضہ ہے، واقعہ معراج کا بنیادی پیغام یہی ہے کہ مشکلات و مصائب اور نا کامیوں کے تسلسل کو دیکھ کر مایوس نہیں ہونا چاہئے؛ بلکہ ان سے نیا عزم اور نیا حوصلہ اور نئی توانائی حاصل کرنی چاہئے؛ اس لیے کہ ہر شب تاریک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے صبح کی پُو و پھوٹنے کی خبر دیتے ہیں، اور ہر ”عسر“ ”یسر“ کا پیش خیمہ ہوتا ہے، ہر مشکل کے بعد آسانی کا مرحلہ آتا ہے، معراج کے معنی بلندی پر چڑھنے کے آگے ہیں، معراج کے ذریعہ نبی کو ہر طرح کی رفعتوں اور بلندیوں سے سرفراز کیا گیا، ایسی بلندیاں کہ آپ کے علاوہ کسی بھی بڑی سی بڑی ہستی کو میسر نہ ہو سکیں، لیکن بلندیوں کی منزلوں پر آپ کو اچانک نہیں پہنچایا گیا؛ بلکہ اس سے قبل سخت حالات اور سنگین دشواریوں سے گزرا گیا، معراج سے قبل کے حالات پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے، اہل مکہ کی مخالفتیں انتہاء کو پہنچ چکی تھیں، آپ کے لیے عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا تھا، آپ پر ایمان لانے والے مٹھی بھر صحابہ بھی ظلم کی چکیوں میں پے جا رہے تھے، تاہم لوگوں کی ہزار مخالفتوں کے باوجود دوسہارے ایسے تھے جن سے آپ کو بہت تقویت اور

تعاون حاصل تھا، ایک آپ کے چچا ابوطالب اور دوسری زوجہ حضرت خدیجہؓ، یہ دونوں آپ کے بڑے ہمدرد اور خیر خواہ تھے، لیکن نبوت کے دسویں سال پہلے ابوطالب کا پھر حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوا، ان دونوں کا انتقال حضور ﷺ کے لئے کوئی معمولی سانحہ نہ تھا، غم و اندوہ کے ان لگاتار واقعات کی وجہ سے اس سال کا نام عام الحزن پڑ گیا، ان سہاروں کے اٹھ جانے سے سفار و مشرکین کی جرات بڑھ گئی؟ اب وہ آپ کو جسمانی اذیت دینے سے نہیں چوک سکتے تھے مکہ مکرمہ میں جب ہر طرف سے انکار کا سامنا کرنا پڑا اور مخالفتیں انتہاء کو پہنچیں تو حضور ﷺ نے اس خیال سے طاقت کا رخ کیا کہ شاید وہاں پذیرائی ہو اور سرداران طاقت آمادہ ہو جائیں، تو دین کے پھیلنے کی سبیل پیدا ہو جائے، لیکن خلاف توقع طاقت میں مکہ سے کہیں زیادہ سنگین صورت حال پیش آئی، وہاں کے ظالموں نے نہ صرف آپ کی بات سننے سے انکار کر دیا؛ بلکہ آپ کے ساتھ انتہائی بدتمیزی سے پیش آئے اور آپ ﷺ کے پیچھے او باشوں کو لگا دیا، جن کی شرارتوں سے جسم اطہر لہو لہان ہو گیا، انتہائی کسمپرسی کے عالم میں آپ ﷺ طاقت سے لوٹے تھے کہ اللہ کی جانب سے آپ ﷺ کو معراج ہے سرفراز کیا گیا، گو جب مشکلات و مصائب انتہاء کو پہنچے تو واقعہ معراج کے ذریعہ آسانیوں اور فتح مند یوں کا دور شروع ہوا، اس کی منظر کشی مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے اپنے مخصوص پیرایہ میں یوں کی ہے:

”یہ حیات طیبہ کا ایک بہت بڑا موڑ ہے، اب تک اللہ کا آخری نبی دشمنوں کے حوالہ تھا کہ جس طرح چاہیں پرکھ لیں، سیرت و کردار کی کھوٹی پر، صداقت و لیاقت کے معیار پر، چاہے طنز و استہزاء کے تیر چلائیں، گالی و زبان درازی کے تازیانے برسائیں معاشی ناکہ بندی کا ہتھیار آزمائیں، بند منصوبے کی معاشرتی زنجیریں کاٹ دیں، سرباز ار رسوا کریں، سنگ باری سے جسم اطہر لہو لہان کر دیں مظلومیت کی اس کیفیت میں جو دماء زبان وحی ترجمان سے نکلی وہ عرش الہی سے جا ٹکرائی، قبولیت کا اولین مظہر پہاڑوں کا فرشتہ تھا، جو تعمیل حکم کے لیے حاضر ہوا تھا، اب نبی تمام آزمائشوں سے گذر کر کامیاب ہوتا ہے، دنیوی نقطہ نظر سے سنگباری اذیت کی انتہاء ہے اور روحانی اعتبار سے سرخروئی ہے، بندہ آزمایا گیا، دبایا گیا، پست کیا گیا، اور امتحان میں کامیاب ہو گیا، تو اٹھایا گیا، بلند کیا

گھیا، معراج سے ہم کنار ہوا، شعب بنی ہاشم کی نظر بندی اور طائف کے بازاروں میں رسوائی کا انعام، افلاک نظر نواز اور عرش بریں پر عزت افزائی ہے۔ (۱)

موجودہ حالات میں واقعہ معراج کا پیغام

اسلام کی ابتدائی دور میں جس طرح اسلام اور مسلمانوں کے لیے عرصہ حیات تنگ کیا گیا تھا اور مسلسل تیرہ برس تک آزمائش اور قربانیوں کا یہ سلسلہ چلتا رہا، ٹھیک یہی صورت حال اس وقت دیکھی جا رہی ہے، اقطاع عالم میں ہر جگہ مسلمانوں کے لیے عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے، دشمنوں کی چیرہ دستیوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، لیکن اس کے باوجود ہمیں مایوس اس لئے نہیں ہونا چاہئے کہ جس طرح تیرہ برس کی مشکلات و مصائب کے بعد معراج کے ذریعہ آسانیوں اور کامرانیوں کا سلسلہ شروع ہوا، اسی طرح مسلمانوں کی موجودہ تاریک صورت حال سے بہت جلد امید کی کرن پھوٹے گی اور حالات میں مثبت تبدیلی آئے گی، ایک مسلمان کو حالات کی ناسازگاری سے اس لیے بھی پست ہمت نہیں ہونا چاہئے کہ وہ خدا کی بے پناہ قدرت پر یقین رکھتا ہے، واقعہ معراج سے جہاں اور بہت سے حقائق ثابت ہوتے ہیں وہیں یہ واقعہ خدا کی بے پناہ قدرت سے پردہ ہٹاتا ہے کہ زمان و مکان اور زمین و آسمان کا نظام سب کچھ تابع فرمان الہی ہے، اور خدا کی عظیم قدرت کے دائرہ میں ہے، لمحوں میں آسمانوں اور لامکانوں کی سیر کرائی گئی اور عالم بالا کا مشاہدہ کرایا گیا، مکہ کے انتہائی مایوس کن حالات میں معراج جیسا مجیر العتول واقعہ ظاہر فرما کر مسلمانوں کو اشارہ دیا گیا کہ حالات کا بدلنا خدا کے لیے کوئی بڑی چیز نہیں ہے، جو خدا اپنے نبی کو انتہائی حیرت انگیز طور پر سفر معراج کرا سکتا ہے، وہ زمین پر مسلمانوں کے حالات بدلنے پر بھرپور قدرت رکھتا ہے، اس طرح واقعہ معراج کا ایک اہم پیغام قدرت خداوندی پر یقین ہے، جس کے بعد ایک مومن بندہ کے لئے بڑی سی بڑی مصیبت بچ ہو جاتی ہے، وہ انتہائی پریشان کن حالات میں بھی خوف و حزن سے محفوظ اور پوری طرح مطمئن رہتا ہے، چونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عسر کے بعد یسر لانے کی بھر

پور قدرت رکھتا ہے، مصر کے ممتاز عامل علامہ شعراوی واقعہ معراج کے اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس معجزہ معراج سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟ اس معجزہ سے ہمیں اس بات کا سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بڑی ہے وہ اپنے پسندیدہ بندوں کے لئے جو چاہتا ہے کرنے پر قدرت رکھتا ہے، اس سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کے لیے صرف زمین کی سلطنت ہی مسخر نہیں کی تھی بلکہ آسمانوں کو بھی مسخر کر دیا تھا، نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زمین پر خدا سے تکلم کا شرف حاصل ہوا، تو آخری نبی ﷺ نے آسمان پر اس شرف سے بہرہ ور ہوئے۔“ (۱)

جب بندہ کسی بھی معاملہ پر اپنی محدود قدرت کے دائرے میں رہ کر غور کرتا ہے، تو وہ اسے ناممکن محسوس ہوتا ہے اور وہ ہمت ہار کر بیٹھ جاتا ہے، اس کے برخلاف جب کسی معاملہ کو خدا کی قدرت کے آئینہ میں دیکھتا ہے تو اسے کوئی چیز ناممکن نظر نہیں آتی، اس طرح بڑے سے بڑے مسئلے کا حل اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے؛ چونکہ خدا کی قدرت پر نظر اسے ہمت عطا کرتی ہے، یہیں سے اس اعتراف کا بھی حل نکل آتا ہے جو بعض مادہ پرستوں کی جانب سے واقعہ معراج کی حقانیت پر کیا جاتا ہے، یعنی یہ اعتراض کے لمحوں میں آسمانوں کی سیر اور عالم بالا کا مشاہدہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب آدمی اپنے محدود قدرت اور عقل کے دائرے میں رہ کر واقعہ معراج پر غور کرتا ہے، لیکن جب اسے خدائی قدرت کے دائرے میں دیکھا جائے تو پھر خدا کے یہاں کوئی چیز ناممکن نہیں ہے۔

عبدیت انسان کی معراج ہے

واقعہ معراج سے ایک سبق یہ بھی ملتا ہے کہ خدا کے آگے جو جتنا جھکے گا اتنا ہی اونچا اٹھایا جائے گا؛ اس لیے کہ عبدیت انسان کی معراج ہے، یہی وجہ ہے کہ نماز کو مومنوں کی معراج قرار دیا

حمیا، نبی خدا کے آگے جھکتے گئے اور خوب جھکے عبدیت کا حق ادا کر دیا، تب اللہ نے بلندیوں سے سرفراز کیا، ایک خدا کے آگے جھکنا انسان کو سینکڑوں دروں پر جھکنے سے محفوظ رکھتا ہے اور بلندی کی چوٹیوں پر پہنچا دیتا ہے؛ چنانچہ دنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ اللہ کی سچی بندگی اور عبدیت کو اپنانے والے اہل اللہ لوگوں کی نگاہ میں نہایت محترم ہوتے ہیں۔

کہ تیرے زماں و مکاں اور بھی ہیں

واقعہ معراج میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ایک نئے عالم کا مشاہدہ کرایا، جو عام انسانوں کی نگاہوں سے اوجھل ہے، جنت و دوزخ کے مناظر مختلف انبیاء علیہم السلام سے ملاقات وغیرہ، سب کچھ عالم بالا میں ہوا، جسے عالم روحانی کہا جاسکتا ہے، اس سے یہ پیغام ملتا ہے کہ انسان کو صرف مادیات ہی میں الجھ کر نہ رہنا چاہئے؛ بلکہ اس کی نظر روحانیت اور عالم بالا پر بھی ہونا چاہئے، علامہ اقبال مرحوم نے بہت سچ کہا:

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکان اور بھی ہیں

موجودہ مادیت کے دور میں جبکہ ہر جگہ مادیت ہی کا غلبہ ہے اور مادہ ہی انسان کا معبود بن گیا ہے، روحانیت کی طرف رخ کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے، ضرورت ہے کہ انسانیت کو مادیت کے دلدل سے نکال کر روحانیت کے صاف و شفاف سرچشمہ کی طرف لایا جائے۔

محدود دائرہ عقل کے لئے ذہنی ارتقاء راہ کشادہ ہوگی

سفر معراج سے فارغ ہو کر جب آپ ﷺ تشریف لائے اور لوگوں کے سامنے سارا ماجرا سنایا تو لوگ توقع کے مطابق رسول ﷺ کا استہزاء کرنے لگے، لیکن جب صدیق اکبرؓ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے بلا تردد اس واقعہ کی تصدیق کی، اس سے مزاج دین سمجھ میں آتا ہے، یعنی تسلیم و اتباع اور مان جانے کا نام دین ہے، عقلی گھوڑے دوڑانے کا نام دین نہیں ہے، لیکن نام نہاد حجد پسند مسلمانوں کی جانب سے معراج پر جس قسم کے اعتراضات کیے جاتے ہیں، اسی طرح قربانی وغیرہ

دیگر شعائر دین کے تعلق سے جو نامعقولیت کی بات کہی جاتی ہے وہ سراسر مزاج دین سے ہٹی ہوئی ہے، دین کی ہر بات کا عقل انسانی کے فہم میں آنا اس لیے ممکن نہیں ہے کہ انسانی عقل کا دائرہ محدود ہے، پھر یہ کہ آدمی دین کے کام حکم کی معقولیت سمجھنے کا مکلف بھی نہیں ہے، نہ ہی اس سلسلہ میں اس سے باز پرس ہوگی؛ البتہ دین کے ہر حکم کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کا مکلف ہے۔

❦ واقعہ معراج سے پہلے انسانیت کائنات کی بڑی مخلوقات سے نہایت مرعوب تھی، اسی مرعوبیت کا اثر تھا کہ لوگ سورج، درخت، پہاڑ اور زمین کی پرستش کرتے تھے، اسی مرعوبیت کا نتیجہ یوں ظاہر ہوا کہ انسانیت تسخیر کائنات کے ذریعہ ارتقائی منازل طے کرنے سے محروم رہی، واقعہ معراج کے ذریعہ پہلی مرتبہ انسانیت پر حقیقت آشکارا ہوئی کائنات کی بڑی سی بڑی مخلوق سے انسان کو مرعوب ہونے کے بجائے اسے اپنے لئے مسخر کرنا چاہئے، معراج کے موقع پر زمان و مکان اور زمین و آسمان سب کچھ مسخر کر دیئے گئے، اس طرح امت کے لئے تسخیر کائنات کی راہ آسان ہوئی، واقعہ معراج نے ذہنی ارتقاء کے دروازے کھول دیے، علم و تحقیق کے چٹمے جاری کر دیے، معراج سے پہلے انسان خود کو کائنات کے آگے مجبور و بے بس پاتا تھا، معراج کے بعد اس کے لئے تسخیر کائنات کا گر باقہ لگا۔

سفر معراج کے دو حصے ہیں، ایک مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک جسے ”اسراء“ کہا جاتا ہے، دوسرا بیت المقدس سے ساتوں آسمانوں اور عالم بالا کی سیر جسے ”معراج“ کہتے ہیں، مکہ سے جب آپ ﷺ بیت المقدس پہنچے تو وہاں انبیاء علیہم السلام جمع تھے، نماز کے لیے صفیں بن چکی تھیں، آپ ﷺ کو آگے بڑھایا گیا اور آپ ﷺ نے تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی، انبیاء علیہم السلام کی امامت سے جہاں آپ ﷺ امام الانبیاء ٹھہرے وہیں آپ ﷺ کی امت امام الامم قرار دی گئی، اس طرح واقعہ معراج امت محمدیہ کو یہ پیغام بھی دیتا ہے کہ وہ اقوام عالم کی قیادت کرے؛ اس لیے کہ وہی خدا کے آخری پیغام کی حامل امت ہے، اللہ نے اسی کو قیادت کی ذمہ داری تفویض فرمائی، وہ اقوام عالم کے درمیان پچھلی صفوں میں کھڑے رہنے کے لیے نہیں برپا کی

گئی، بلکہ اقوام عالم اور عالم انسانی کی قیادت کا فریضہ اسی وقت ادا ہو سکتا ہے جبکہ وہ اپنے اندر علم و عمل کی مطلوبہ صلاحیتیں پیدا کرے اور خدا کے دین کے لیے کمر بستہ ہو جائے، ارشاد خداوندی ہے: کُنْتُمْ خَيْرَ امَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ، اَمْرُوْنَ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (سورہ آل عمران: ۱۱۰) ”تم بہترین امت ہو لوگوں کی نفع رسانی کے لیے برپا کی گئی ہو، تم معروف کا حکم کرتے ہو اور منکر سے رکتے ہو“ ہر سال شب معراج کی آمد ہمیں احتساب کی دعوت دیتی ہے کہ آیا اقوام عالم کی قیادت کی ذمہ داری نبھا رہے ہیں یا اپنی بد عملیوں کے نتیجے میں قیادت کی باگ ڈور دوسروں کے حوالہ کر چکے ہیں؟

واقعہ معراج میں نبی ﷺ کو عالم بالا کی مختلف چیزوں کا مشاہدہ کرایا گیا، ان میں ایک حصہ مختلف برے اعمال میں مبتلا افراد کی سزاؤں کا تھا، کچھ لوگوں کو آپ ﷺ نے دیکھا کہ ان کے سر پتھروں سے پگلے جا رہے ہیں جن کی سرگرائی انہیں نماز کے لیے اٹھنے نہ دیتی تھی، کچھ اور لوگ دیکھے جن کے کپڑوں میں آگے اور پیچھے پیوند لگے ہوئے تھے اور وہ جانوروں کی طرح گھاس چر رہے تھے، پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا: یہ وہ ہیں جو اپنے مال میں سے زکوٰۃ، خیرات کچھ نہ دیتے تھے، اسی طرح اور بہت سے برے اعمال کی سزاؤں کا آپ ﷺ کو مشاہدہ کرایا گیا، اس سے یہ پیغام ملتا ہے کہ دنیا میں اگر انسان کو کسی برائی کی سزا نہیں مل رہی ہے تو اسے آخرت کی سزا سے بے خبر ہو کر برائیوں کا ارتکاب نہیں کرنا چاہئے؛ بلکہ اس بات کا یقین رکھے کہ آخرت میں ہر اچھے یا برے عمل کی پوری جزاء و سزا مل کر رہے گی، معراج میں مشاہدہ سے رسول ﷺ کو حق الیقین حاصل ہو گیا اور آپ ﷺ نے اپنی امت کے سامنے ان سزاؤں کا ذکر فرمایا تاکہ وہ خود کو ان برائیوں سے محفوظ رکھے، اب جو معراج کو یقینی جانے کا وہ لا محالہ برائیوں سے بچنے کی کوشش کرے گا، اس طرح واقعہ معراج سے معاشرہ کی اصلاح کا پیغام بھی ملتا ہے۔

معاشرتی آداب کی تعلیم

واقعہ معراج کا ایک انتہائی نمایاں پہلو معاشرتی آداب کی تعلیم ہے، اللہ تعالیٰ نے اس

واقعہ کے ذریعہ امت کو معاشرتی زندگی سے متعلق بہت سے آداب کی تعلیم دی، براق پر سوار ہو کر جب آپ ﷺ بیت المقدس پہنچے تو پہلے آپ ﷺ نے سواری کو باندھا، پھر ہیکل سلیمانی میں داخل ہوئے، جبکہ سواری آپ ﷺ ہی کے لئے لائی گئی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ اسباب کو اختیار کر کے اللہ پر بھروسہ کیا جائے، جب آپ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے، تو سارے انبیاء علیہم السلام نماز کے لیے صف باندھے ہوئے تھے، مگر کوئی آگے بڑھنے کے لیے تیار نہ تھا، آپ ﷺ نے امامت فرمائی، اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ عہدے کے لئے خود کو پیش کرنا نہیں چاہئے، آج ہر شخص ادارہ یا تنظیم کا صدر بننا چاہتا ہے جس کے اثرات خلفشار کی صورت میں ظاہر ہو رہے ہیں، اسلام یہ سکھاتا ہے کہ آدمی عہدہ کا طالب نہ بنے، بلکہ لوگ خود اسے منتخب کریں، جب آسمان کا سفر طے ہونے لگا، تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اجازت چاہی پھر اجازت دی گئی، معلوم ہوا کہ آدمی کو دوسرے کے گھر جانے کی صورت میں اجازت طلب کرنا چاہئے، یہ معاشرتی زندگی کا ایک اہم اصول ہے۔

پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، تو آپ ﷺ نے انہیں سلام کیا، حضرت آدم علیہ السلام نے پر تباک انداز میں آپ ﷺ کا استقبال کیا، اس طرح ہر آسمان پر آپ ﷺ نے انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کی اور انبیاء علیہم السلام نے آپ ﷺ کا استقبال کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنے والے کو سلام کرنا چاہئے اور میزبان کو چاہئے وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے اور اچھے الفاظ سے اس کا استقبال کرے۔

یہ اور اسی طرح کے دیگر بہت سے معاشرتی آداب واقعہ معراج سے مترشح ہوتے ہیں، آج واقعات سیرت کا نگاہ بصیرت کے ساتھ مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ موجودہ حالات میں سیرت سے صحیح رہنمائی حاصل کی جائے۔

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے

واقعہ معراج کے لامتناہی پیغامات ہیں، اور اس سے حاصل ہونے والے اسباق ان گنت ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ اس واقعہ کا گہرا مطالعہ کیا جائے اور اس پر محض ایک واقعہ سے زیادہ عملی زندگی میں رہنمائی کرنے والے سیرت کے ایک اہم گوشہ کے طور پر غور کیا جائے، اس واقعہ سے حاصل ہونے والے چند اسباق سطور ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں؛ تاکہ نگاہ عبرت رکھنے والے اہل ایمان ان سے فائدہ اٹھائیں۔

(۱) طائف میں ستانے والے سفار اور مکہ میں ٹھکرانے والے مشرکین پر اس واقعہ کے ذریعہ واضح کر دیا گیا کہ تم نے نبی پر زمین کے دروازے بند کر دیئے تو اللہ نے ان کے لئے آسمان کے دروازے کھول دئے۔ تم نے نبی کی امامت و اقتدار کو قبول نہ کیا تو اللہ آپ ﷺ سے انبیاء کی امامت کروائی اور سب نے آپ کی اقتدائی، اہل زمین نے آپ سے منہ پھیرا تو آسمان والے نے آپ کا استقبال کیا۔

(۲) واقعہ معراج سے آخرت جنت و دوزخ اور وہاں کی نعمتوں اور تکلیفوں کا یقینی ہونا معلوم ہوتا ہے؛ اس لئے کہ اللہ نے اس واقعہ میں اپنے نبی کو جنت و دوزخ کی سیر کرائی اور اہل جنت اور اہل دوزخ کے حالات کا مشاہدہ کروایا۔

(۳) دین حق کا داعی جب بتایا جاتا ہے اور وہ لوگوں کی اذیتوں کے باوجود اپنے کام میں لگا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کائنات کی ساری طاقتوں کو اس کے لئے مسخر کر دیتے ہیں، واقعہ معراج میں ساری کائنات آپ ﷺ کے لئے مسخر کر دی گئی، حتیٰ کہ زمان و مکان بھی مسخر کر دئے گئے۔

(۴) واقعہ معراج بتاتا ہے کہ داعی اگر اپنی دعوت میں ثابت قدم رہے تو آخر کار خدا اس کا حامی و مددگار بن جاتا ہے، خدا اپنے داعیوں کو آزماتا ضرور ہے مگر بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا، داعی کو دعوت کی راہ میں پیش آنے والی تکلیفوں سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ کی مدد ضرور آئے گی۔

(۵) واقعہ معراج سے دین اسلام اور پیغمبر اسلام کی رفعت شان کا اظہار ہوتا ہے کہ اللہ نے

آپ کو ایسے مقام پر پہنچایا جہاں تک نہ کوئی پیغمبر جاسکا اور نہ ہی کوئی مقرب فرشتہ سارے نبیوں میں یہ اعزاز صرف آپ ہی کو حاصل ہوا، حتیٰ کہ حضرت جبریل علیہ السلام بھی پیچھے رہ گئے، اللہ نے نبیوں کی امامت کروا کر ساری انسانیت پر واضح کر دیا کہ اب سب کے مقتدا صرف نبی آخر الزماں ہیں، آپ کا دین سارے دینوں پر غالب ہے۔

(۶) واقعہ معراج قبلہ اول بیت المقدس کے سلسلہ میں ہمیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلاتا ہے، ہمیں سے آپ کو معراج نصیب ہوئی اور یہ آپ اور سارے مسلمانوں کا قبلہ اول تھا، جہاں آپ نے سارے نبیوں کی امامت فرمائی، حضرت عمرؓ نے معراج کے اس سبق کو یاد رکھا اور اس کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے بیت المقدس کو آزاد کرایا، لیکن افسوس موجودہ دور کے مسلمان بیت المقدس کی آزادی اور قبلہ اول کی بازیابی سے بالکلیہ غافل ہیں، یہودی آئے دن اس کی توہین کر رہے ہیں، اور اس کے صحن میں موسیقی کی محفلیں منعقد کر رہے ہیں اور اسے ڈھانے کی ساری تدبیریں مکمل کر چکے ہیں، لیکن عالم اسلام غفلت سے دوچار ہے۔

(۷) واقعہ معراج ہمیں اس بات کا بھی پیغام دیتا ہے کہ ہم روحانی طور پر اس قدر عروج کریں کہ ہمیں وصول الی اللہ کی دولت حاصل ہو جائے، موجودہ دور روح سے بے اعتنائی کا دور ہے، اس وقت ساری توانائیاں صرف جسم کو سنوارنے پر جھونکی جا رہی ہیں مادیت کا اس قدر تسلط ہے کہ روحانی اقدار قصہ پارینہ بن کر رہ گئیں، معراج دراصل ظلمت سے نور کی جانب اور شک سے یقین کی جانب اور معصیت سے اطاعت کی جانب سفر ہے، یہاں نور ہی نور ہے، اور اطاعت ہی اطاعت ہے، ظلمت و معصیت کا دور تک گزر نہیں ہے۔

(۸) معراج کا واقعہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بے پناہ مہربان ہے، اسی مہربانی کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے پچاس نمازوں کو کم کر کے پانچ مقرر فرمائی اور کبیرہ گناہ کرنے والا موت سے پہلے سچی توبہ کر لے تو اس کے گناہوں کی مغفرت کا اعلان فرمایا۔

(۹) واقعہ معراج استقامت اور ثبات قدمی کا پیغام دیتا ہے کہ دین کی راہ میں کیسی ہی دشوار گھائیاں آئیں مسلمان کو ثابت قدم رہنا چاہئے، جس طرح نبی ﷺ پر معراج سے پہلے انتہائی دشوار

گھاٹیاں آئیں مگر آپ کے پائے ثبات میں کسی طرح کا تزلزل نہ آیا اور آپ دعوت دین پر ثابت قدم رہے۔

(۱۰) کائنات میں اللہ تعالیٰ کا ضابطہ یہ ہے کہ ہر مشکل کے بعد آسانی ہوتی ہے، نبی کریم ﷺ کو سخت تکالیف سے گزارا گیا پھر معراج کے ذریعہ آسانیوں کا سلسلہ شروع ہوا، ایک مسلمان کو پے درپے آنے والی دشواریوں سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔

(۱۱) واقعہ معراج نماز کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے، تمام فرائض میں نماز ایک مہتمم بالشان فریضہ ہے، سارے فرائض زمین پر فرض کئے گئے لیکن نماز کا تحفہ آسمان پر دیا گیا، نماز مومن کی معراج ہے، حالت نماز میں بندہ گویا اللہ سے ہم کلام ہوتا ہے۔

(۱۲) واقعہ معراج قیادت کی تبدیلی اور اس بات کا اشارہ ہے کہ عالمی قیادت بنی اسحاق کے ہاتھوں سے لے کر بنی اسماعیل کے حوالے کر دی گئی، مسجد اقصیٰ میں انبیاء کی امامت اس بات کا لطیف اشارہ ہے کہ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوموں کے لئے نبی آخر الزماں کی اتباع کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں، اب پچھلی ساری شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں اور ساری قوموں کو آخری پیغمبر کے تابع ہونا پڑے گا۔

(۱۳) واقعہ معراج اس بات کی بھی غمازی کرتا ہے کہ دنیا دار لہجہ ہے، یہاں انسان کو قدم قدم پر تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، نبی ﷺ نے معراج سے پہلے قدم قدم پر مشقتوں کا سامنا کیا اس کے برخلاف عالم بالا اور عالم آخرت ایک مسلمان کے لئے راحت کا حقیقی مقام ہے؛ اس لئے دارالہجہ میں پیش آنے والی تکلیفوں پر آزرہ خاطر نہ ہونا چاہئے، یہاں کی چند روزہ تکلیفوں کو برداشت کرتے ہوئے دین پر قائم رہیں گے تو ہمیشہ ہمیشہ کی راحتیں حاصل ہوں گی۔

(۱۴) واقعہ معراج میں اسلام کے دین فطرت ہونے کا لطیف اشارہ پایا جاتا ہے، اسلام کی تیز رفتار اشاعت اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ اسلام دین فطرت ہے اور دین کی فطرت کی خاصیت یہ ہے کہ وہ ہر حال میں فطرت انسانی کو اپیل کرتا ہے، عالم اسلام کے معروف داعی و مفکر شیخ سعید رمضان بوٹی اپنی شہرہ آفاق کتاب فقہ السیرہ میں لکھتے ہیں ”حضرت جبریل علیہ السلام نے

نبی ﷺ کی خدمت میں دو پیالے پیش کئے ان میں سے ایک دودھ کا پیالہ تھا اور دوسرا شراب کا، آپ نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا، حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کیا اس سے معلوم ہوا کہ اسلام دین فطرت ہے اور اپنے عقیدے اور احکام میں فطرت انسانی کے حقیقی تقاضوں سے پوری طرح ہم آہنگ ہے اس میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو انسان کی حقیقی فطرت سے ٹکراتی ہو اگر فطرت ایک جسم ہوتی تو دین اسلام اس کا موزوں لباس ہوتا، یہ ہے اس چیز کا راز کہ یہ دین کیوں تیزی سے پھیلتا ہے اور لوگ اسے قبول کرنے کے لئے دیوانہ وار آگے بڑھتے ہیں، اس لئے کہ انسان خواہ تہذیب و تمدن کے کتنے ہی مدارج طے کر لے اور اسے کتنی ہی مادی آسائش حاصل ہو جائے لیکن وہ اپنی فطرت کے تقاضوں کی تکمیل اور فطرت سے میل نہ کھانے والے تکلفات اور پیچیدگیوں کے طوق سے آزادی حاصل کرنے کی جانب مائل رہتا ہے، اور اسلام ہی وہ واحد نظام ہے جو فطرت انسانی کے تقاضوں کو پورا کرنے کا اہل ہے۔

(۱۵) واقعہ معراج کے کچھ اور اسرار و رموز: شیخ سعید رمضان بوٹی نے واقعہ معراج پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کے کچھ اور اسرار و رموز تحریر فرمائے ہیں: چنانچہ وہ لکھتے ہیں: بیت المقدس تک آنحضرت ﷺ کے سفر اور رہاں سے ساتوں آسمانوں میں آپ کی تشریف آوری کے درمیان زمانی تعلق سے اس بات کا واضح ثبوت ملتا ہے کہ اس گھر کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی عظمت و تقدس حاصل ہے، اس سے اس کا بھی واضح ثبوت ملتا ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم اور حضرت محمد ابن عبد اللہ علیہما السلام کی تعلیمات کے درمیان گہرا تعلق پایا جاتا ہے اور یہ کہ تمام انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی دین کے ساتھ مبعوث کیا تھا اس سے اس بات کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ہر زمانہ میں اور ہر آن اس ارض مقدس کی حفاظت اور بیرونی لوگوں اور دشمنان دین کے ناپاک ارادوں سے اس کی مدافعت کی کوشش کرنی چاہئے، گویا حکمت الہی اس زمانے کے مسلمانوں کو ہوشیار کر رہی ہے کہ اس مقدس سرزمین پر یہود کی جارحیت کے سامنے کمزور اور بزدلی اور پست ہمتی کا مظاہرہ نہ کریں اور اسے ان کے ناپاک تسلط آزاد کر کے اس پر اہل ایمان کا قبضہ بحال کریں۔

(۱۶) واقعہ معراج دراصل لوگوں کے ایمان کے چانچنے کی کسوٹی ہے؛ چونکہ یہ خرق عادت واقعہ تھا، مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کا سفر اس زمانے میں دو مہینوں پر محیط ہوتا تھا لیکن آپ نے سکندروں میں طے کیا پھر عالم بالا کی سیر کرائی گئی، ظاہر ہے کہ ایسے حیرت انگیز واقعہ پر یقین کرنا عام انسان کے لئے مشکل ہوتا ہے، چنانچہ یہ واقعہ کافروں کے کفر میں اضافے کا ذریعہ اور ایمان والوں نے تصدیق کر کے اپنے ایمان کو پختہ کیا۔

(۱۷) معراج مسجد حرام کے بجائے مسجد اقصیٰ سے کرائی گئی اس میں اسلام کی عالمگیریت کی جانب اشارہ ہے، اور مسلمانوں کو پیغام دیا جا رہا ہے کہ وہ اسلام کو لے کر اقطاع عالم میں پھیل جائیں مسجد اقصیٰ میں انبیاء کی امامت کا مطلب یہی ہے کہ اب اسلام ساری اقوام عالم کا واحد دین ہے۔

(۱۸) اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آدمی کو سابقہ لوگوں کے تجربات سے استفادہ کرنا چاہئے، پچاس نمازوں کی فرضیت کے بعد جب آنحضور ﷺ کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی تو انہوں نے آپ کو اللہ تعالیٰ سے نمازوں کی تخفیف کروانے کا مشورہ دیا، اور یہ فرمایا کہ میں نے بنی اسرائیل کے سلسلہ میں تجربہ کیا ہے، لوگ اس کے متحمل نہیں ہوں گے، آنحضور ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تجربات سے استفادہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے نمازوں کی تخفیف کروائی۔

(۱۹) معراج سے اتحاد و اتفاق کا بھی درس ملتا ہے، وہ اس طرح کہ ہر آسمان پر نبی کریم ﷺ کی مختلف انبیاء سے ملاقات ہوئی سارے نبیوں نے مرجبا بالاخ الصالح کے ذریعہ آپ کا استقبال کیا جبکہ بیشتر انبیاء کی شریعتوں میں فرق پایا جاتا ہے، اس کے باوجود سب نے بھائی بہہ کر آپ کا استقبال کیا، اس میں اخوت و اتفاق کی جانب اشارہ ہے، آج امت کی عجیب صورت حال ہے ایک کلمہ ایک قرآن اور ایک کعبہ کی حامل امت باہم دست و گریباں ہے، مسلکی تشدد بام عروج پر ہے، اس میں جانیں تک ضائع ہو رہی ہیں، ہر جگہ مسلمانوں کا آپسی اتحاد پارہ پارہ ہو رہا ہے، پیغمبر اسلام نے جس ملت کو قدم قدم پر درس دیا تھا آج وہ مختلف خانوں میں بٹی ہوئی ہے۔

(۲۰) قرآن مجید میں اسراء کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ”سبحان الذی اسری بعبدہ“ پاک

ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو رات لے چلی اس آیت میں نبی کریم ﷺ کے لئے لفظ عبد کا انتخاب اتفاقی نہیں ہے، مقام عبدیت سب سے اوجھا مقام ہے، ہر فضیلت والے موقع پر اللہ نے آپ کے لئے لفظ عبد اختیار فرمایا ہے، جس میں اشارہ ہے کہ آپ عبدیت کے نہایت بلند مقام پر فائز ہیں، اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے یہاں ہر قسم کی سر بلندی کامل عبودیت سے حاصل ہوتی ہے۔

(۲۱) سفر معراج میں مختلف آسمانوں پر متعدد انبیاء کرام سے ملاقات ہوئی، پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے دوسرے پر حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام سے تیسرے پر حضرت یوسف علیہ السلام سے چوتھے پر حضرت ادریس علیہ السلام پانچویں پر ہارون علیہ السلام چھٹویں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، ایک لاکھ سے زائد انبیاء کرام میں سے مذکورہ چند انبیاء کرام کا انتخاب اتفاقی نہیں ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات میں حکمت یہ ہے کہ آپ کو ان کے ساتھ پیش آنی صورت حال سے تسلی حاصل ہو جائے انہیں بھی اپنے وطن اصلی جنت سے نکالا گیا تھا اور آپ ﷺ کو بھی مکہ مکرمہ سے نکالا گیا، حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام کے ساتھ یہودیوں نے انتہائی درجہ کی عداوت و دشمنی کا مظاہرہ کیا تھا، ان سے ملاقات کروا کر گویا یہ اشارہ دیا گیا کہ آپ کو بھی مدینہ منورہ میں یہودیوں کی عہد شکنی اور ان کی شازشوں کا سامنا کرنا ہوگا حضرت یوسف علیہ السلام کو خود ان کے بھائیوں کی جانب سے قلم سہنا پڑا تھا، اور انہوں نے اس پر صبر کیا، مکہ مکرمہ میں آپ کے ساتھ بھی اپنوں نے یہی برتاؤ کیا اور آپ کو قتل کرنے کا تک منصوبہ بنایا، ادریس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے رفعت مقام عطا فرمایا تھا جہاں تک پہنچنا ہر شخص کے لئے ممکن نہیں تھا، آپ کو معراج سے سرفراز فرما کر ان سے بلند مقام عطا فرمایا گیا، حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے ساتھ ان کی قوم نے بڑی بدتمیزی کا معاملہ کیا تھا، ان سے ملاقات کروا کر آپ کو تسلی دی گئی، حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سے آخری آسمان پر بیت المامور سے ٹیک لگائے بیٹھے، ان سے ملاقات کے ذریعہ اشارہ کیا گیا کہ آپ کی عمر کا اختتام بھی حج بیت اللہ پر ہوگا۔

(۲۲) معراج کا واقعہ بتاتا ہے کہ ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے، جسے اللہ ہدایت نہ دیں وہ سارے معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے گا، جب آپ معراج سے واپس لوٹے اور کفار مکہ کو اس کی تفصیلات سنائیں تو کفار نے بیت المقدس کے متعلق مختلف سوالات کئے، اللہ نے بیت المقدس کو آپ کے روبرو کر دیا آپ نے ان کے ہر سوال کا جواب دیا، مگر پھر بھی وہ ایمان نہیں لائے، اس لئے ان کے حق میں ہدایت مقدر نہیں تھی۔

(۲۳) واقعہ معراج سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب کوئی کسی کے گھر جائے اور دروازہ کھٹکھٹائے اور اندر سے آنے والے کے متعلق دریافت کیا جائے تو آنے والے کو اپنا نام ذکر کرنا چاہئے، ”میں“ کہنا درست نہیں، حضرت جبریل علیہ السلام حضور ﷺ کے ساتھ پہلے آسمان پر پہنچے آسمان کا دروازہ بند تھا فرشتوں کے دریافت کرنے آپ نے جواب میں جبریل کہا۔

(۲۴) معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کے بعد جب آپ پر رخصت ہونے لگے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے لگے ان سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں رورہے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میرے بعد مبعوث ہونے والے پیغمبر محمد ﷺ کی امت میری امت سے زیادہ تعداد میں جنت میں داخل ہوگی (بخاری، مسلم) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضور ﷺ پر اس قدر غبطہ اور رشک تھا مگر اس کے باوجود انہوں نے نبی کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی فرمائی کی آپ پچاس نمازیں لے کر لوٹے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے تخفیف کروانے کا مشورہ دیا ان کا طرز عمل یہ واضح کرتا ہے کہ کسی کی خوبیوں پر حسرت ہونے کے باوجود اس کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی ہونی چاہئے، اس کے برعکس آج ہمارا حال یہ ہے کہ کسی کو کوئی نعمت مل جائے تو لوگ اس سے حسد کرنے لگتے ہیں اور اس نعمت کے زائل ہونے کی تمنا رکھتے ہیں۔

(۲۵) خیر خواہی اور ہمدردی ایسی چیز ہے کہ اس کی برکتیں ضرور ظاہر ہوتی ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خیر خواہی فرمائی تو ان کی اس خیر خواہی سے نمازوں میں تخفیف کی گئی اس طرح خیر خواہی کبھی ضائع نہیں ہوتی۔

(۲۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ پر جب آپ نے اپنے رب سے تخفیف کرائی اور

نمازیں پانچ کر دی گئیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر مشورہ دیا کہ آپ مزید تخفیف کرائیے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا اب مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے کہ پھر دوبارہ درخواست کروں، اس طرح واقعہ معراج سے یہ پیغام ملتا ہے کہ بندے اللہ تعالیٰ سے حیا کریں، قرآن و حدیث میں حیا پر بہت زور دیا گیا ہے۔

(۲۷) واقعہ اسراء و معراج سے مساجد کی اہمیت اور مسلم معاشرہ میں مساجد کا کلیدی کردار سمجھ میں آتا ہے؛ اس لئے کہ یہ سفر مسجد سے شروع ہوا اور مسجد ہی پر اختتام کو پہنچا ایسا اس لئے کیا عجیبات کہ امت پر مساجد کی اہمیت کو اجاگر کیا جاسکے۔

چوتھا باب

سیرت رسول کے چند نمایاں گوشے

سلام اس پر کہ جس نے جھولیاں بھر دیں فقیروں کی

صفاتِ الہی کا مظہر اتم

انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات اور خلیفۃ اللہ فی الارض کے منصب پر فائز کیا ہے، انسان میں خدائے تعالیٰ کی مختلف صفات کی جھلک پائی جاتی ہے، جو بندہ جس قدر خدا کا مقرب ہوتا ہے اس میں اسی قدر صفاتِ الہیہ کا انعکاس ہوتا ہے، بنی نوعِ آدم میں حضراتِ انبیاء خدا سے سب سے زیادہ قریب تر ہوتے ہیں، پھر انبیاء میں بھی سید الانبیاء محمد عربیؐ قریب الہی کے اونچے مقام پر فائز ہیں، آپؐ کی ذات ستودہ صفاتِ ربانی کا جلوہ گاہ ہے، عفو و درگزر، علم و حلم، رافت و رحمت اور انعام و اکرام جیسی اعلیٰ صفات کی جھلکیاں ذاتِ رسالتؐ میں پورے طور پر نمایاں نظر آتی ہیں، خدا کی من جملہ صفات میں ایک اہم صفت جود و سخا کی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو صفتِ جود و سخا کا دافر حصہ عطا فرمایا تھا۔

سخاوت و فیاضی اور عطا و بخشش نبی کریمؐ کے اخلاقِ حسنہ کا بنیادی عنصر تھا، جود و سخا آپؐ کی فطرت کا حصہ تھا، آپؐ شروع ہی سے بڑے فیاض اور سخا واقع ہوئے تھے جس طرح نبوت سے قبل آپؐ کی صداقت و امانت معروف تھی کہ لوگ آپؐ کو امین و صادق کہہ کر پکارتے تھے، اسی طرح آپؐ کی فیاضی اور سخاوت بھی ظاہر و باہر تھی۔

✽ چنانچہ فارحہ میں پہلی وحی کے نزول کے بعد جب آپؐ پر یثانی کے عالم میں گھر آئے اور اپنی رفیقہ حیات حضرت خدیجہؓ سے سارا ماجرا سنایا تو اس وقت حضرت خدیجہؓ نے جن الفاظ کے ساتھ آپؐ کو تسلی دی وہ آپؐ کی فطری فیاضی کے شاہد ہیں، حضرت خدیجہؓ نے فرمایا:

”کلا والله ما یخزیک الله ابدا انک لتصل الرحم وتحمل الكل وتکسب المعدوم

و تقوى الضيف و تعين على نوائب الحق“ (۱) ہرگز نہیں، خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو بے مدد نہیں چھوڑے گا، کیوں کہ آپ مہمان نواز ہیں، صلہ رحمی آپ کا شیوہ ہے اور ناتواں اور در ماندہ لوگوں کے آپ دستگیر اور مسکینوں کے کار ساز ہیں اور راہ حق میں پیش آنے والے مصائب و مشکلات میں آپ لوگوں کے مددگار ہیں، حضرت خدیجہؓ کے یہ الفاظ صاف بتاتے ہیں کہ لوگ آپ کو روزِ اول سے سخی، فیاض اور انسانیت نواز کے طور پر جانتے تھے۔

۴ حضراتِ صحابہ کرامؓ نے جو سفر و حضر میں آپ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے اور آپ کی عطا و بخشش کا نہ صرف مشاہدہ کرتے تھے بلکہ انہیں اس کا عملی تجربہ بھی ہوتا تھا، آپ ﷺ کی سخاوت کا بڑے اہتمام سے ذکر کیا ہے، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: ”کان أجود الناس و كان أجود ما يكون في رمضان حين يلقاه جبرئيل و كان يلقاه في كل ليلة من رمضان فيدارسه القرآن فرسول الله ﷺ أجود بالخير من الريح المرسلة“۔ (۲) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ عطا و بخشش کرنے والے تھے اور آپ ﷺ کے جود و کرم کی اس وقت انتہاء نہ ہوتی تھی جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ سے شرفِ یابی کے لیے حاضر ہوتے اور رمضان کی ہر شب حاضر ہو کر حضور ﷺ سے قرآن کریم کا دور فرماتے، بلاشبہ رسول اللہ ﷺ جود و بھلائی میں چھوٹی ہوئی تیز ہواؤں سے بھی زیادہ تیز تھے۔

سخاوت کی تعریف

۴ علامہ سید سلیمان ندویؒ سخاوت کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ”سخاوت کے حقیقی معنی اپنے کسی حق کو خوشی کے ساتھ دوسرے کے حوالہ کر دینے کے ہیں اور اس کی بہت سی صورتیں ہیں: اپنا حق کسی کو معاف کر دینا، اپنا بچا ہوا مال کسی دوسرے کو دینا، اپنی ضرورت کا

خیال کیے بغیر دوسرے کو دینا، اپنی ضرورت کو روک کر کسی دوسرے کو دینا، دوسرے کے لیے اپنے جسم کی قوت کو خرچ کرنا، اپنے دماغ کی قوت کو خرچ کرنا، اپنی آبرو کو خطرہ میں ڈالنا، اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا، دوسروں کو بچانے کے لیے یا حق کی حمایت میں اپنی جان دے دینا یہ سب سخاوت کی ادنیٰ اور اعلیٰ قسمیں ہیں، جن کے امتیاز کے لیے الگ الگ نام رکھے گئے، (۱) مولانا سید سلیمان ندویؒ کی وضاحت کی روشنی میں سخاوت صرف کسی سائل کے مانگنے پر وقتی طور پر کچھ عطا کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ سخاوت اپنے اندر بڑی جامعیت رکھتی ہے، نبی رحمت ﷺ کی جود و سخا میں بڑی جامعیت تھی، بعض شراح حدیث جود و سخا کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں ”اعطاء ما ینبغی لمن ینبغی“ (۲) بغیر کسی مفاد کے ضرورت مند کو اس کے مناسب حال چیز عطا کرنا جود و سخا ہے، اسی طرح مال کی فراوانی پر عطا کرنا سخاوت نہیں ہے بلکہ مال کی کمی کے باوجود اپنی ضروریات کو پس پشت ڈال کر عطا کرنا سخاوت ہے، پھر یہ صرف مال و دولت یا دنیوی اشیاء کا عطا کرنا ہی سخاوت نہیں ہے بلکہ ضرورت پڑنے پر جسمانی قوت کا خرچ کرنا بھی سخاوت میں داخل ہے، نیز سخاوت میں اپنے پرانے کی تمیز نہیں ہوتی۔

خالی نہ لوٹا جس کے در سے کوئی

نبی رحمت ﷺ اس جامع اور وسیع معنی میں سخی تھے، آپ کسی سائل کو رد نہیں فرماتے تھے، چنانچہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: ”ما سئل النبی ﷺ شیئاً قط فقال لا“ (۳) (کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حضور ﷺ سے کسی نے مانگا اور آپ ﷺ نے اس کو نہیں عطا فرمایا ہو) چاہے آپ ﷺ کے پاس وہ چیز موجود ہو یا نہ ہو، آپ ﷺ بہر صورت سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتے تھے۔
 ﴿﴾ ایک دفعہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے کچھ مانگا، آپ ﷺ نے فرمایا: اس وقت

(۱) سیرۃ النبیؐ: ۶/ ۱۷۹

(۲) فتح الباری اول الكتاب ۳۱ ادار المعرفۃ بیروت

(۳) بخاری باب حسن الخلق حدیث: ۶۰۳۴

میرے پاس کچھ نہیں ہے، تم میرے نام پر قرض لے لو، میں پھر اسے ادا کر دوں گا، حضرت عمرؓ بھی ساتھ تھے، عرض کیا کہ آپ کے پاس کچھ موجود نہیں ہے تو پھر آپ پر کیا ذمہ داری ہے؟ آنحضرت ﷺ چپ رہ گئے، ایک اور انصاری حاضر تھے، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ دیتے جائیے! اور عرش والے خدا سے نہ ڈریں وہ آپ کو محتاج نہیں کرے گا، یہ سن کر آپ ﷺ فرطِ بشارت سے مسکرا دیے، اور گھر میں آ کر اس کو بہت کچھ نوازا۔ (۱)

ﷺ کی سخاوت مال و متاع اور دنیوی اشیاء تک محدود نہ تھی؛ بلکہ حضرات صحابہ مختلف قسم کی ضروریات آپ ﷺ سے عرض کرتے اور آپ ﷺ ان کی تکمیل فرماتے، حضرت سیدنا جریر بن عبد اللہؓ نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! جب میں گھوڑے پر سوار ہوتا ہوں تو گر جاتا ہوں، جریر کہتے ہیں کہ آپ نے میرے سینے پر دست مبارک مار کر فرمایا: ”اللهم ثبتہ واجعله هاديا مهديا“ (۲) حضرت جریرؓ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کے انگشت ہائے مبارک کا اثر اپنے اندر محسوس کیا، اسے کے بعد میں کبھی گھوڑے سے نہیں گرا۔ (۳)

ﷺ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ سے احادیث سنتا ہوں اور پھر بھول جاتا ہوں، آپ نے ارشاد فرمایا: اپنی چادر پھیلا دو، میں نے پھیلا دیا، آپ ﷺ نے اس میں ایک پسو ڈالا (جس میں ظاہر کوئی چیز نہ تھی) پھر فرمایا: اس کو سمیٹ لو، میں نے سمیٹ کر سینے سے لگا لیا، اس کے بعد میں کبھی کوئی بات نہیں بھولا اور صحابہ میں ان سے زیادہ حدیثیں یاد رکھنے والا کوئی نہ تھا۔ (۴)

ﷺ لوگ چاہے کتنے ہی سخی و دانا کیوں نہ ہوں لیکن اپنی ضرورت کی اشیاء دوسروں کو عنایت نہیں کرتے لیکن محسن اعظم ﷺ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ شدید ضرورت کی اشیاء عنایت کرنے میں

(۱) اخلاق نبوی ﷺ واقعات کے آئینہ میں

(۲) صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۳۰۷۶

(۳) بخاری باب البشارة فی الفتوح حدیث ۳۰۷۶

(۴) ہما لسیت شیئا بعد (بخاری باب حفظ العلم حدیث ۱۱۹)

تامل نہ فرماتے، ایک دن آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے، ایک لڑکے نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میری ماں نے کہا میرے پاس کرتہ نہیں ہے، ایک کرتہ عنایت فرما دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: یہی ایک کرتہ ہے، پھر آنا، وہ لڑکا چلا گیا اور پھر آکر عرض کرنے لگا کہ میری ماں عرض کرتی ہے کہ یہی کرتہ عنایت کر دیجئے، آپ ﷺ دولت خانہ میں تشریف لے گئے اور اس کرتہ کو جسم مبارک سے اتار کر کے اس کے حوالے کر دیا، ایک صحابیہؓ نے ایک چادر اپنے ہاتھ سے تیار کر کے آپؐ کی خدمت میں پیش کی، اس وقت آپؐ کو چادر کی ضرورت بھی تھی، آپؐ نے اس کو اوڑھ لیا، ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ یہ چادر خوب ہے، اس کے کنارے بہت اچھے ہیں، بڑے دلکش ہیں، یا رسول اللہ ﷺ! یہ چادر مجھے عنایت فرما دیجئے، آپؐ نے وہ چادر اسے بخش دی۔ (۱)

لوگ جو دوسخا کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن ان کی سخاوت کا ایک دائرہ مقرر ہوتا ہے جس سے باہر نکلنے کی ایک حد مقرر ہوتی ہے، لیکن محسن اعظم ﷺ کی سخاوت و بخشش لامحدود تھی، زیادہ سے زیادہ مقدار اور سب کچھ عطا کرنا آپ ﷺ کے لئے کوئی بڑی بات نہ تھی، ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے دیکھا کہ دو درتک آپ ﷺ کی بکریوں کا ریوڑ پھیلا ہوا ہے، اس نے آپ ﷺ سے درخواست کی اور آپ ﷺ نے ساری بکریاں اسے عنایت فرمادیں اس نے اپنی قوم میں جا کر کہا: ”یا قوم! أسلموا فإن محمدًا يعطي عطاءً لا يبخش لفاقة“ (۲) اے میری قوم کے لوگو! اسلام میں داخل ہو جاؤ، بلاشبہ محمد ﷺ اس قدر عطا فرماتے ہیں کہ فاقہ کا انہیں کوئی خوف نہیں رہتا۔

کبھی عطا و بخشش کی ایسی بارش ہوتی کہ جو کچھ ہوتا سب نواز دیا جاتا اور گھر میں فاقہ کر لیا جاتا، چنانچہ ایک صحابیؓ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے شادی کی اور طعام ولیمہ کے لیے گھر میں کچھ نہ تھا، آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ عائشہؓ کے پاس جاؤ اور آٹے کی دلیا مانگ لاؤ، وہ گئے اور

(۱) ”ما أحسن هذه فاكسنيها فقال: نعم“ (بخاری باب حسن الخلق والسخاء حدیث ۶۰۳۶)

(۲) مسلم باب ما سئل رسول الله ﷺ شئنا فقط حدیث ۲۳۱۲

جا کر لے آئے، جب کہ گھر میں اس ذخیرہ کے سوا شام کے کھانے کو کچھ نہ تھا۔ (۱)
 ✽ ایک مرتبہ آپ ﷺ کے گھر میں رات کے کھانے کے لئے صرف بکری کا دودھ رکھا تھا
 کہ ایک غفاری مہمان آگئے، آپ ﷺ نے مہمان داری کے طور پر سارا دودھ اس کو پلا دیا اور گھر
 والوں نے یہ رات فاقہ سے بسر کی۔ (۲)

✽ بسا اوقات عطا و بخش اتنی زیادہ ہوتی کہ لینے والے کے لیے اٹھ کر چلنا دشوار ہو جاتا تھا،
 چنانچہ ایک دفعہ بحرین سے خراج آیا وہ اس قدر کثیر رقم کی تھی کہ اس سے پہلے دارالاسلام میں کبھی
 نہیں آئی تھی، آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو محن مسجد میں ڈالو، اس کے بعد جب آپ ﷺ مسجد
 میں تشریف لائے تو اس پر مرکز تک نظر نہ ڈالی، نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے تقسیم شروع کی جو
 سامنے آتا اس کو دیتے چلے جاتے، حضرت عباسؓ کو جو غزوہ بدر کے بعد دولت مند نہیں رہے
 تھے، اتنا دیا کہ اٹھ کر چل نہ سکتے تھے۔ (۳)

✽ جہاں تک کھانے پینے کی بات ہے تو معمولی چیز بھی تنہا نہ کھاتے تھے، بلکہ صحابہ کرامؓ کو
 شریک فرما لیتے تھے، کسی غزوہ میں ایک ۱۳۰ صحابہؓ ساتھ تھے، آپ ﷺ نے ایک بکری خرید کر
 ذبح کر ڈالی اور کھجی کے بھوننے کا حکم دیا وہ تیار ہوئی تو تمام صحابہؓ کو تقسیم فرمایا، جو لوگ موجود نہ تھے
 ان کا حصہ الگ رکھا۔ (۴)

✽ حضور ﷺ کی سخاوت اور انفاق کا یہ عالم تھا کہ گھر میں اگر دینار و درہم آتے جب تک
 انہیں تقسیم نہ کر دیتے اس وقت تک طبیعت میں بے چینی رہتی اور تقسیم کرنے پر ہی سکون و اطمینان
 محسوس کرتے، چنانچہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ

(۱) لا والله ان أصبح لنا طعام غيره (مسند احمد حدیث ربیعہ بن کعب اسلمی)

(۲) فبیت اللیلۃ کما بتنا البارحة (مسند احمد حدیث ابی بصرہ الغفاری حدیث ۲۷۲۶)

(۳) ”ثم احتمله فالتقاء علی کاهله ثم انفلق“ (بخاری باب القسمۃ حدیث ۴۲۱)

(۴) اخلاق نبوی ﷺ واقعات کے آئینہ میں

گھر تشریف لائے تو چہرہ متغیر تھا، بے چینی کے آثار ہویدا تھے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! خیر تو ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کل جو سات دینار آئے تھے شام ہوگئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے۔“

ایک دفعہ رئیس فدک نے چار غلہ بردار اونٹ خدمت نبوی ﷺ میں بھیجے، حضرت بلالؓ نے غلہ بازار میں فروخت کر کے ایک یہودی کا قرض ادا کیا، پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر اطلاع دی، آپ ﷺ نے پوچھا کچھ بچ گیا ہے، آپ نے فرمایا: جب تک کچھ باقی رہے گا میں گھر نہیں جاسکتا، حضرت بلالؓ نے کہا: میں کیا کروں؟ کوئی سائل نہیں، آنحضرت ﷺ نے مسجد میں رات بسر کی، دوسرے دن حضرت بلالؓ نے آکر کہا: یا رسول اللہ ﷺ! خدا نے آپ کو بکدوش کر دیا، یعنی جو کچھ تھا وہ بھی تقسیم کر دیا گیا، آپ ﷺ نے خدا کا شکر ادا کیا اور اٹھ کر تشریف لے گئے۔ (۱)

ایک بار عصر کی نماز پڑھ کر خلافت معمول فوراً گھر کے اندر تشریف لے گئے اور پھر فوراً نکل آئے، لوگوں کو تعجب ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ کو نماز میں خیال آیا کہ کچھ سونا گھر میں رکھا گیا ہے، گمان ہوا کہ نہیں ایسا نہ ہو کہ رات ہو جائے اور سونا گھر میں پڑا رہ جائے، اس لیے جا کر اس کو فوراً خیرات کر دینے کو کہہ آیا۔ (۲)

مرنے والوں میں اگر کوئی مقروض مرتا تو اس کے قرض کی ادائیگی آپ ﷺ اپنے ذمہ لیتے اور اگر وہ کچھ مال ترکہ میں چھوڑ جاتا تو اس کے وارثین کو تلاش فرماتے، کسی کا آزاد کردہ غلام اگر انتقال کر جاتے تو قاعدہ کی رو سے آزاد کرنے والا آقا اس کے ترکہ کا حقدار ہوتا ہے، ایک مرتبہ آپؐ کا اس قسم کا غلام انتقال کر گیا، لوگ اس کا متروکہ سامان آپ ﷺ کے پاس اٹھا لائے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کوئی اس کا یہاں ہم وطن ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تمام چیزیں اس کے حوالے کر دو، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ اگر کوئی

(۱) اخلاق نبوی ﷺ واقعات کے آئینہ میں ”فکبر و حمد اللہ شفقاً من أن یدرکہ الموت“ (ابوداؤد فی الامام تقبل ہدایا المشرکین حدیث ۳۰۵۵)

(۲) ”فکرہت أن یبیت عندنا فامرت بقسمته“ (نسائی باب الرخصة للإمام حدیث ۱۳۶۵)

شخص مقروض مر جائے اور کوئی مال چھوڑ کر نہ جائے تو ہم اسے ادا کریں گے اور اگر کوئی مال چھوڑ کر مر جائے تو وہ وارثوں کا حق ہے۔“ (۱)

سخاوت کرنے والوں کا طرز عمل یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص جب بار بار مانگتا ہے تو وہ اس سے بدلہ ہو جاتے ہیں اور ہاتھ کھینچ لیتے ہیں، لیکن نبی کریم ﷺ کا حال یہ تھا کہ بار بار مانگنے پر بھی عطا فرما دیا کرتے تھے، تا آنکہ آپ ﷺ کے پاس پیسے ختم نہ ہو جائیں، البتہ لوگوں کو مانگنے کی عادت سے باز رکھنے کے لئے نصیحت بھی فرمایا کرتے تھے، ایک دفعہ چند انصار نے آپ ﷺ سے کچھ مانگا، آپ ﷺ نے دے دیا، پھر مانگا پھر دے دیا، جب تک رہا آپ ﷺ دیتے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے ساتھ کچھ نہ رہا، لیکن وہ باوجود اس کے حاضر ہوئے اور درخواست کی، آپ ﷺ نے فرمایا، میرے پاس جو کچھ ہوگا اس کو تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا، مگر جو شخص اللہ تعالیٰ سے گداگری سے بچنے کی دعا کرے گا اللہ تعالیٰ ضرور اسے اس لعنت سے بچا دیتا ہے۔ (۲)

جو دوست ہمارے نبی کریم ﷺ کا خاص وصف تھا، آپ ﷺ نے عملی زندگی کے ذریعہ بھی اس کا نمونہ پیش کیا اور زبانی طور بھی امت کو اس کی تاکید فرمائی، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”السخی قریب من اللہ قریب من الناس بعید من النار“ (۳) سخی اللہ اور لوگوں سے قریب ہوتا ہے اور جہنم سے دور ہوتا ہے، آپ ﷺ نے کثرت کے ساتھ انفاق پر زور دیا ہے، لیکن افسوس! سخی نبی کی نام لیا امت آج سخاوت سے دور نظر آرہی ہے، لوگ شادی بیاہ اور تقاریب اور خواہشات کی تکمیل میں تو پانی کی طرح پیسہ بہاتے ہیں لیکن محتاجوں اور ضرورت مندوں کے لیے ان کے خزانے بند رہتے ہیں، دینی تقاضوں پر خرچ کرنا ان کے لیے دشوار ہوتا ہے، آئیے ہم سب مل کر عہد کریں کہ سخاوت کے شعبہ میں بھی ہم اپنے نبی ﷺ کو نمونہ بنا کر ان کے نقش قدم پر چلیں گے!

(۱) ومن ترک دیناً او ضیاعاً فلیأتنی فأنا مولاہ (بخاری، باب الصلاة علی من ترک دیناً: حدیث: ۲۳۹۹)

(۲) ومن يستعفف يعفه الله (بخاری باب الاستعفاف عن المسألة حدیث: ۱۴۶۹)

(۳) ترمذی باب ما جاء فی السخاء حدیث: ۱۹۶۱

خدمتِ خلق --- سیرتِ رسول کا جلی عنوان

حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام انسانیت کے سب سے بڑے خیر خواہ ہوتے ہیں، ان کی بعثت کا مقصد ہی سبکی انسانیت کو تھامنا ہوتا ہے، وہ پورے انسانوں کو دنیا و آخرت کی بھلائیوں سے سرفراز کرنے کے لیے بھیجے جاتے ہیں، دنیا میں انسانیت کا سب سے بڑا خیر خواہ اور نجات دہندہ نبی ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی زندگی میں خدمتِ خلق کا پہلو بہت نمایاں نظر آتا ہے، انبیاء کے یہاں خدمتِ خلق کا تصور کافی وسیع ہے، انبیاء کے جذبہ خدمت کا تعلق صرف دنیاوی زندگی ہی سے نہیں بلکہ وہ اس دنیا میں بھی انسانیت کو مشکلات سے نجات دلاتے ہیں اور عالمِ آخرت کی دائمی پریشانیوں سے بھی چھٹکارا دلاتے ہیں، نیز ان کا جذبہ انسانیت اغراض و مقاصد کے لیے نہیں ہوتا بلکہ وہ بے غرض و بے لوث ہو کر انسانیت کی نجات کے لیے کوشاں رہتے ہیں، قرآن مجید میں جن جن مقامات پر حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کا تذکرہ کیا گیا ہے، وہاں اس بات کی صراحت کر دی گئی کہ وہ اپنی قوم سے نہ کسی بدلے کے متمنی ہوتے ہیں اور نہ اپنے کام کی اجرت چاہتے ہیں، ہر زمانہ کے پیغمبروں نے اپنی تعلیمات میں توحید کے ساتھ انسانیت سے ہمدردی اور مخلوق کی خدمت اور حقوق کی ادائیگی پر زور دیا ہے، قرآن مجید میں بنی اسرائیل کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا: ”واذا اخذنا ميثاق بني اسرائيل لا تعبدون الا الله وبالوالدين احسانا وذی القربى والیتامى والمساكين وقولوا للناس حسنا“ (البقرة ۸۳:) یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو گے اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو گے اور اسی طرح قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی اور عام لوگوں کے ساتھ اچھی بات کرو گے۔ اس آیت میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے جہاں توحید کا عہد لیا تھا وہیں انسانیت کے ساتھ حسن سلوک اور مختلف طبقات کے حقوق کی ادائیگی کا عہد لیا تھا۔

✽ الغرض خدمتِ خلق حضراتِ انبیاء کرام کی سیرت کا جلی عنوان تھا، جس کا اندازہ ان کے کردار سے بھی کیا جاسکتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سفرِ مدین کے موقع پر کنوئیں کے پاس

دیکھا کہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے اور دلوں کیوں لوگوں کے اژدہام سے پریشان بے بسی کے عالم میں کنارہ پر کھڑی ہیں، تو فوراً آگے بڑھے اور کنوئیں سے پانی کیلچ کر ان جانوروں کو پلایا، جس کا تفصیل تذکرہ سورہ قصص میں دیکھا جاسکتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ عمل ان کی سیرت کے خدمت کے پہلو کو نمایاں کرتا ہے۔

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے قیام زنداں کہ دوران جیل کے دو پریشان حال ساتھیوں نے خواب کی تعبیر کے سلسلہ میں ان سے مدد حاصل کرنی چاہی تو حضرت یوسف نے انتہائی ہمدردی اور جذبہ خدمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں آخرت کی تباہی سے بچنے کی دعوت دی، پھر ان کی ضرورت کی تکمیل فرمائی، سورہ یوسف میں یہ واقعہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی کا ذکر بار بار کیا گیا ہے۔

﴿انبیاء کے سردار سید الاولین والآخرین محسن انسانیت ﷺ کی زندگی میں بھی خدمت خلق کا گوشہ بہت نمایاں نظر آتا ہے، آپ کی سیرت از اول تا آخر خدمت خلق کی مظہر ہے، کتب سیرت میں بے شمار واقعات ہیں جو آپ کے بے پناہ جذبہ خدمت کی عکاسی کرتے ہیں، نبوت سے قبل آپ ﷺ نے اپنے اخلاق و کردار اور انسانیت کی خدمت اور ظالموں کے خلاف مظلوموں کی مدد میں پیش پیش رہتے تھے، ”حلف الفضول“ کا واقعہ اس کا بین ثبوت ہے، ”سیرت ابن ہشام“ کے مطابق جب مکہ کے سردار عاص بن وائل سے بنو زبید سے تعلق رکھنے والے ایک پردیسی نے سامان فروخت کیا اور بعد میں قیمت کا مطالبہ کرنے پر عاص بن وائل نے صاف انکار کر دیا تو اس نے اپنی فریاد لوگوں کے سامنے رکھی، اس وقت مکہ کے جن غیرت مندوں نے ظالم سے بدلے لئے اور مظلوم کی مدد کرنے کا عہد کیا تھا ان میں سرفہرست محمد عربی ﷺ تھے۔ (۱)

نبوت سے سرفراز کئے جانے کے بعد ایک مرتبہ اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں ہونے والے معاہدہ میں شریک تھا، اگر اسلام کے بعد آج بھی اس میں بلایا جاتے تو ضرور اس میں شریک رہوں گا، اس معاہدہ میں انہوں نے

اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ حقدار تک اس کا حق پہنچائیں گے اور یہ کہ کوئی ظالم کسی مظلوم پر غالب نہ آئے۔ (۱) اس واقعہ سے نبی رحمت کا وہ پہلو نمایاں ہوتا ہے جو عام طور پر لوگوں سے اوجھل ہے، یعنی مظلوموں کی مدد سے دیکھیں اور خدمتِ خلق۔

ام المؤمنین کے تاریخانہ جملے

آپ ﷺ کے جذبہ خدمتِ خلق کا اظہار ان جملوں سے بھی ہوتا ہے جو حضرت خدیجہؓ کی زبان سے اس وقت نکلے تھے جب آپ ﷺ پر پہلی بار وحی نازل ہوئی تھی اور آپ ﷺ غارِ حرا سے سکھ ہوئے ان کے پاس آئے اور اپنی گھبراہٹ کا اظہار فرمایا تھا، چنانچہ حضرت خدیجہؓ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا: کلا والله ما یخزیک الله أبدا انک لتصل الرحم وتکسب المعدوم وتقوی الضیف وتعین علی نوائب الحق۔ (۲) خدا کی قسم ہرگز اللہ تعالیٰ آپ کو رسوا نہیں کرے گا، آپ رشتہ داروں کا حق ادا کرتے ہیں، ناداروں کو کما کر لاتے ہیں، لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کے راستوں میں آنے والی مصیبتوں میں کام آتے، حضرت خدیجہؓ نے جن باتوں کا ذکر کیا ہے وہ خالص خدمتِ خلق کی نوعیت کے ہیں، یہ تو نبوت سے پہلے کا حال تھا نبوت کے بعد کی زندگی تو ایک بھرنا پید کنار ہے، جس میں انسانیت نوازی، خلقِ خدا سے ہمدردی اور انسانی خیر خواہی کے سینکڑوں موتی پنہاں ہیں، آپ ﷺ کی پوری زندگی خدمتِ خلق کا حسین مرقع ہے، آپ ﷺ نے اپنی عملی زندگی کے ذریعہ بھی خدمتِ خلق کا مظاہرہ فرمایا اور اپنے ارشادات سے بھی لوگوں کو خدمتِ خلق کی تلقین فرمائی۔

خدمتِ خلق کا عملی مظاہرہ

جہاں تک خدمتِ خلق کے عملی مظاہرہ کا تعلق ہے تو اس کے لیے آپ کی سیرت سے بیسیوں

(۱) سیرت مصطفیٰ جلد ۱ ص ۹۵

(۲) بخاری: کیف کان بدء الوحی علی رسول اللہ ﷺ حدیث: ۳

واقعات کا حوالہ دیا جاسکتا ہے، حضرت جریرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن پہلے پہر ہم لوگ آپؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ایک قبیلہ مسافرانہ انداز میں حاضر خدمت ہوا، ان کی ظاہری حالت اس درجہ خستہ تھی کہ کسی کے بدن پر کوئی کپڑا ثابت نہ تھا، برہنہ بدن، برہنہ پا، کھالیں بدن سے لپٹی ہوئیں، تلواریں گلوں میں پڑی ہوئیں، ان کی یہ حالت دیکھ کر آپؐ بہت متاثر ہوئے، چہرہ مبارک کارنگ بدل گیا، اضطراب میں آپؐ گھر کے اندر گئے پھر باہر آئے اور حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا، نماز کے بعد آپؐ نے خطبہ دیا اور تمام مسلمانوں کو ان مظلوموں کی امداد اور اعانت کے لیے آمادہ کیا، چنانچہ صحابہ کرامؓ نے ان کی بہت کافی امداد فرمائی، تب کہیں جا کر آنحضرت ﷺ کا چہرہ مبارک مسرت سے سرشار ہوا۔ (۱)

جن لوگوں نے آپؐ کو ستایا تھا آپؐ نے ان کے ساتھ بھی خدمت خلق کا مظاہرہ کیا، چنانچہ قریش جنہوں نے تین برس تک شعب ابی طالبؓ میں مسلسل آپؐ کو محصور رکھا اور غلہ کے ایک ایک دانے کے روادار نہ تھے، ان کی شرارتوں کی پاداش میں خدائے ذوالجلال نے جب رحمت کا سایہ ان سے اٹھالیا اور مکہ میں اس قدر قحط پڑا کہ لوگ ہڈی اور مردار کھانے لگے، ابوسفیانؓ نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ: محمد! تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے، خدائے دعا کیجئے کہ یہ مصیبت دور ہو، آپؐ نے فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور خدائے اس مصیبت سے نجات دی۔ (اخلاق نبوی ﷺ واقعات کے اکینہ میں)

✽ آپؐ لوگوں کے کام آنے میں پہل کرتے تھے، کوئی بھی شخص بے تکلفی کے ساتھ آپؐ کے سامنے اپنی ضرورت بیان کرتا اور اس کی ضرورت کو پوری کرتے۔ (۲)

✽ حضرت خبابؓ ایک جنگی مہم پر گئے ہوئے تھے، ان کے گھر میں کوئی مرد موجود نہ تھا،

(۱) حتی رأیت وجہ رسول اللہ ﷺ كأنه مذهبة (مسلم باب الخث علی الصدقة حدیث: ۱۰۱۷)

(۲) فتذهب به حیث شاءت من المدینة، فما تدعه (مکرم الأخلاق للخرافعی باب

ما جاء فی اصطناع المعروف حدیث: ۱۱۱)

آپ ﷺ پابندی سے ان کے پاس تشریف لے جاتے اور بکریوں کا دودھ دوہتے۔ (۱)
 حضرت عدی بن حاتم جب خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ بے تکلف ایک باندی
 نے آپ ﷺ کو روک لیا اور اپنی ضرورت سنائی اور آپ ﷺ نے اس کی ضرورت پوری فرمائی،
 حضرت عدی نے اس کیفیت کو دیکھ کر فیصلہ کیا کہ یہ کسی بادشاہ کا عمل نہیں ہو سکتا، یہ کسی نبی کا عمل
 ہو سکتا ہے۔ (۲)

خدمت خلق کی تاکید

عملی نمونہ پیش کرنے کے ساتھ آپ ﷺ نے اپنے ارشادات کے ذریعہ بھی صحابہؓ کو خدمت
 خلق اور انسانیت سے ہمدردی کی تاکید فرمائی، آپ ﷺ نے فرمایا: ارحموا من فی الارض
 یرحمکم من فی السماء“ (۳) زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔
 نیز فرمایا: ”جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا“ (۴)
 ایک موقع پر فرمایا: خدا کی مخلوق اس کا کنبہ ہے، خدا کو وہ شخص سب سے زیادہ محبوب
 ہے، جو اس کے کنبے کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ (۵)

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (اس لیے)
 نہ خود اس پر ظلم و زیادتی کرے اور نہ دوسروں کا مظلوم بننے کے لئے اس کو بے یار و مددگار
 چھوڑے، اور جو کسی اپنے بھائی کی حاجت پوری کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرے گا،
 اور جو کسی مسلمان کی تکلیف اور مصیبت دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی کسی مصیبت کو
 دور کرے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ داری کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ داری

(۱) وكان رسول الله ﷺ يتعاهدنا حتى نخلب لنا، كان يخلب في بعضه (مسند اسحاق بن راہویہ حدیث ۲۳۸۲)

(۲) يا عدی ائتہ قبل أن یسبقک إلیہ “ (المعجم الاوسط من اسم محمد حدیث ۶۶۱۴)

(۳) ابوداؤد باب فی الرحمة حدیث ۴۹۴۱ :

(۴) من لا یرحم لا یرحم (بخاری باب رحمة اللہ حدیث ۹۹۹۹)

(۵) ”الخلق عیال الله، أحب العباد إلى الله أنفعهم لعیالہ“ (شعب الایمان حدیث: ۷۰۴۵)

کرے گا۔ (۱)

✽ انسانوں میں جو کمزور طبقات ہیں ان پر آپ ﷺ نے خصوصی توجہ فرمائی اور ان کی حاجت روائی کی تلقین فرمائی، چنانچہ فرمایا: کسی بیوہ یا کسی مسکین حاجت مند کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا بندہ (اللہ کے نزدیک) راہِ خدا میں جہاد کرنے والے کے برابر ہے (راوی کہتے ہیں) میرا گمان ہے کہ یہ بھی آپ ﷺ نے فرمایا اس شب بیدار بندہ کی طرح ہے جو عبادت میں سستی نہ کرتا ہو۔ (۲)

✽ یتیموں کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کسی یتیم کے سر پر صرف اللہ کے لیے ہاتھ پھیرا تو سر کے جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ پھرا ہر بال کے حساب سے اس کی نیکیاں ثابت ہوں۔ ۳

✽ مکہ مکرمہ سے جب صحابہؓ نے ہجرت فرمائی تو انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات کا رشتہ بھی آپسی تعاون اور ایک دوسرے کی مدد کا مظہر تھا، نبی ﷺ کی زندگی میں قدم قدم پر خدمتِ خلق اور انسانیت سے ہمدردی کے نمونے ملتے ہیں، خدمتِ خلق کے ذریعہ ایک مسلمان داعی کی حیثیت سے دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو اسلام کے قریب کر سکتا ہے، اس لیے کہ خدمتِ خلق وہ مؤثر ہتھیار ہے جس سے بہ آسانی دلوں کو فتح کیا جاسکتا ہے، دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والی قومیں اس ہتھیار کو بھرپور طریقہ پر استعمال کر رہی ہیں اور لوگوں کو اپنے مذہب سے قریب کرنے میں کامیاب ہو رہی ہیں، عیسائی مشنریز کی کامیابی کا یہی راز ہے، وہ علاجِ معالجہ، قرض کی ادائیگی میں تعاون اور تعلیم کے ذریعہ اپنے مقاصد کے لیے راہ ہموار کر رہی ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ پیغمبرِ انسانیت سے تعلق رکھنے والی امتِ آپ ﷺ کی سیرت کے اس گوشہ پر بھی توجہ دے اور خدمتِ خلق اور اعلیٰ اخلاق کے ذریعہ دعوتی راہ ہموار کرے۔

(۱) من ستر عن مسلم سترہ اللہ یوم القیامۃ (بخاری باب لا یظلم المسلم المسلم حدیث ۲۲۲۲)

(۲) الساعی علی الارملۃ کالمجاهد فی سبیل اللہ (بخاری باب فضل النفقۃ علی الأهل حدیث ۵۳۵۳)

(۳) کان لہ بکل شعرة مرت علیہا یدہ حسنات (مسند احمد حدیث ابی امامۃ الباہلی حدیث: ۲۲۱۵۳)

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب

(سیرت رسول میں تعلیم کی اہمیت)

شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے اپنے ”مولائے کل دانائے بل اور ختم الرسل“ کا تعلیم کے حوالہ سے تعارف کراتے ہوئے مذکورہ بالا مصرعہ کہا ہے۔ شاید آپ کی سراپا علمی شخصیت کے تعارف کے لئے اس سے بہتر اور اس سے جامع تعبیر ممکن نہیں، آپ ﷺ امی لقب تھے، مگر آپ کا وجود الکتاب تھا، لوح و قلم کو آپ پر ناز تھا، آپ ﷺ کو کبھی آلات علم کی احتیاج نہ تھی لیکن آلات علم کو آپ ﷺ نے زینت بخشی، آپ کی آمد سے پہلے علم کی بزم سونی تھی، آپ ﷺ نے اپنی آمد سے اسے رونق عطا کی، آپ ﷺ کی آمد سے پہلے اقطاع عالم میں جہالت کی تاریکیوں نے اپنا ڈیرا جمائے رکھا تھا، معلم انسانیت کے ورود مسعود کے ساتھ جہل کے بادل چھٹ گئے، آفتاب علم ساری دنیا کو منور کرنے لگا، آپ ﷺ سے قبل انسانیت دور جاہلیت سے گزر رہی تھی، آپ ﷺ کی آمد کے ساتھ دنیا میں دور علم کا آغاز ہوا، قارآن کی چوٹی سے طلوع ہونے والا آفتاب علم جب علم و معرفت کی شعاعیں بکھیرنے لگا تو انسانیت کو جہل کی ظلمتوں سے چھٹکارا حاصل ہونے لگا، آپ ﷺ کی بعثت سے قبل انسانی معاشرہ ہر قسم کی اخلاقی و روحانی بیماریوں میں جکڑا ہوا تھا، ظلم و جبر عام تھا، قتل و غارت گری عروج پر تھی، چوری و دہشتی کمزوروں پر زیادتی کا معمول تھا، ناموس زن پر ہر وقت خطرات منڈلاتے رہتے تھے، حوا کی بیٹی کی چادر عصمت بار بار تار کی جاتی رہتی تھی، شراب نوشی، جوا، سڑ زندگی کا لازمی حصہ بن چکا تھا، ان میں سے ہر برائی انسانیت کے لئے سوہان روح بن چکی تھی، جس سے پورے انسانی وجود ہی کو خطرہ لاحق ہو رہا تھا، ایسے میں آپ ﷺ پر نازل ہونے والی سب سے پہلی وحی کا آغاز جس لفظ سے ہوا وہ لفظ اقرار تھا گویا اشارہ دیا جا رہا تھا کہ بڑھائی اور خواندگی سے محرومی ہی ان ساری اخلاقی بیماریوں کی جڑ ہے، نیز لفظ ”اقرأ“ سے پہلی وحی کا آغاز کر کے قیامت تک آنے والی انسانیت کو بتا دیا گیا کہ عالم انسانی کو عطا کئے جانے والے پیغمبر دراصل پیغمبر علم و اخلاق ہیں، اور ان پر نازل ہونے والی آخری کتاب کتاب علم و معرفت ہے، جس

کاسب سے پہلا سبق تعلیم سے متعلق ہے، اور جس کی اولین آیتوں میں دو مرتبہ پڑھنے دو مرتبہ سکھانے اور ایک مرتبہ علم کے آلہ قلم کا ذکر کیا گیا ہے، پہلی وحی کے نزول کے موقع پر سارے عرب شرک و بت پرستی کا شکار تھے، اس پس منظر میں اولین وحی کے لئے یہ موزوں تھا کہ اس میں خدائے واحد کی وحدانیت کی تائید کی جاتی لیکن اس کے بجائے ”پڑھنے“ کی تائید کر کے یہ اشارہ دیا گیا کہ ساری خرابیوں کی جو جہالت ہے، معلم انسانیت پر نازل ہونے والی کتاب میں سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کا تعارف یوں کرایا گیا کہ اللہ نے انہیں علم الاسماء عطا فرمایا، فرشتوں پر آدم علیہ السلام کا تفوق علم کے ذریعہ ثابت کیا گیا، اور جب فرشتے عاجز آگئے تو پھر آدم علیہ السلام کے آگے سجدہ ریز ہونے کا حکم دیا ہے، معلم انسانیت پر نازل کی گئی کتاب میں سات سو پچاس بار علم اور اس سے مشتق الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، یہی نہیں بلکہ لفظ علم کو قرآن میں دین کے معنی میں بھی استعمال کیا گیا، یہ تاثر دینے کے لئے کہ مذہب اسلام سراسر علم ہے۔

پیغمبر علم و اخلاق پر نازل ہونے والی کتاب بر ملا اعلان کرتی ہے کہ عالم اور جاہل دونوں برابر نہیں ہو سکتے، جس طرح روشنی اور تاریکی برابر نہیں ہو سکتے، جس طرح مردے اور زندے برابر نہیں ہو سکتے، اسی طرح اصحاب علم اور بے علم برابر نہیں ہو سکتے۔ قرآن کہتا ہے کہ ایمان والوں میں جو اصحاب علم ہیں ان کے مام مومنوں کے مقابلہ میں درجات بلند ہیں، قرآن مجید میں مختلف پیغمبروں کی دعائیں نقل کی گئیں ہیں، آخری پیغمبر معلم انسانیت کو اللہ تعالیٰ نے جس دعا کی تلقین فرمائی وہ ”رب زدنی علماً“ (۱) ہے اے میرے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما، معلم انسانیت ﷺ کی علم نوازی اور تعلیم سے آپ کے گھرے رشتہ کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن نے تعلیم کتاب و حکمت کو آپ کی بعثت کے اساسی مقاصد میں شمار کیا۔ ارشاد ربانی ہے:

”هو الذي بعث في الاميين رسولا منهم يتلوا عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم

الكتاب والحكمة“ (۲)

وہی خدا ہے جس نے امیوں میں انہیں میں سے ایک رسول ﷺ بھیجا جو انہیں کتاب

وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں، خود نبی کریمؐ نے بھی حسن اخلاق کی تکمیل اور تعلیم کو اپنی بعثت کے بنیادی مقاصد قرار دیا، ارشاد فرمایا: ”انما بعثت معلما“ (۱)
ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ نے مجھے معلم اور آسانی پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ (۲)

نیز آپ ﷺ نے اپنے لئے ”مدینۃ العلم“ یعنی علم کا شہر کا لقب پسند فرمایا، چنانچہ فرمایا: ”انا مدینۃ العلم وعلی بابھا“ (۳)

میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں، شہر علم کا لقب اپنے لئے موزوں سمجھنے والے پیغمبر کی نگاہوں میں تعلیم کی کس قدر اہمیت ہے، اس کا اندازہ اس باب سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے بقدر ضرورت دینی تعلیم کو ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے ضروری قرار دیا، چنانچہ آپ کا ارشاد ”طلب العلم فریضة علی کل مسلم“ (۴) زبان زد خاص و عام ہے، آپ نے علم کو روشنی قرار دیا۔

طلب علم کی فضیلتیں

آپ نے حصول علم کی راہ طے کرنے والے طالب علم کے بارے میں فرمایا کہ فرشتے اس کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں، خدا کی ساری مخلوق طالب علم کے لئے دعا کرتی ہے حتیٰ کہ بلوں میں رہنے والے زہریلے جانور اور سمندر کی مچھلیاں تک اس کے لئے دعا کرتی ہیں۔ (۵)
آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو طالب علم حصول علم کے راستہ پر چلتا ہے وہ دراصل جنت کا راستہ

(۱) ابن ماجہ باب فضل العلماء حدیث ۲۲۹

(۲) انما بعثت معلما ولم ابعث متعنتا (السنن الکبریٰ للبیہقی باب ما وجب من تغیر النساء حدیث ۱۳۲۶۷)

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی، مجاہد عن ابن عباس حدیث ۱۱۰۶۱

(۴) ابن ماجہ باب فضل العلماء حدیث: ۲۲۴

(۵) حتی الخیتان فی الماء (ابن ماجہ باب فضل العلماء حدیث: ۲۲۲)

طے کر رہا ہے۔ (۱)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ علم کی فضیلت عبادت کی فضیلت سے زیادہ ہے۔ (۲)

نیز آپ نے فرمایا کہ کم علم اس کثیر عبادت سے بہتر ہے جو جہالت کے ساتھ ہو۔ (۳)

آپ نے حضرت ابو ذرؓ سے فرمایا اے ابو ذرؓ صبح ہوتے ہی تم اللہ کی کتاب سے ایک آیت سیکھ لو، اس سے بہتر ہے کہ تم ایک ہزار رکعتیں ادا کرو۔ (۴)

حدیث کی بیشتر کتابوں میں علم سے متعلق پورے باب ملتے ہیں، مثلاً بخاری شریف کو لیجئے جس میں وحی اور ایمان کے ابواب کے بعد علم کا باب شروع ہو جاتا ہے، جس میں حافظ ابن حجر کے قول کے مطابق ۸۶ / مرفوع حدیثیں ہیں اور صحابہ و تابعین کی ۲۲ / روایات ہیں، پیغمبر علم و اخلاق نے روز اول سے حصول علم پر زور دیا آپ نے علم کو مومن کا گمشدہ خزانہ قرار دیا، گمشدہ دولت وہ ہوتی ہے جسے پانے کے لئے ہر آدمی ہر لمحہ بے قرار رہتا ہے اور اس کے لئے مستقل جدوجہد میں لگا رہتا ہے، کسی خاتون کا زیور کھو جائے تو دیکھئے وہ کس قدر بے چین ہو جاتی ہے، اور جب وہ مل جاتا ہے تو اس کی خوشی کی انتہا نہیں رہتی۔ یہی حال ایک مسلمان کا ہونا چاہئے۔

پہلی اسلامی درسگاہ

تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کرنے والے صحابہ کرامؓ کے لئے آپ نے دار ارقم میں تعلیم کا انتظام فرمایا جو کوئی مسلمان ہوتا وہ چپکے سے دار ارقم پہنچ جاتا اور وہ حضور ﷺ سے اسلامی عقائد کی ضروری تعلیم لیتا، مدینہ منورہ ہجرت کر جانے کے بعد ہجرت کرنے والے مہاجرین کے سینکڑوں مسائل حل کرنے کے بجائے آپ نے مرکز تعلیم مسجد نبویؐ کی تعمیر پر

(۱) سَلِكِ اللَّهَ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ (ابوداؤد باب البحث علی طلب العلم حدیث: ۳۶۴۱)

(۲) العلم افضل من العبادة (المعجم الكبير طائفة عن ابن عباس حدیث: ۱۰۹۶۹)

(۳) قليل العلم خير من كثير العبادة (بجمع الزوائد باب في فضل العلم حدیث: ۲۷۷)

(۴) خير لك من أن تصلي ألف ركعة (ابن ماجه باب فضل من تعلم القرآن حدیث: ۲۰۹)

توجہ فرمائی اور مسجد سے لگ کر ایک چبوترہ بنایا گیا جس میں تعلیم کا بندوبست کیا گیا، پیغمبر علم و اخلاق کی نگاہوں میں تعلیم کس قدر اہمیت رکھتی ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جنگ بدر میں قید کئے گئے کفار کی رہائی کے لئے پہلا فدیہ مقرر کیا گیا کہ لکھنا پڑھنا جاننے والے قیدی دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں، اگرچہ حقیقی علم وہ ہے جو بندے کو خدا کی معرفت عطا کرے لیکن آپ ﷺ نے انسانیت کے لئے مفید ہر علم نافع کی حوصلہ افزائی فرمائی، آپ ﷺ نے صحابہؓ کو سریانی اور عبرانی زبانیں سیکھنے کی تلقین فرمائی، زید بن ثابت و دیگر صحابہ کرامؓ نے آپ کی ہدایت پر عبرانی زبان سیکھیں، آپ ﷺ نے فن طب سے متعلق اہم خطوط وضع فرمائے۔ جنگی معاملات میں ماہرین کی رائے کو اہمیت دی، ایک مرتبہ آپ حضرات صحابہؓ کے پاس تشریف لائے، صحابہ دو حلقوں میں بیٹے ہوئے تھے، ایک حلقہ ذکر میں مشغول تھا، دوسرا سیکھنے سکھانے میں مصروف تھا، آپ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا، دونوں بھلائی پر ہیں، پھر آپ تعلیم کے حلقہ میں بیٹھ گئے، آپ کی اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ عہد رسالت اور اس کے بعد زمانوں میں تعلیم کا سلسلہ آگے بڑھتا گیا، قرون اولیٰ میں علم کے ذرائع محدود تھے، زمانہ کی رفتار کے ساتھ ان میں ترقی ہوتی گئی۔

خلافت عباسیہ میں علم کی اہمیت

عباسی خلیفہ مامون رشید نے ۲۱۵ھ میں بیت الحکمتہ قائم کیا جو گویا علمی انجمن تھی، اس میں ایک رسد خانہ اور پبلک لائبریری تھی، اس کام کے لئے مامون نے دو لاکھ درہم خرچ کئے، جو اس زمانہ کے اعتبار سے سات ملین سے زیادہ ہوتے ہیں اور مترجمین کا ایک ایسا گروہ ملازم رکھا جو مختلف زبانوں اور علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ (۱) اسی طرح مامون نے ابن طریق اور حجاج بن مطرح جیسے لوگوں کو جو مختلف زبانوں کے ماہر تھے، دوسرے ممالک اس لئے بھیجا کہ وہاں سے ہر فن کی علمی کتابیں مثلاً طب، فلسفہ، ریاضی کی تصانیف جو عبرانی، یونانی میں لکھی گئی تھیں، خرید کر بغداد روانہ کریں، ان لوگوں نے بہت قیمتی کتابیں خرید کر بغداد روانہ کیا، مؤرخین نے لکھا ہے کہ ان

کتابوں کو سوانٹوں پر لاد اگیا تھا۔ (۱)

یورپین مصنفین نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے، ڈاکٹر گوٹاؤ لے لے لیبون لکھتا ہے کہ جس زمانہ میں کتاب ولائیری یورپ والوں کے لئے کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی، اور تمام کلیساؤں میں راہبوں کے پاس سو سے زائد کتابیں نہ تھیں، اور وہ بھی مذہبی تھیں، اس وقت بھی اسلامی ممالک میں کافی سے زائد کتابیں اور ولائیری تھیں، خود بغداد کی لائبریری بیت الحکیمہ میں چار ملین اور قاہرہ کی لائبریری میں ایک ملین اور طرابلس کی لائبریری میں تین ملین کتابیں تھیں، اور تنہا اسپین میں سالانہ ستر اسی ہزار کتابیں اکٹھا کی جاتی تھیں۔ (۲)

پیغمبر علم و اخلاق کے تعلیمی انقلاب کا اثر تھا کہ دنیا سائنس و ٹکنالوجی سے واقف ہوئی اور اہل یورپ نے اولین مسلم سائنسدانوں کی مبادیات پر سائنس و ٹکنالوجی کی عمارت کھڑی کر دی، اس وقت سارا عالم جس علمی انقلاب کی وجہ سے جگمگ جگمگ کر رہا ہے، وہ اسی کتاب کی شان رکھنے والے پیغمبر کی دین ہے، اگر حراسے علم کا یہ آفتاب طلوع نہ ہوتا تو آج دنیا سائنس و ٹکنالوجی سے کوسوں دور ہوتی، نبی کے علمی انقلاب کا اثر تھا کہ مسلم اہل علم نے کتابوں کے انبار لگا دیے۔ امام محمدؒ کی تالیفات ایک ہزار کے قریب ہیں، ابن جریر کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں تین لاکھ اٹھاون ہزار اوراق لکھے، امام غزالیؒ نے ۸۷ کتابیں لکھیں، جس میں صرف یا قوت التاویل چالیس جلدوں میں ہے، ابن جوزی کے آخری غسل کے واسطے پانی گرم کرنے کے لئے وہ برادہ کافی ہو گیا تھا جو صرف حدیث لکھتے ہوئے ان کے قلم بنانے میں جمع ہو گیا تھا، مشہور فلسفی اور طبیب ابن سینا کی تصانیف میں الحاصل والمحصل ۲ / جلدوں میں، الانصاف ۲۰ / جلدوں میں، الشفاء ۱۸ / جلدوں میں ہیں، لسان العرب ۱۰ / جلدوں میں ہے، نوہ صدی کے مشہور حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری ۱۴ / جلدوں میں، تہذیب العہد ۹ / جلدوں میں، الاصابہ ۵ / جلدوں میں اور لسان المیزان ۴ / جلدوں میں ہے۔

(۱) دائرة المعارف القرن العشرين

(۲) تاریخ اسلام و عرب ۳ / ۳۲۹

۷۰ ملین بچے علم سے محروم

مگر افسوس جس پیغمبر علم و اخلاق اور معلم انسانیت ﷺ نے اپنی امت کو تعلیم و اخلاق کی بنیادوں پر کھڑا کیا تھا، آج وہ امت علم سے اپنا رشتہ توڑتی جا رہی ہے، جب تک مسلمان علم کی تلاش میں سرگرداں رہے پوری دنیا میں سرفراز رہے، مسلمانوں نے مدتوں علم کی بستیاں بسائیں، اور مدتوں علم کی بستی کی حکومت ان کے ہاتھوں میں رہی، لیکن آج وہ دوسروں کی بسائی ہوئی بستیوں میں ان کے لب و لہجہ اور ان کے افکار و نظریات میں علم پڑھ رہے ہیں، آج پورے عالم میں مسلمان سب سے زیادہ پسماندہ قوم سمجھی جانے لگی ہے، اس وقت دنیا بھر میں ۷۰/۷۱ ملین بچے بنیادی تعلیم سے محروم ہیں، تعلیم و اخلاق ہماری زندگی کے بنیادی عناصر ہیں، مسلمانوں میں تعلیم کا شعور پیدا کرنا اور عصری تعلیم کے اثرات بد سے ان کی حفاظت کرنا وقت کا تقاضہ ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے روشن ماضی سے عبرت حاصل کریں، وہ ہمارے آباء تھے جنہوں نے سائنسی علوم کی بنیاد ڈالی، جابر بن حیان نے کیمسٹری کے علم کے ابتداء کی، اور آٹھ صدیوں تک اس کی کتابیں دنیا کی ہر زبان میں پڑھائی جاتی رہیں، اس نے دھاتوں کے اجزائے ترکیبی بیان کئے، ابو عثمان جاحظ نے کتاب الحيوان لکھ کر بیالوجی کے مضمون کا آغاز کیا، موسیٰ خوارزمی نے ریاضی میں صفر کا آغاز کیا اور ایک سے نو تک ہندسوں کو علیحدہ ترتیب دیا، ابن فرناس ستاروں کی گردش کا ماہر تھا جس نے سب سے پہلے گھڑیاں اور ROCHCRYSTAL ایجاد کئے، طب میں اسحاق بن حنین الجبرائیل الماہاتی فلکیات میں، سنائی جغرافیہ میں الحمدانی کو فراموش نہیں کیا جاسکتا، المجوسی نے شریانیوں کا علم دریافت کیا اور پہلی دفعہ دندان کا علم دنیا تک پہنچایا، ابو القاسم زہراوی نے سرجری کا آغاز کیا اور اس کے آلات بنائے، ابن الہیثم نے بصارت کے عمل کیمرہ اور کشش ثقل پر بحث کی جسے بعد میں نیوٹن کے کھاتے میں ڈال دیا، الغرض ہمارے آباء کے علمی کارناموں کی طویل فہرست ہے ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی عظمت رفتہ کو بحال کرنا ہے، تبھی ہم معلم انسانیت کے حقیقی امتی کہلائیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم دونوں عالم میں سہارا

جہلاء عرب ایک بے سہارا قوم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل کے دور کو زمانہ جاہلیت کہا جاتا ہے، اس وقت انسانیت کن حالات سے گزر رہی تھی، سیرت نگاروں نے بڑی تفصیل سے اس پر بحث کی ہے اور اس دور کی اخلاقی، سیاسی اور سماجی حالت کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک لکھنے کی غرض سے جب کوئی سیرت نگار قلم اٹھاتا ہے تو اس کے ذہن میں بعثت سے پہلے کے سارے واقعات گھوم جاتے ہیں، وہ پہلے دور جاہلی کی ایک ایک خرابی کو تفصیل سے ذکر کرتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ظلم و زیادتی، قتل و غارت گری، فسق و فجور اور ہر طرح کی برائیوں کے بارے میں ہم سنتے ہیں کہ عام تھیں، لیکن یہ دور جاہلیت کی صحیح تصویر نہیں ہے، بلکہ اس دور کی صحیح تصویر یہ ہے کہ اس وقت انسانیت بے سہارا تھی، سہارے سے محروم تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے لیے سہارا بن کر آئے، قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ انسانیت رسول کی آمد سے پہلے بوجھوں تلے دبی ہوئی اور پیڑیوں میں جکڑی ہوئی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بوجھوں سے نجات دلائی اور جن پیڑیوں میں جکڑی ہوئی تھی ان سے چھٹکارا دلایا، ارشادِ ربانی ہے: ”وَيَضَعُ عَنْهُمْ أَصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ“ (۱) (رسول) ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے انہیں دور کرتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے سارے عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے اس عالم میں بھی سہارا ہیں اور عالم آخرت میں بھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کردہ نظام رحمت ہر طرح کی کامیابی کا ضامن ہے، اس میں ہر طرح کی انسانی مشکلات کا حل ہے، اس کے سہارے انسانیت تمام مصائب و آلام سے نجات پاسکتی ہے، جب

تک آپ ﷺ اس عالم آب و گل میں رہے سارے انسانی طبقات کے لیے سہارا بنے رہے اور ایک ایسا نظام چھوڑ گئے جو قیامت تک انسانیت کے لئے سہارے کا کام دے گا، اور جب اس دنیا سے چل بسے تو امت کو بے سہارا نہیں چھوڑا، بلکہ فرمایا: تو رکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتہما کتاب اللہ وسنة رسولہ (۱) (میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں جب تک تم انہیں تھامے رہو گے گمراہ نہ ہو گے، ایک اللہ کی کتاب دوسرے اس کے رسول کا طریقہ۔ اور جب امت عالم آخرت میں پہنچے گی تو وہاں بھی رسول ﷺ کے سہارے کی محتاج رہے گی۔

ہر مظلوم طبقے کا سہارا

انسانیت کا وہ کونسا طبقہ ہے جس کو آپ ﷺ نے سہارا نہ دیا، آپ کی بعثت سے قبل انسان کا شرف پامال ہو رہا تھا، انسانی جانوں کی کوئی قیمت نہ تھی، قتل و قتال اور معمولی باتوں پر جان کے درپے ہونا ایک عام بات ہو گئی تھی، عظمت انسانی بری طرح پیروں تلے روندی جا رہی تھی، انسان نما بھیڑیوں کا راج تھا، حضور ﷺ نے سب سے پہلے عرب کے خونخواروں کو مقام انسانیت سے آگاہ کیا اور انہیں انسان بن کر جینے کا سلیقہ سکھایا، پھر جو لوگ خدائے واحد کو چھوڑ کر بے سہارا اور درد ریزی ٹھوکریں کھا رہے تھے انہیں اللہ کا حقیقی سہارا عطا فرمایا اور انہیں یہ تعلیم دی کہ ایک اللہ کے سوا جس در کی بھی خاک چھانو گے بے یار و مددگار ہو گے، مالکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر (۲) آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے مختلف طبقات انسانی کسی ایک کے لئے ترس رہے تھے، جو انہیں ظلم و بربریت کا شکار ہونے سے بچاتے، آپ ﷺ نے ایسے ہر مظلوم طبقے کو سہارا دیا۔

اسلام سے قبل عورت کی کیا درگت تھی، وہ بے سہارا مردوں کے ظالم پنجوں میں سسک رہی تھی، اس کا کوئی پرسان حال نہ تھا، لوگوں کو اس کے مستقل وجود میں تک شک تھا، سامان لذت سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہ تھی، پہلی مرتبہ حضور ﷺ نے اس مظلوم صنف کو سہارا

دیا اور معاشرہ میں مرد کے مساوی اس کے حقوق متعین فرمائے، عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلہ میں مردوں کو سخت تاکید فرمائی، چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ”عورتوں کے ساتھ بھلی نصیحت سے کام لو۔“ ایک روایت میں فرمایا: ”تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے لیے تم سب سے بہتر ہو۔“ (۱) حجة الوداع کے موقعہ پر عورتوں کے حقوق بالتفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”سن لو عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم ان کے ساتھ بہتر سے بہتر معاملہ کرو، ان کے پہنانے اور کھلانے میں تم نے اللہ کی ضمانت پر ان کو اپنے لیے حلال کیا ہے، ان کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو“ (۲) ایک جگہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ایک مسلمان اپنی بیوی کے حق میں جتنا رحم دل اور مہذب ہوگا اتنا ہی وہ اپنے ایمان میں کامل ہوگا“ (۳) ماں کے قدموں کے نیچے جنت قرار دیا، دور جاہلیت میں لڑکی کی پیدائش کو کو مار سمجھا جاتا تھا اور ولادت کے ساتھ ہی اس کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا، حضور ﷺ نے اس ظالمانہ رسم کا خاتمہ کیا اور لڑکیوں کی پرورش کے بڑے فضائل بیان کئے، آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کی تین لڑکیاں ہوں وہ ان کو پالے، پرورش کرے اور ان کی کفالت کرے اس کے لیے جنت واجب ہے، کسی نے غرض کیا: اگر کسی دو لڑکیاں ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا دو والے کے لیے بھی یہی بشارت ہے، پھر کسی نے کہا: اگر ایک لڑکی ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک لڑکی والے کے لیے بھی یہی بشارت ہے۔ (۴)

غلاموں کا مولیٰ

غلاموں کا طبقہ ہر دور میں مظلوم رہا، بعثت سے قبل غلاموں کے ساتھ بڑا ناروا سلوک کیا جاتا تھا، بڑی بے رحمی کے ساتھ آقا ان سے کام لیا کرتے تھے، حضور ﷺ نے اس مظلوم طبقہ کو بھی مکمل

(۱) خیر کم خیر کم لاہلی (ترمذی باب فی فصل ازواج النبی ﷺ حدیث: ۳۸۵۹)

(۲) ابو داؤد باب صفة حجة النبی ﷺ حدیث: ۱۹۰۵

(۳) اکملکم ایمانا احسنکم خلقا (مکارم الاخلاق باب الحث علی الاخلاق حدیث: ۴۹)

(۴) قال: وواحدة (شعب الایمان حقوق الاولاد حدیث: ۸۳۱۱)

سہارا دیا، سب سے پہلے تو ایسے قوانین مرتب فرمائے جن سے زیادہ سے زیادہ لوگ غلامی کے طوق سے آزاد ہو سکیں، چنانچہ بہت سے گناہوں کا کفارہ غلاموں کی آزادی قرار دی، پھر غلاموں کے حقوق متعین فرمائے، ان کے ساتھ شفقت کا معاملہ فرمایا اور دوسروں کو اس کی تائید کی، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ غلام تمہارے بھائی ہیں جو خود کھاتے ہو ان کو کھلاؤ اور جو پہنتے ہو ان کو پہناؤ، ان پر کسی ایسے کام کا بوجھ نہ ڈالو جو وہ نہ کر سکیں، آپ ﷺ کی ملکیت میں جو غلام آتے ان کو آپ ﷺ ہمیشہ آزاد فرماتے، غلاموں کو غلام کا لفظ سن کر ذلت محسوس ہوتی تھی، آپ ﷺ کو ان کی یہ تکلیف بھی گوارا نہ تھی، اس لیے فرماتے کوئی میرا غلام، میری لونڈی کہہ کر نہ پکارے، میرا بچہ میری بیٹی کہے، آپ ﷺ کو غلاموں پر شفقت اس قدر ملحوظ تھی کہ مرض الموت میں آپ نے سب سے آخری وصیت یہ فرمائی: ”غلاموں کے معاملہ میں خدا سے ڈرا کرنا۔“ (۱)

✽ حضرت ابوذر غفاریؓ بڑے صحابی ہیں، حضور ﷺ نے ان کی راست گوئی کی مدح فرمائی ہے، انہوں نے ایک عجیبی آزاد غلام کو بھلا کہا، غلام نے حضور ﷺ سے شکایت کی تو آپ ﷺ نے حضرت ابوذرؓ کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں اب تک جاہلیت باقی ہے، یہ غلام تمہارے بھائی ہیں، خدا نے تم کو ان پر فضیلت عطا کی ہے، اگر وہ تمہارے مزاج کے موافق نہ ہوں تو ان کو فروخت کر ڈالو، خدا کی مخلوق کو ستایا نہ کرو۔ (۲)

✽ ایک مرتبہ ابو مسعودؓ اپنے غلام کو مار رہے تھے کہ پیچھے سے آواز آئی: ابو مسعود! تم کو جس قدر اس غلام پر اختیار ہے خدا کو اس سے زیادہ تم پر اختیار ہے۔

✽ ابو مسعودؓ نے مرد کر دیکھا تو آنحضور ﷺ تھے، عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے اللہ کے لیے اس غلام کو آزاد کیا، فرمایا: اگر تم ایسا نہ کرتے تو آتش جہنم تم کو چھو لیتی۔ (۳)

✽ ایک شخص حاضر خدمت ہو کر عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! میں غلاموں کا قصور کتنی

(۱) اتقوا اللہ فیما ملکت ایمانکم (ابوداؤد باب فی حق المملوک حدیث) ۵۱۵۶

(۲) إنک امرأ فیک جاهلیة (مسلم باب اطعام المملوک مما یأکل حدیث: ۱۶۶۱)

(۳) لیسک النار (مسلم باب حجة الممالیک حدیث ۱۶۵۹)

مرتبہ معاف کروں؟ آپ ﷺ خاموشی رہے، تیسری بار پوچھنے پر فرمایا: ہر روز ستر بار معاف کیا کرو۔ (۱)

✽ حضور ﷺ سے پہلے دنیا میں بیوہ عورتیں سماج میں بڑی کمپرسی کی زندگی گذارتی تھیں، بیوہ عورتیں وارث کی ملکیت بن جاتی تھیں اور وہ اس کے ساتھ غیر انسانی سلوک کرتا تھا، حضور ﷺ نے بیوہ عورتوں کو بھی سہارا دیا اور سماج میں انہیں عزت کا مقام عطا کیا، اس کے لیے آپ ﷺ نے آٹھ بیوہ عورتوں کو اپنے نکاح میں لیا اور بیوہ عورتوں سے نکاح کو اپنی سنت عادیہ بنادیا، بیوہ کی خدمت کو جہاد کے برابر قرار دیا، ایک حدیث میں فرمایا: میں قیامت کے دن سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھولوں گا کہ ایک عورت مجھ سے پہلے اندر جانا چاہتی ہے، میں پوچھوں گا کہ کون ہے؟ وہ کہے گی میں ایک بیوہ عورت ہوں جس کے چند ننھے یتیم بچے تھے۔

یتیموں کا والی

✽ معاشرہ کا ایک بے بس طبقہ یتیموں کا ہوتا ہے، لوگ انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا، اسلام سے قبل دور جاہلیت میں تو اور برا حال تھا، حضور ﷺ نے یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھا، اور انہیں اپنی اولاد جیسی محبت دی، ہمیشہ آپ ﷺ یتیموں پر ترس کھاتے تھے، یتیموں کیساتھ حسن سلوک کے کئی واقعات ہیں، ایک دفعہ ایک یتیم لڑکے نے حضور ﷺ کی عدالت میں یہ دعویٰ دائر کیا کہ یہ نخلستان میرا ہے، اس پر فلاں شخص قبضہ کرنا چاہتا ہے، حضور ﷺ نے لڑکے سے ثبوت طلب فرمایا: لڑکا ثبوت دینے سے قاصر رہا، آپ ﷺ نے اس کا دعویٰ خارج کر دیا، اس فیصلہ پر یتیم رونے لگا، حضور ﷺ کو رحم آیا، اس سے کہا: تم یہ نخلستان اس بچہ کو دے دو، وہ شخص اس کے لیے تیار نہ ہوا حضرت ابو درداء صحابی موجود تھے انہوں نے کہا: کیا تم یہ نخلستان میرے باغ سے بدل سکتے ہو؟ وہ راضی ہو گیا اور حضرت ابو درداء نے وہ نخلستان اس یتیم کو عطا کر دیا، یتیموں کی دیکھ بھال کی آپ ﷺ نے سخت تاکید فرمائی، ایک جگہ فرمایا:

(۱) واعفوا عنه فی کل یوم سبعین مرة (ابوداؤد باب فی حق المملوک حدیث: ۵۱۶۴)

مسلمانوں میں سب سے اچھا گھرانہ وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور مسلمانوں میں سب سے برا گھرانہ وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جائے۔ (۱)

بے کسوں کا سہارا

اسی طرح معاشرہ کے غریب اور کمزور افراد کا بھی حضور ﷺ بڑا خیال فرماتے، عموماً غریبوں کو کوئی قریب نہیں کرتا، آپ ﷺ کا حال یہ تھا کہ آپ ﷺ ہمیشہ دعا فرماتے: خداوند مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین اٹھا اور مسکینوں ہی کے ساتھ میرا حشر کر، حضرت عائشہؓ نے دریافت فرمایا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ کیوں؟ فرمایا: اس لیے کہ یہ دولت مندوں سے پہلے جنت میں جائیں گے، پھر فرمایا: اے عائشہؓ! کسی مسکین کو اپنے دروازے سے نامراد نہ پھیر دو گو چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، اے عائشہؓ! غریبوں سے محبت رکھو اور ان کو اپنے نزدیک کرو، خدا بھی تم کو اپنے سے نزدیک کرے گا (۲) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے مزاج میں تھوڑی سختی تھی، وہ اپنے کو غریبوں سے بالا تر سمجھتے تھے، آپ ﷺ ان کی طرف خطاب کر کے فرمایا: تم کو جو نصرت اور روزی میسر آتی ہے وہ ان ہی غریبوں کی بدولت آتی ہے، (۳) حضرت جریرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن پہلے پہر ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے تھے ایک پورا مسافر قبیلہ حاضر خدمت ہوا، ان کی ظاہری حالت اس درجہ خراب تھی کہ بدن پر کوئی کپڑا ثابت نہ تھا، برہنہ تن، برہنہ پا، کھالیں بدن سے بندھی ہوئی تھیں، تلواریں گلوں میں پڑی ہوئی تھیں، ان کی یہ حالت دیکھ کر آپ ﷺ بے حد متاثر ہوئے، چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا، اضطراب میں آپ ﷺ اندر گئے، باہر آئے، حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا، نماز کے بعد آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور تمام مسلمانوں کو ان کی امداد کے لیے آمادہ

(۱) وشر بیت فی المسلمین بیت فیہ یتیم یساء إلیہ (ابن ماجہ باب حق الیتیم حدیث ۳۶۷۹)

(۲) وقر بهم فإن الله یقریک یوم القیامة (ترمذی باب ما جاء أن فقراء المهاجرین یدخلون

الجنة قبل أغنیاءهم حدیث ۲۳۵)

(۳) وهل ترزقون وتنصرون الا بضعفائکم (مسند احمد، مسند ابی اسحاق حدیث ۱۴۹۳)

کیا، جب کپڑوں اور اناج کا ڈھیر جمع ہو گیا تو آپ ﷺ کا چہرہ کھل اٹھا۔ (۱)
 ایک دفعہ حضرت ابو بکرؓ نے کسی بات پر حضرت سلمان اور بلالؓ کو جن کا شمار فقراء مہاجرین
 میں ہوتا ہے، ڈانٹا، حضور ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا: تم نے ان لوگوں کو آزدہ تو نہیں
 کیا؟ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ ان لوگوں کے پاس آئے اور معافی مانگی اور ان لوگوں نے معاف کیا۔
 ❀ ویسے بھی آپ ﷺ عام مسلمانوں کا ان مختلف ضروریات میں ساتھ دیتے اور ان کا ہاتھ
 بٹاتے، اس میں امیر غریب چھوٹے بڑے کی کوئی تفریق نہ فرماتے تھے، مدینے کی باندیاں
 آپ ﷺ کی خدمت میں آتیں اور کہتیں یا رسول اللہ ﷺ! میرا یہ کام ہے، آپ ﷺ فوراً اٹھ کھڑے
 ہوتے اور ان کا کام کر دیتے۔ (۲)

❀ خمدینے میں ایک پاگل لوٹدی تھی، وہ ایک دن حاضر ہوئی اور آپ کا دست مبارک
 پکڑ لیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے عورت! مدینہ کی جس گلی میں چاہے بیٹھ میں تیرا کام کروں گا،
 چنانچہ آپ ﷺ اس کے ساتھ مدینہ کی ایک گلی میں جا کر بیٹھے اس کی ضرورت پوری کی۔ (۳)
 ❀ ایک دفعہ آپ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہو چکے تھے، ایک بدو آیا اور آپ ﷺ کا دامن
 پکڑ کر بولا: میرا ذرا سا کام رہ گیا ہے، ایسا نہ ہو کہ میں بھول جاؤں پہلے اس کو کر دو، آپ ﷺ اس
 کے ساتھ فوراً مسجد سے باہر نکل آئے اور اس کا کام انجام دے کر نماز ادا کی۔
 ❀ ابن ابی اوفیؓ ایک صحابی ہیں، فرماتے ہیں کہ بیوہ اور مسکین کے ساتھ چل کر ان کا کام
 کرنے میں آپ کو عار نہ تھا۔ (۴)

❀ حضرت خباب ایک جنگی مہم پر گئے ہوئے تھے، ان کے گھر میں کوئی مرد نہ تھا اور عورتیں

(۱) حتی رأیت وجہ رسول اللہ ﷺ یتھلل کأنه مذہبہ (مسلم باب الحث علی الصدقة حدیث ۱۰۱۷)

(۲) لمسک النار (مسلم باب محبة الممالیک حدیث ۱۶۵۹)

(۳) مسلم باب صحبة الممالیک حدیث

(۴) (مسلم باب صحبة الممالیک حدیث)

دودھ دہنا نہیں جانتی تھیں، رسول اللہ ﷺ روزانہ خواب کے گھر جا کر جانوروں کو دوہتے۔ (۱)
 یہ اس محبوب کبریا کا حال تھا جو قاضی سلیمان منصور پوریؒ کے الفاظ میں: یتیموں کا سہارا،
 بے آسروں کا آسرا، بے خانماؤں کا ماوی، چارہ گروں کا درد مند، غلاموں کا محسن، مسکینوں کا ساتھی،
 خاک ساری کا نمونہ اور رحمت ربانی کا پتلا تھا، جس نے خود غرضوں کو محبت کا قوی درد مند بنایا، جس
 نے دشمنوں کو اپنا جگر بند ٹھہرایا، جس نے اہل عالم بلکہ عالم در عالم کی بہبود و سود، راہ و فلاح، خیر
 و صلاح، عروج و ارتقاء کے لیے بلا شائبہ غرض اور آمیزش طمع اپنی مقدس زندگی کو صرف کیا، کیا تاریخ
 انسانی کسی ایسے قائد کو پیش کر سکتی ہے، جو اپنے ماتحتوں کے ساتھ اس طرح پیش آتا ہو۔

سہارا امت کا آخری سہارا

بلاشبہ حضور ﷺ کی ذات مادی و معنوی، ظاہری و باطنی ہر لحاظ سے نہ صرف امت مسلمہ کے
 لیے بلکہ ساری انسان دنیا میں بھی بے سہارا نہیں رہتا اور آخرت میں بھی، جب تک آپ ﷺ صحابہؓ
 کے درمیان رہے اپنے طرز زندگی سے یہ ثابت کر دکھایا کہ آپ بے سہاروں کا سہارا کیسے ہیں،
 جہاں تک آخرت میں سہارا کا سوال ہے، آپ ﷺ کو امت کی اخروی کامیابی کی فکر کس قدر لاحق
 رہتی تھی، اس کا اندازہ قرآن کی ان آیات سے لگایا جاسکتا ہے، جن میں امت کے سلسلہ میں
 آپ ﷺ کی پریشانی اور بے چینی کا اظہار کیا گیا، سورہ کہف میں ارشاد ہے: ”فلعلک باخع
 نفسك علی آثارهم ان لم یومنوا بهذا الحدیث اسفا“ (۲) لگتا ہے کہ آپ افسوس کے
 مارے ان کے پیچھے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں، اس مضمون کو کبھی
 ایک جگہ بیان کیا گیا ہے، آپ ﷺ جب اپنی امت کی خاطر پریشان ہوتے تو اللہ تعالیٰ آپ کو تسلی
 دیتے، آپ ﷺ اپنی امت کی مغفرت کے لئے رات بھر روتے گڑ گڑاتے، اللہ تعالیٰ سے دعا
 مانگتے، اس سلسلہ میں احادیث میں کئی ایک واقعات نقل کئے گئے ہیں۔

(۱) ولا یألف أن یمشی مع الأرملة (نسائی حدیث: ۱۴۱۴)

(۲) الشعراء: ۳

✽ حضرت ابو ذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ ایک سفر میں حضور ﷺ نے عشاء کی نماز ادا کی، فرضوں کے بعد حضرات صحابہؓ نوافل میں مشغول ہو گئے، تھوڑی دیر بعد تشریف لائے، اب وہ خیمہ غالی تھا جس میں نماز ادا کی جا رہی تھی، آپ نے اس میں کھڑے ہو کر نماز شروع کر دی، اتنے میں میں بھی آگیا اور آپ ﷺ کے پیچھے کھڑا ہو گیا، آپ ﷺ نے اشارہ کر کے اپنے دائیں جانب کھڑا کر لیا، پھر ابن مسعودؓ آگئے، وہ بھی پہلے آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو گئے، لیکن آپ ﷺ نے انہیں بھی اشارہ کر کے اپنے بائیں طرف کھڑا کر لیا، اب ہم تینوں الگ الگ اپنی نمازیں پڑھ رہے تھے، اپنی اپنی نماز میں ہم قرآن بھی اپنی مرضی کے مطابق تلاوت کر رہے تھے، حضور ﷺ نے اس نماز میں ایک ہی آیت تمام رات تلاوت کی، صبح کو میں نے حضور ﷺ سے سوال کیا : حضور! آپ نے ایک ہی آیت کی تلاوت میں ساری رات ختم کر دی، آپ ﷺ تو پورے قرآن پر حاوی ہیں، ہم میں سے اگر کوئی ایسی بات کرتا تو ہم پر آپ خفا کا ظاہر فرماتے، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے وہ جواب ملا : اگر میں اسے ظاہر کر دوں تو اکثر نماز پڑھنا چھوڑ دیں، میں نے کہا : تو کیا میں لوگوں کو خوشخبری سنا دوں؟ میں چل پڑا، تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ حضرت عمرؓ آگئے اور یہ سارا واقعہ سن کر انہوں نے کہا : اگر آپ یہ خبر لوگوں کے پاس بھیجیں تو وہ اس پر بھروسہ کر کے عبادت کو ترک کر دیں گے، وہ آیت یہ تھی : ”إِنَّ تَعَذُّبَهُمْ فَأَنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ أَمْتُ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ“ (اے اللہ اگر آپ انہیں عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر انہیں معاف کر دیں تو آپ کی ذات غالب اور حکمت والی ہے)۔ (۱)

✽ حضرت عمر بن العاصؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر فرمایا : الہی میری امت کا کیا ہوگا؟ یہ کہہ کر آپ نے رونا شروع کر دیا، خدا کی طرف سے حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم ملا، جبریل جاؤ اور محمد سے پوچھو کیا بات ہے؟ خدا کو اگرچہ علم ہے لیکن جاؤ تم بھی پوچھ کر آؤ، جبریل علیہ السلام آئے اور سوال کیا : آپ نے فرمایا : میرا رب جانتا ہے کہ میں کیوں آہ و بکا کر رہا ہوں، جبریل! میں اپنی امت کے لیے رورہا ہوں، حضرت جبریل علیہ السلام واپس آگئے،

(۱) إِنَّكَ إِنْ تَبِعْتَ إِلَى النَّاسِ هَذَا فَكَانُوا عَنِ الْعِبَادَةِ (مسند احمد حدیث ابی ذر الغفاری حدیث ۲۱۴۹۵)

اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا : جاؤ اور محمد سے کہہ دو اے رسول ! ہم آپ کو آپ کی امت کی طرف سے خوش کر دیں گے، اور آپ کو تکلیف پہنچنے نہیں دیں گے۔ (۱)

ایک اور طویل حدیث میں حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور ﷺ گھر سے باہر نکلے، ہم نے سمجھا کہ آج حضور ﷺ قطعاً باہر نہیں آئیں گے، پھر ایک دفعہ حضور ﷺ کی روح قبض کر لی گئی، پھر آپ ﷺ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور فرمایا : مجھ سے میرے رب نے میری امت کے بارے میں مشورہ کیا کہ میں ان کے ساتھ کیا کروں؟ میں نے عرض کیا : میں کیا چاہوں گا اے میرے رب ! وہ آپ کی مخلوق ہیں اور آپ کے بندے ہیں، دوبارہ مجھ سے پوچھا، میں نے پھر وہی جواب دیا، پھر جواب میں فرمایا : اے محمد ! میں تم کو تمہاری امت کے بارے میں رسوا نہ کروں گا، قیامت کے دن جب حشر برپا ہوگا تو اس وقت بھی لوگوں کو آپ ﷺ کے سہارے کی ضرورت ہوگی، لوگ پریشان ہوں گے مختلف انبیاء کے پاس جائیں گے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں سفارش کریں، لیکن ہر نبی کہے گا کہ یہ میرے بس کی بات نہیں، پھر سب حضور ﷺ کی خدمت میں آئیں گے اور حضور ﷺ سے دریافت کریں گے، حضور ﷺ فرمائیں گے : میں یہ کام کروں گا، حضور ﷺ سجدہ میں گر جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا، محمد ! سر اٹھاؤ اور مانگو تمہیں عطا کیا جائے گا، حضور اپنی امت کی سفارش کریں گے اور آپ کی سفارش قبول کی جائے گی، سفارش کے بعد ہی حساب و کتاب کا آغاز ہوگا، شفاعت کی تفصیلی احادیث کتب حدیث میں مذکور ہیں (۲) یہاں تفصیل کا موقعہ نہیں ہے، مختصر یہ کہ انسانیت دنیا و آخرت دونوں عالموں میں آپ ﷺ کے سہارے کی محتاج ہے، آج انسانیت در در کی ٹھوکراسی لیے کھا رہی ہے کہ آسمانی ہدایت اور ربانی رہنمائی سے دور ہے سہارا ہے جب تک اسلام میں داخل ہو کر اپنے آپ کو دامن نبی ﷺ سے وابستہ نہیں کر لے گی دنیا میں تباہی اسی طرح دندناتی رہے گی۔

(۱) انا نرضیک فی امتک ولانسوءک (مسلم باب دعاء النبی □ حدیث ۲۰۲)

(۲) یا محمد ارفع رأسک سل تعطہ (ترمذی باب ما جاء فی الشفاعة حدیث ۲۴۳۴)

بے کسوں کی دستگیری اور اسوۂ رسولِ رحمت

مظلوموں کا مسیحا

لاکھوں درود و سلام ہو اس نبی رحمت پر جو اس دنیا میں بے کسوں، مجبوروں اور مظلوموں کا مسیحا بن کر آئے اور جن کی آمد نے انسانیت کے تن مردہ میں نئی روح پھونکی اور ظلم و جور کے ایوانوں میں زلزلے آئے، آپ کی آمد سے پہلے کمزوروں اور معاشرہ کے خستہ حال افراد کا کوئی پرسان حال نہیں تھا، طاقتوروں کا راج تھا کمزور مزید کمزور ہوتے جا رہے تھے، مظلوم ظلم کی چکی تلے خوب پے جا رہے تھے، معاشرہ کے سارے کمزور طبقات موت و حیات کی کشمکش سے دو چار تھے، خواتین کی حالت زار ناقابل بیان تھی، ان سے حق زندگی بھی چھین لیا جا رہا تھا شیر خوار بچیاں زندہ درگور کی جا رہی تھیں، خاندان کے بوڑھوں کا کوئی پرسان حال نہیں تھا، یتیموں کے ساتھ ان کے سر پرست انتہائی ظالمانہ سلوک روا رکھتے تھے، مسکینوں اور غریبوں کو دھتکارا جاتا تھا، ایسی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں فاران کی چوٹیوں سے وہ آفتاب عالم طلوع ہوا جس کی ضیاء پاشیوں سے ہر انسانی طبقہ مستفید ہوا، ظلم و جبر کی تاریکیاں چھٹ گئیں،

آپ نے اعلان فرمایا: ارحموا من فی الارض و رحمکم من فی السماء (تم اہل زمین پر رحم کرو آسمان والا (خدا) تم پر رحم کرے گا، نیز آپ نے یہ بھی اعلان فرمایا ”اللہ اس پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا“ انتہائی نہیں آپ نے اس شخص کو بد بخت قرار دیا کہ جس سے رحمت چھین لی جائے، آپ میں غریبوں سے الفت اور خلق خدا سے شفقت و رحمت اس قدر رچ بس گئی تھی کہ خدا نے آپ کا تعارف ان الفاظ میں فرمایا: لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤوف رحیم“ (۲) تمہارے پاس تم میں سے ایک رسول آئے ہیں تمہاری پریشانیاں ان پر گراں گذرتی ہے وہ تمہارے خیر خواہ ہیں اور رحم کرنے والے ہیں، آپ

کو مسکینوں سے اس قدر محبت تھی کہ اکثر یوں دعا فرماتے ”اللہم احییٰ مسکینا و توفیٰ مسکینا و احشرنی فی ذمۃ المساکین“ (اے اللہ مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ اور مسکینی میں موت دے اور میرا حشر مساکین کے ساتھ فرما، حضرت عائشہؓ نے جب اس کی وجہ دریافت فرمائی تو فرمایا مساکین اغنیاء سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے عائشہ! تو مسکین کو کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ دے مگر اسے خالی ہاتھ واپس نہ لو، اے عائشہؓ مسکینوں سے محبت کرتی رہا کرو اور انہیں اپنے قریب کر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تجھے قریب رکھے گا۔ (۱)

✽ ایک موقع پر آپ نے فرمایا تم مجھے اپنے کمزوروں میں تلاش کرو، تمہیں اپنے ضعیفہ کی بدولت روزی دی جاتی ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ (۲)

✽ آپ کی نگاہ میں غرباء اور معاشرہ کے کمزور افراد کی بے پناہ قدر تھی ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھ کر آپ ﷺ نے اپنے پاس بیٹھے ایک صاحب سے پوچھا کہ اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے، ان صاحب نے کہا یہ معزز لوگوں میں سے ہے، اس لائق ہے کہ اگر وہ نکاح کا پیغام دے تو اسے قبول کیا جائے اور سفارش کرے تو قبول کی جائے، سرکارِ دو عالم ﷺ خاموش رہے، کچھ دیر بعد ایک غریب آدمی کا گذر ہوا تو اس کے بارے میں ان کی رائے پوچھی تو وہ کہنے لگے یہ ایک فقیر مسلمان ہے جس سے کوئی نہ نکاح کرے گا اور نہ کوئی اس کی سفارش مانے گا اور نہ کوئی اس کی بات سنے گا، اس پر نبی رحمت ﷺ نے فرمایا یہ ایک ان جیسوں سے بھری دنیا سے بہتر ہے۔ (۳)

✽ آپ ہمیشہ غرباء کو اپنے ساتھ رکھتے تھے قریش کے لوگ غریبوں کے ساتھ آپ کے غیر معمولی رویہ کو دیکھ کر ناراض ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا ہم میں سے اللہ نے انہی پر احسان کیا ہے؟ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم ﷺ مسجد میں داخل

(۱) وقرہم فان اللہ یقریک یوم القیامۃ (ترمذی باب أن فقراء المهاجرین حدیث ۲۳۵۲)

(۲) أبغونی فی ضعیفکم (ترمذی باب ماجاء فی الخ حدیث ۱۷۰۹)

(۳) هذا خیر من ملء الأرض مثل هذا (بخاری باب فضل الفقر حدیث ۶۴۴۷)

ہوئے اور فقراء کے ساتھ بیٹھ گئے، آپ نے انہیں جنت کی بشارت سنائی تو خوشی سے ان کے چہرے کھل اٹھے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کہتے ہیں کہ مجھے یہ منظر دیکھ کر افسوس ہوا کہ میں اس میں نہ تھا۔ (۱)

✽ آپ کے لیے یہ بات ناقابل برداشت تھی کہ کوئی مسکین کو ذلیل کرے، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو کسی مسکین کو ذلیل کرتے دیکھا تو ان سے کہا کہ جو نیکی اور مدد ان کو حاصل ہوگی وہ انہی فقراء کا نتیجہ ہوگی اور وہ ان مساکین کے ممنون ہوں گے۔ (۲)

ماستحتوں کے ساتھ حسن سلوک

بے کس اور تنگ حال لوگوں میں ایک طبقہ یتیموں کا ہے، آپ ﷺ یتیموں کے ساتھ بڑی شفقت فرماتے تھے، اور اپنی امت کو یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرماتے تھے، ایک موقع پر آپ نے فرمایا: ”انا وكافل الیتیم كھاتین“ (۳) میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا قیامت کے دن اتنے قریب ہوں گے جیسی یہ دو انگلیاں ہیں۔

✽ خادموں اور ملازمین کے ساتھ بھی حد درجہ شفقت فرماتے تھے، حضرت معاویہ بن سوید کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ہم بنی مقرن کے پاس ایک ہی خادمہ تھی جس کو ہم میں سے کسی نے مارا جب رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے ان سے فرمایا اسے آزاد کر دو لوگوں نے بتایا کہ ان کے پاس صرف وہی خادمہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ جب تک کام ہے اس سے کام لیں ورنہ اسے آزاد کر دیں۔ (۴)

✽ حضرت ابو مسعود سے روایت ہے کہ میں نے کوڑوں سے اپنے غلام کو مارا تو پیچھے سے

(۱) فلقد رأیت ألوأھم اسفرت (سنن الدارمی باب فی نفس الخ حدیث ۳۰۵۳)

(۲) هل تنصرون وترزقون إلا بضعفائکم (بخاری باب من استعان بالضعفاء حدیث ۲۸۹۶)

(۳) بخاری باب فضل من یعول یتیم حدیث ۶۰۰۵

(۴) فلیستخدموها فاذا استغنوا عنها فلیخلوا سبیلها (مسلم باب حمۃ الممالیک حدیث ۱۶۵۸)

ایک آواز سنی، مڑ کر دیکھا تو رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ابو مسعود! یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ کو تم پر تمہارے غلام سے زیادہ قدرت حاصل ہے۔ (۱)

غلاموں کی بارے میں حسن سلوک کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ غلام تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کر دیا ہے تو جس کے پاس غلام بھائی ہو جو کھائے اس کو کھلائے اور جو پہنے اس کو پہنائے، اور اس کی سکت سے زیادہ اس سے کام نہ لے، اور اگر لے تو اس کی مدد کرے۔ (۲)

✽ معاشرہ کا ایک بے بس طبقہ بوڑھوں اور عمر رسیدہ افراد کا ہے، آپ نے ان کے تعلق سے احترام اور اکرام کا حکم دیا، اور فرمایا کہ جو بڑوں کا احترام ملحوظ نہ رکھے وہ ہم میں سے نہیں (۳) ایک روایت میں ہے کہ جو بڑی عمر والوں کے حقوق کو نہ جانے وہ ہم میں سے نہیں۔ (۴)

✽ یہ وہ خواتین کی بھی آپ خبر گیری فرماتے تھے اور لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے تھے، چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر حضرت سراقہ بن جشمؓ سے فرمایا کہ کیا تم کو بتلاؤں کہ سب سے بڑا صدقہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیں، آپ ﷺ نے فرمایا تم اپنی اس بیٹی کا خیال رکھو جو تمہارے پاس لوٹا دی گئی ہو اور تمہارے علاوہ کوئی اس کی نگہداشت کرنے والا نہ ہو۔ (۵)

اسی طرح ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا پیوہ اور مسکین کی نگہداشت کرنے والا (ان کے کام کرنے والا) ایسا ہے جیسے اللہ کے راستہ میں کوئی جہاد کرنا یا ایسا شخص جو دن کے روزے رکھتا ہے اور رات کو عبادت کرتا ہے۔ (۶)

✽ الغرض بے کموں بے بسوں اور خستہ حالوں کی دھگیری رسول اللہ ﷺ کا وصف خاص تھا

(۱) اللہ اقدر علیک منك علیہ (مسلم باب صحبة الممالیک حدیث: ۱۶۵۹)

(۲) فلیطعمہ مما یأکل ولیلبسه مما یلبس (بخاری باب قول النبی ﷺ العیید اخوانکم حدیث: ۲۵۴۵)

(۳) لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا (الأدب باب فضل الکبر المفرد حدیث: ۳۵۸)

(۴) لیس منا من لم یعرف حق کبیرنا وترحم صغیرنا (الأدب المفرد باب فضل الکبیر حدیث: ۳۵۵)

(۵) فلیستخدموها فاذا استغنوا عنها فلیخلوا سبیلها (مسلم باب صحبة الممالیک حدیث: ۱۶۵۸)

(۶) وکالذی یصوم النهار ویقوم اللیل (الأدب المفرد باب فضل من یعول یتیمًا له حدیث: ۱۳۱)

یہی وجہ ہے کہ جب پہلی وحی کے نزول کے بعد آپ اپنے گھر آئے اور اپنی پریشانی کا اظہار فرمایا تو آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا: واللہ لا یخزیک اللہ ابدًا انک لتصل الرحم تحمل کل و تقری الضیف و تعین علی نواب الحق (خدا آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا اسلئے کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں اور کمزوروں کا بوجھ اپنے سر لیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، بے کموں کی دھمگیری کرنے والے نبی کی امت کو بھی دنیا بھر کے ضعیفوں کمزوروں اور معاشرے کے پچھلے ہوئے طبقات کی دھمگیری کے لئے آگے بڑھنا چاہئے، ایسے عظیم المرتبت نبی سے نسبت رکھنے والے ہم مسلمان کا حال اس قدر گمراہ ہو گیا کہ پڑوسی کی تک خبر نہیں لیتے افراد خاندان میں بے شمار لوگ ہمارے تعاون کے محتاج ہیں لیکن ہم کبھی ان سے ہمدردی کے دو بول تک نہیں بولتے، آج ہمیں اپنے رسول کو اسوہ بنانے کی ضرورت ہے۔ الطاف حسین حالی نے کیا خوب کہا:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی برلانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرانے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماوی
یتیموں کا والی غلاموں کا مولی

دعوت حق اور اسوہ رسول ﷺ

دور حاضر میں امت مسلمہ جن حالات سے گزر رہی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہیں، ہر طلوع ہونے والا سورج ایک نئے فتنہ کے ساتھ طلوع ہوتا ہے، آئے دن نئے نئے چیلنجوں کا سامنا ہے، مشکلات و مسائل کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے، جس نے مسلمانوں کی کمر توڑ دی ہے، اخلاقی اور معاشرتی بگاڑ اس قدر جو پکڑ چکا ہے کہ مسلم سماج کی بنیادیں کھوکھلی ہو کر رہ گئی ہیں، مفاد پرستی، ہوس رانی، تعصب اور بغض و نفاق کے مرض نے ملت مرحومہ کے شیرازہ کو کچھیر کر رکھ دیا ہے، دنیا کے

جن جن خطوں میں مسلمان رہتے ہیں، انہیں مسائل کا سامنا ہے، ایک طرف مسلم اقلیتوں کی مشکلات ہیں اور دوسری جانب عالم اسلامی کی غیر یقینی صورت حال ہے، ان سب سے بڑھ کر خود ہمارے اندرونی مسائل کی نوعیت کچھ ایسی ہوگئی ہے کہ حل کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

ایسے نازک حالات میں امت مسلمہ کے لئے صرف ایک راستہ رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ مسلمان اس مقدس ہستی کی سیرت کی طرف رجوع کریں، جس کو خالق کائنات نے ساری انسانیت کے مسائل حل کرنے کے لئے دنیا میں بھیجا تھا اور ایک ایسے وقت میں جب کہ انسانی بدبختی اپنی انتہاء کو پہنچ چکی تھی، اور قریب تھا کہ خود کشی کر بیٹھے، محمد عربی ﷺ نے اس کی میٹھائی کی اور اس کو ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے بچا لیا، دور جاہلیت میں وہ کونسا مسئلہ تھا، جو انسانیت کا ناسور بننا تھا، مگر ۲۳ سال کے مختصر عرصہ میں اس عظیم المرتبت ہستی نے جو عظیم انقلاب برپا کئے، تاریخ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، زندگی کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں کہ محمد عربی ﷺ نے ربانی ہدایات اور اپنی سیرت کی روشنی میں جس کا حل نہ بتایا ہو، آج ایک بار پھر انسانیت دو جاہلیت کی طرف جارہی ہے، جس کو جاہلیت جدیدہ کا نام دیا جاسکتا ہے، جاہلی اطوار نبالبادہ اوڑھ کر سامنے آرہے ہیں، دور جاہلیت کی وہ کونسی سماجی، اخلاقی یا اجتماعی برائی ہے، جس کی ترقی یافتہ شکل آج کے معاشرے میں نہیں پائی جاتی، ایسے محمد عربی ﷺ کی سیرت سے عملی استفادہ ہی ہمیں سارے مسائل سے نجات دلا سکتا ہے۔

ﷺ رسول اکرم ﷺ کی سیرت ساری انسانیت کے لئے اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے ایک عظیم سرمایہ ہے، جس سے مسلمان بھرپور استفادہ کر سکتے ہیں اور اس کی روشنی میں اپنے مسائل کا حل تلاش کر سکتے ہیں، آپ کی سیرت دراصل ۲۳ سالہ زندگی کی طویل جدوجہد، دعوتی و اصلاحی تجربہ، تنظیمی صلاحیت، فہم و فراست اور عظیم قائدانہ کردار کا ایک حسین مرقع ہے، اس میں جلال بھی ہے اور جمال بھی، شان توکل کا عروج بھی ہے اور احوال و ظروف کا صحیح ادراک بھی، سپاہیانہ جفاکشی اور تزک و احتشام بھی ہے، اور راہبانہ زہد و سادگی بھی ہے، جلوت کا سوز و گداز بھی اور خلوت کے روح پرور مناظر بھی، اپنوں کے ایثار قربانی کے لازوال نقوش بھی ہیں اور دشمنوں کی عداوت کی تیز و تند آندھیاں بھی، عشق و محبت کے والہانہ جذبات بھی ہیں اور بغض و نفاق کی دہمکتی آگ بھی، مشکلات

و مصائب کے طوفان بھی ہیں اور فتوحات و کامرانی کی شاد کامیاں بھی، غرضیکہ پوری سیرت ایک مسلسل حرکت سراپا انقلاب، عمل پیہم، عزم جواں، جوش رواں، امنگوں اور ولولوں کی جیتی جاگتی تصویر ہے، لیکن مسلمانوں کی یہ شومئی قسمت ہے کہ وہ سیرت کے اس عظیم ذخیرہ سے کما حقہ استفادہ نہیں کرتے، سیرت نبوی ﷺ کے زندہ جاوید واقعات، عزم و حوصلہ سے بھرپور حالات اور ان سے ملنے والے حیات آفریں پیغام، کیا امت مسلمہ کو ہنسنے بھونکنے کے لئے کافی نہیں؟۔

ﷺ رسول اکرم ﷺ کی پوری زندگی داعیانہ جہد و جہد سے عبارت ہے، اعلان نبوت کے بعد سے وصال شریف تک کا عرصہ آپ کی دعوت کے مختلف مراحل کی عکاسی کرتا ہے، آپ کو ہمیشہ مخلوق خدا کو دوزخ کی راہ سے ہٹا کر جنت کی طرف لے آنے کی فکر رہتی تھی، اسی تڑپ اور بے چینی کو دیکھ کر پروردگار عالم آپ سے یوں مخاطب ہوا ”لگتا ہے کہ اگر وہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائیں تو آپ افسوس کے مارے ان کے پیچھے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے“ (۱) قرآن مجید میں آپ کو بار بار تسلی دی گئی کہ آپ ان کی حالت پر رنجیدہ نہ ہوں، چنانچہ ایک جگہ فرمایا ”آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر اللہ کی مدد سے ہوگا، اور ان پر غم نہ کھائیے اور ان کی سازشوں سے تنگ مت ہو جائیے“ (۲)

حضور ﷺ دعوت دین کی اس ذمہ داری کے سلسلے میں اس قدر متفکر رہتے تھے کہ آپ کے مصاحبین نے آپ کا علیہ بیان کرتے ہوئے کہا ”آپ کا کوئی لمحہ دعوتی فکر سے خالی نہ ہوتا، جب قرآن کریم کی یہ آیت کہ ”جو حکم تمہیں ملا ہے وہ لوگوں کو سنا دو اور مشرکوں کی کوئی پرواہ نہ کرو“ نازل ہوئی تو آپ نے مکہ کے مخالفانہ ماحول میں بلا خوف و خطر کفار مکہ کو دین کی دعوت دی، مکہ کی بت پرستانہ فضا میں کھلے عام توحید کا پیغام دینا کچھ آسان نہ تھا، آپ نے یہ نہیں سوچا کہ مخالفین کیا کچھ کر گزریں گے، بلکہ ڈنکے کی چوٹ پر توحید کا اعلان کیا، سورہ شعراء میں جب آپ کو یہ حکم ملا کہ ”اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں“ تو آپ نے یکے بعد دیگرے دو مرتبہ اپنے رشتہ داروں کو کھانے پر مدعو کیا اور آخر میں ان سے فرمایا ”جو دین تمہارے لئے لے کر آیا ہوں، اس میں تمہاری

دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی ہے، لہذا میری بات مانو اور اللہ کے دین کو قبول کرو اور میرا ساتھ دو۔ (۱)

دعوت حق کے باب میں نبی کا اسوۂ حسنہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے، دعوت آپ کی سیرت کا ایک ایسا وصف امتیازی ہے جو پوری ۲۳ سالہ زندگی پر حاوی ہے۔

(۱) ”فاسلموا تسلموا“ (المعجم الکبیر للطبرانی عبد اللہ، حدیث ۶۴۱۹)

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حسن اعتدال کی جھلکیاں

اس حسین و جمیل کائنات کو وجود بخشنے والے پروردگار نے اسے جن اصولوں پر قائم فرمایا ہے، ان میں ایک اہم ترین اصول ”توازن و اعتدال“ ہے، زمین و آسمان کی شکل میں پائی جانے والی دنیا اگر عالم اکبر ہے تو حضرت انسان کا وجود عالم اصغر ہے، اور یہ دونوں عالم خداوند قدوس کے حسن اعتدال کے مظہر ہیں، اعتدال کا ربانی اصول ”آفاق“ میں بھی کارفرما ہے، اور ”انفس“ میں بھی، اور یہی وہ اعتدال ہے جس کے بغیر نہ آفاق قائم رہ سکتے ہیں، اور نہ انفس، زمین ہو کہ آسمان، سورج ہو کہ چاند، سمندر ہوں کہ پہاڑ، حیوانات ہوں کہ نباتات، سب کو اللہ نے اعتدال کے ساتھ بنایا ہے۔ وخلق کل شیء وفقدرہ تقدیراً (۱) اس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر سب کا الگ اندازہ رکھا۔

عالم اکبر کا حیرت انگیز منظر

ذرا زمین پر غور تو کیجئے، حیرت انگیز توازن نظر آئے گا۔ زمین فضا میں لٹکی ہوئی گیند کی طرح ہے جو فی گھنٹہ ایک ہزار میل کے حساب سے گھوم رہی ہے، اور ۲۴ گھنٹے میں وہ اپنا ایک چکر پورا کر لیتی ہے، اور اگر اس کی فی گھنٹہ رفتار ایک ہزار میل کے بجائے دو سو میل ہو جائے تو ہمارے دن رات دس گھنٹہ بڑھ جائیں گے۔ اتنا ہی نہیں سورج کی گرمی سے ساری ہریالی جل کر بھسم ہو جائے گی، اور راتوں کی ٹھنڈک سے سارے درختوں اور سبزیوں کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔ اس طرح زمین اس وقت جتنی بڑی ہے، اگر اس سے دوگنی ہو جائے تو اس کی قوت کشش میں دو گنا اضافہ ہو جائے گا اور ہوا جو اس وقت زمین سے پانچ سو میل کی بلندی پر ہے، کھینچ کر بہت نیچے آجاتی، زمین اور سورج کے درمیان کا فاصلہ بھی اندازہ مقرر کرنے والے رب کے اعتدال کا مظہر ہے، اس پر تھوڑی بھی کمی بیشی زمین کو وجود کو خطرہ سے دوچار کر دینے کے لئے کافی ہے، زمین سے

سورج کا فاصلہ قریب نو کروڑ تیس لاکھ میل کا ہے، اس پر سورج کی گرمی بارہ ہزار ڈگری فارن ہائٹ ہے، یہ ایک حیرت انگیز توازن ہے، زمین سے سورج کا یہ فاصلہ تھوڑا کم یا زیادہ ہو جائے تو زمین کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔

زمین کے اوپر کی فضا دراصل چھ گیسوں کے مجموعہ کا نام ہے، جس میں ۸ فیصد نائٹروجن ۲۱ فیصد آکسیجن اور دیگر گیسوں کا مجموعہ مقدار میں ہیں، یہ خدائے غالب کا ٹھہرایا ہوا اندازہ ہے، اگر گیسوں کے اس تناسب میں کمی بیشی ہو جائے تو حضرت انسان کھلنے سانس لینا مشکل ہو جائے۔ زمین ۳۳ درجہ کا زاویہ بنائی ہوئی فضا میں جھکی ہوئی ہے، یہی وہ جھکاؤ ہے جو ہر وقت موسموں کی آمد کا سبب بنتا ہے، اور اس کے سبب زمین کا بیشتر حصہ آبادی اور پیداوار کے لائق ہے، اگر زمین میں یہ مناسب جھکاؤ نہ ہو تو قطبین پر ہمیشہ اندھیرا چھا جائے، سمندر کے بخارات شمال و جنوب کی طرف چلے جائیں، پھر زمین یا تو برف کے ڈھیر میں تبدیل ہو جائے، یا پوری طرح بنجر اور صحراء ہو جائے۔

عالم اصغر کا تعجب خیز منظر

یہ تو عالم اکبر (کائنات) کی بات تھی، اب عالم اصغر (حضرت انسان) کی طرف آئیے، یہاں بھی پیدا کرنے والے پروردگار کا حد درجہ اعتدال نظر آئے گا۔ سر سے لے کر پیر تک پورے انسانی وجود میں ایک انتہائی معتدل نظام کار فرما ہے، دماغ کو لیجئے، جس میں ایک ہزار ملین عصبی خانے ہیں، ان خانوں سے انتہائی باریک تار نکل کر پورے بدن میں پھیلے ہوئے ہیں، یہ باریک تار فی گھنٹہ ستر ہزار میل کی رفتار سے پیغام بھیجتے اور وصول کرتے ہیں، اسی طرح زبان میں تین ہزار ذائقہ خانے ہیں جن میں سے ہر ایک خانہ ایک باریک ریشے کے توسط سے دماغ سے جڑا ہوا ہے، جن سے انسان ہر قسم کے ذائقوں کو محسوس کرتا ہے، کان میں ایک لاکھ سننے والے خانے ہیں، اور آنکھ میں ایک سو تیس ملین receptoblight ہیں جو کچھ ہم دیکھتے ہیں، اس کی تصویر دماغ کو ترسیل کرتے ہیں، خدائے بزرگ و برتر نے آفاق انفس کے سارے نظام کو اعتدال پر قائم رکھا ہے۔ کائنات کا کوئی نظام اعتدال سے ہٹا ہوا نہیں ہے۔ ہر جگہ توازن و اعتدال کا ظہور ہے، اور

اس پر کائنات ارض و سما کی بقاء ہے، اس سلسلہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کا یہ اقتباس نہایت چشم کشا ہے۔
مولانا لکھتے ہیں:

وجود کیا ہے؟ حکیم کیا بتلاتا ہے کہ عناصر کی ترکیب کا اعتدال ہے، اگر اس کی اعتدالی حالت میں ذرا بھی فتور واقع ہو جائے، وجود کی نمود محروم ہو جائے، جسم کیا ہے؟ جسمانی مواد کی ایک خاص اعتدالی حالت ہے، اگر اس کا کوئی ایک جز بھی غیر معتدل ہو جائے، جسم کی ہیئت ختم ہو گئی، حسن و جمال کیا ہے؟ تناسب و اعتدال کی ایک کیفیت ہے، اگر انسان میں ہے تو خوبصورت انسان ہے، نباتات میں ہے تو پھول ہے، عمارت میں ہے تو تاج محل ہے، نغمہ کی حلاوت کیا ہے؟ سروں کی ترکیب کا تناسب و اعتدال اگر ایک سر بھی بے میل ہوا، نغمے کی کیفیت جاتی رہی، پھر یہ کچھ اشیاء و اجسام ہی پر موقوف نہیں کارخانہ ہستی کا تمام نظام ہی عدل و توازن پر قائم ہے، اگر ایک لمحہ کے لئے یہ حقیقت غیر موجود ہو جائے تو تمام نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کے نظام کو اعتدال کی مضبوط و مستحکم بنیادوں پر قائم فرمایا ہے، اسی طرح انسانیت کی کامیابی کے ضامن دین اسلام اور اسلام کی تعلیمات کو بھی اعتدال سے متصف فرمایا ہے اور پیغمبر اسلام کی سیرت اور آپ کے اسوہ کو ایسی معتدل و متوازن سیرت بنایا کہ اس کا ہر گوشہ توازن و اعتدال کا عظیم شاہکار ہے۔ آپ کی سیرت و تعلیمات میں جس حیرت انگیز قسم کا اعتدال پایا جاتا ہے، وہ ایک اولوالعزم پیغمبر ہی کی شان ہو سکتی ہے، دیگر انسانوں میں اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

بے اعتدالی کے نقصانات

جس طرح غذا اور دوا میں بے اعتدالی آدمی کے جسم کو ہلاکت و تباہی کے دہانے پر پہونچا دیتی ہے، اسی طرح دین میں بے اعتدالی اور عدم توازن کے ساتھ آدمی دیر تک اپنے معمول پر قائم نہیں رہ سکتا، بے اعتدالی انسان استقامت سے محروم ہو جاتا ہے، اس سے اس کے دوست و احباب اور عزیز و اقارب بھی متنفر ہو جاتے ہیں، ایسے لوگ عموماً محبت و نفرت میں حد

اعتدال سے تجاوز کرنے کے سبب شدید گمراہی کا شکار ہو جاتے ہیں، پچھلی قوموں کی گمراہی کا ایک سبب ان کی بے اعتدالی تھی، بعضوں نے تعظیم میں غلو کیا، تو بعضوں نے نبیوں کو خدا بنا ڈالا۔ اس لئے نبی رحمت ﷺ نے اپنی امت کو دین میں غلو کرنے سے سختی سے منع فرمایا۔ ارشاد نبوی ہے۔ دین کے معاملہ میں افراط و غلو سے بچتے رہو، تم سے پہلی امتوں کو اس افراط و غلو نے ہلاک کیا۔ (۱) بقول مولانا آزاد کے:

”دنیا میں جس وقت سے نوع انسانی آباد ہوئی ہے، ہمیشہ گمراہی کے یہی دو بھیس رہے ہیں، یا افراط بغض لوگوں کو گمراہ کیا یا افراط محبت نے، لیکن اہل حق صراط مستقیم ان دونوں سے الگ ہے۔“ (۲)

اسوۂ رسول اعتدال کا شاہکار

دین اسلام چونکہ آخری دین ہے، اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم آخری پیغمبر ہیں، اس دین کے بعد کوئی دین ہے اور نہ ہی آخری رسول کے بعد کوئی نبی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے نبی کے اسوہ کو اور شریعت اسلام کو صفت اعتدال سے متصف فرمایا، سیرت رسول کے مختلف گوشوں کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے کسی بھی موقع پر اعتدال کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ محبت ہو کہ نفرت، عقائد ہوں کہ عبادات، معیشت ہو کہ معاشرت، سیاسی امور ہوں کہ سماجی معاملات، غیروں سے روابط ہوں کہ اپنوں سے تعلقات، زندگی کے ہر شعبہ میں اعتدال سے سرمو انحراف نہیں کیا، نہ صرف یہ کہ خود جادہ اعتدال پر قائم رہے بلکہ حضرات صحابہ کرام کی ہر وقت نگرانی فرماتے رہے کہ کہیں افراط و تفریط کا شکار نہ ہو جائیں، جہاں کہیں بے اعتدالی کے آثار نظر آتے، فوراً اس کی بیخ کنی فرمائی، بطور ذیل میں سیرت و تعلیمات رسول میں اعتدال کو کس قدر ملحوظ رکھا گیا ہے، اس کی چند جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں، تاکہ اس بات کا اندازہ ہو جائے کہ اعتدال سیرت رسول کا ایک ایسا امتیاز ہے جو حیات رسول کے ہر گوشہ میں جلوہ گر نظر آتا ہے۔

احادیث میں لفظ اعتدال

ذخیرہ احادیث میں اعتدال اور اس سے مشتق الفاظ بکثرت پائے جاتے ہیں، بالخصوص نماز کے باب میں اس کا خوب استعمال ہے، چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے۔ ”اعتدلوا فی السجود وفی الركوع“ (۱) سجود اور رکوع میں معتدل رہو۔

مسند احمد کی ایک روایت میں یوں ہے ”اعتدلوا فی الصلوة“ (۲) (ابوداؤد میں ہے ”تراصوا واعتدلوا“ (۳) صفوں میں جم کر اعتدال ملحوظ رکھو، سنن ترمذی کی ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں ”اذا سجد احدکم فلیعتدل“ (۴) کوئی سجدہ میں جائے تواعتدال ضروری ہے، ابن ماجہ کی روایت میں بنی اسرائیل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

”لم یزل امر بنی اسرائیل معتدلاً حتی نشأ فیہم المولدون“ (۵) بنی اسرائیل کا معاملہ اعتدال پر ہی تھا، یہاں تک کہ اس میں ایک نئی نسل پیدا ہوگئی، بطور نمونہ صرف چند احادیث کا نمونہ دیا گیا ہے، اس قسم کی ساری احادیث کا احاطہ مقصود نہیں۔

روحانیت و مادیت میں اعتدال

انسان دو چیزوں کا مجموعہ ہے، ایک جسم دوسری روح، ان دونوں میں سے ہر ایک کے تقاضے ایک دوسرے سے مختلف ہیں، جسم کو مادی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، جبکہ روح، روحانی غذا کی متقاضی ہے، ان دونوں کی اپنی اہمیت ہے، تعلیمات رسول ﷺ میں ان دونوں کے درمیان حسین اعتدال کو برقرار رکھا گیا ہے، ان دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے پر غالب

(۱) بخاری باب لا یفتش ذراعیہ فی السجود حدیث ۸۲۲

(۲) مسند احمد مسند انس بن مالک حدیث ۱۳۸۹۷

(۳) مسند احمد، مسند انس بن مالک حدیث ۱۲۲۵۵

(۴) ترمذی باب ماجاء فی الاعتدال فی السجود حدیث ۲۷۵

(۵) ابن ماجہ باب اجتناب الرأی والقیاس ۵۶۱:

کرنا بے اعتدالی کہلاتی ہے اور انسان صرف جسم کے تقاضوں کی تکمیل میں لگ جائے تو وہ جانوروں سے بدتر ہو جاتا ہے جس کی ”اولئک کالانعام بل ہم اضل“ سے تصویر کشی کی گئی ہے، اسی طرح جسم کو بالکلیہ نظر انداز کر دینے سے وہ کمزور اور لاغر ہو جاتا ہے، جس سے دنیوی زندگی مشکل ہو جاتی ہے، عبادت انسان کے روحانی تقاضوں کی تکمیل کرتی ہے جبکہ مادی ضروریات سے جسمانی تقاضے پورے ہوتے ہیں، جسمانی تقاضوں کو نظر انداز کر کے صرف روحانی تقاضوں میں لگے رہنے والے بھی اعتدال سے ہٹے ہوتے ہیں، آپ ﷺ نے اپنے چند صحابہؓ میں بے اعتدالی کو محسوس کیا تو فوری طور پر ان کی اصلاح فرمائی۔ کتب حدیث میں ان تین صحابہ کا ذکر ہے، جنہوں نے ازواج مطہرات سے نبی ﷺ کے رات کے معمولات معلوم کئے اور انہیں کم سمجھا اور یہ خیال کیا کہ آپ تو بخشنے بخشنے ہیں، آپ کے لئے اتنی مقدار کافی ہے، ہم گناہ گار ہیں، ہمیں بہت زیادہ عبادت کا اہتمام کرنا چاہئے۔ چنانچہ ایک نے رات بھر نہ سونے اور تہجد میں گزارنے کا ارادہ کر لیا۔ دوسرے نے عورتوں سے کنارہ کش رہنے اور نکاح نہ کرنے کا عہد کیا جبکہ تیسرے نے بغیر وقفہ کے مسلسل روزہ رکھنے کا تہیہ کر لیا جب اس کی اطلاع آپ ﷺ کو ہوئی تو آپ ﷺ نے انہیں ڈانٹا اور کہا کہ میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں مگر اس کے باوجود میں اپنی فطری ضرورتیں بھی پوری کرتا ہوں، رات کو سوتا بھی ہوں اور عبادت بھی کرتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں، اور ترک بھی کرتا ہوں، اور نکاح بھی کرتا ہوں، اور یہی میرا طریقہ ہے، اور جو میرے طریقہ سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں۔ (۱) آپ نے ان صحابہ کو تاکید فرمائی کہ تم پر تمہارے نفس کا حق ہے تمہارے اہل و عیال کا بھی حق ہے۔

عبادات میں اعتدال

عبادت انسانی زندگی کا مقصد اور اس کا اہم شعبہ ہے، قرآن و حدیث اور سیرت رسول میں نماز روزہ، زکوٰۃ حج اور دیگر عبادات کے بڑے فضائل بیان کئے گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ عبادات میں فرائض و واجبات کے علاوہ نوافل و سنن کا بھی اہتمام فرماتے تھے۔ لیکن چونکہ اکثر

(۱) غزالی أُنَامُ وَأَفْطِرُ وَأَصُومُ وَأُصَلِّي (مجمع الزوائد باب حق المرأة على الزوج حدیث ۷۶۱۰)

بے اعتدالی عبادت کے راستے سے آتی ہے، اس لئے آپ ہمیشہ صحابہ کے معمولات پر نظر رکھا کرتے تھے اور نفل عبادت میں ایسی عبادت سے منع فرماتے تھے جس سے دوسری ذمہ داریوں کی ادائیگی میں خلل واقع ہو سکتا ہے

✽ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کو بعض صحابہ کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ عبادت میں بہت زیادہ مشقت اٹھاتے ہیں، تو آپ نے فرمایا، یہ عبادت کا نشہ اور اس کی شدت ہے، ہر نشہ میں ایک شدت ہوتی ہے، اور ہر شدت میں ایک بہاؤ ہے، جب بہاؤ میانہ روی میں رہے تو وہ بہت ٹھیک ہے، اور اگر گھٹنا ہوں کی طرف اس کا رخ ہو جائے تو وہی ہلاکت و بربادی ہے۔ (۱)

✽ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی رحمت ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک رسی دو ستونوں کے درمیان بندھی ہوئی ہے، آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ یہ رسی کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ ام المؤمنین حضرت زینبؓ کی رسی ہے، جب وہ عبادت کرتے کرتے تھک جاتی ہیں تو اس کے ساتھ لٹک جاتی ہیں، تاکہ سستی دور ہو جائے، نبی رحمت ﷺ نے فرمایا اے کھول دو، پھر فرمایا تم میں سے ہر کسی کو چاہئے کہ وہ اس وقت تک (نفل) نماز پڑھے جب تک سرور و انبساط، فرحت و شادمانی محسوس کرے، سستی محسوس کرے تو سو جائے۔ (۲)

✽ ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کو نماز پڑھتے ہوئے اونگھ آجائے تو اسے سو جانا چاہئے، تاکہ اس کی نیند ختم ہو جائے، اس لئے کہ جب وہ اونگھتے ہوئے نماز پڑھے گا تو اسے احساس نہیں ہوگا کہ وہ اپنے لئے مغفرت مانگ رہا ہے یا بددعا کر رہا ہے۔ (۳)

✽ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے پاس ایک خاتون بیٹھی ہوئی تھیں کہ اتنے میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ نے خاتون کے متعلق دریافت فرمایا، حضرت عائشہؓ نے بتایا کہ یہ فلاں خاتون ہے، جس کی کثرت سے نماز پڑھنے کا لوگوں میں چرچا ہے، آپ نے فرمایا بس کرو تم

(۱) ومن كان فترته الى غير ذلك فقد هلك (مسند احمد اول مسند عبداللہ بن عمر حدیث ۶۴۷۸)

(۲) ليصل احدكم نشاطه فاذا فتر فليقعد (بخاری باب حدیث ۱۱۵۰)

(۳) إذا صلى وهو ناعس لا يدري لعله يستغفر فيسب نفسه (بخاری باب الوضوء من النوم حدیث ۲۱۲)

لوگ ایسے عمل کو لازم پکڑو، جس کی طاقت رکھتے ہو، قسم خدا کی اللہ نہیں اکتاتا یہاں تک کہ تم خود ہی اکتا جاؤ۔ (۱)

عبادات میں اعتدال کے تعلق سے نبی رحمت ﷺ کی تعلیمات میں کچھ بنیادی اصول ہیں جن کو ملحوظ رکھنے سے ہر قسم کی بے اعتدالی سے بچا جاسکتا ہے، مثلاً یہ کہ فرائض و واجبات اور سنن مؤکدہ کے بعد نوافل میں کثرت اس حد تک ہو کہ انسان کے دیگر مادی و جسمانی تقاضوں پر ظلم نہ ہو، اور حقوق العباد کی ادائیگی متاثر نہ ہو، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ جو بہت زیادہ نفل عبادت کا اہتمام فرماتے تھے، آپ ﷺ نے ان کی کیفیت کو دیکھ کر فرمایا:

”ان لجسدک علیک حقا وان لعینک علیک حقا وان لزوجک علیک حقا وان لزوجک علیک حقا“ (۲)

یعنی تم پر تمہارے جسم کا بھی حق ہے، تمہاری آنکھوں کا بھی حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی حق ہے، تمہارے مہمان کا بھی حق ہے۔

❦ اسی طرح عبادات میں اعتدال کا دوسرا بنیادی اصول یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اجر و ثواب کے دائرہ کو عبادت ہی تک محدود نہیں رکھا بلکہ شریعت اسلامی کی رو سے انسانی زندگی کا کوئی شعبہ اجر و ثواب سے خالی نہیں، زندگی کی وہ بہت سی مشغولیات جنہیں آدمی دنیوی مصروفیات سمجھتا ہے، نیت کے احتضار سے سراسر ثواب بن جاتی ہیں، ایک مسلمان کو کھانے، پینے، سونے جاگنے، تجارت و معیشت حتیٰ کہ قضائے حاجت پر ثواب ملتا ہے، جب وہ یہ سارے کام سنت نبوی کے مطابق انجام دیتا ہے، حضرت معاذ بن جبلؓ نے یمن میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے گھنگو کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ مجھے تیرے سونے میں بھی اس طرح ثواب کی امید ہے جس طرح قیام لیل اور تہجد میں ہوتی ہے۔ (۳)

(۱) فواللہ لا یمل اللہ حتی تملوا (بخاری باب أحب الدین إلى اللہ آدمہ، حدیث ۴۳)

(۲) البخاری باب حق الجسم فی الصوم حدیث: ۱۹۷۵

(۳) فاحتسب نومتی کما احتسب قومتی (بخاری حدیث ۴۳۴۱)

ﷺ نے یہاں تک فرمایا کہ بیوی کے منہ میں محبت سے ایک لقمہ رکھنا بھی ثواب ہے، بلکہ بیوی سے اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کرنا بھی ثواب ہے، صحابہؓ نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ ایک شخص بیوی سے اپنی خواہش کی تکمیل کرتا ہے تو کیوں ثواب کا مستحق ٹھہراتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا بتاؤ اگر وہ شخص ناجائز طریقے سے اپنی خواہش پوری کرتا تو گنہگار نہیں ہوگا؟ صحابہؓ نے کہا ہاں کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا اسی طرح اگر وہ جائز طریقے سے خواہش پوری کرے، اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔ (۱)

ﷺ عبادات میں اعتدال کا تیسرا اصول یہ ہے کہ اسلام ہر عبادت میں دوام و ثبات کا تقاضہ کرتا ہے، اور یہ اعتدال کے بغیر ممکن نہیں جو لوگ جوش میں ڈھیر سارے نوافل کا آغاز کر دیتے ہیں، وہ کچھ ہی دنوں بعد تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں، نبی رحمت ﷺ کا ارشاد ہے۔ ”احب الاعمال اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُهَا وَانْ قَلَّ“ (۲)

ﷺ اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جو دوام کے ساتھ کیا جائے، اگرچہ کہ کمیت کے اعتبار سے کم ہی کیوں نہ ہو، نفل عبادات جب تک دائرۂ اعتدال میں نہ ہوں گی ان پر دوام ممکن نہیں، اسی اصول کی بنیاد پر نبی رحمت ﷺ کثرت عبادات کے خواہشمند صحابہؓ پر روک لگایا کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمر بن عاصؓ بڑے عبادت گزار صحابی تھے، آپ نے ان سے فرمایا کہ ہر مہینے میں تین نفلی روزے رکھ لیا کرو، انہوں نے کہا فرمایا کہ میں اپنے اندر اس سے زیادہ کی قوت پاتا ہوں، آپ نے فرمایا ٹھیک ہے، ہر تین دن میں ایک روزہ رکھ لیا کرو، اس پر انہوں نے فرمایا میرے اندر اس سے زیادہ کی استطاعت ہے، آپ نے فرمایا ایک ناغہ کرو، ایک دن روزہ رکھ لیا کرو۔ (۳)

تلاوت قرآن کے تعلق سے آپ نے انہیں اسی طرح کی رہنمائی فرمائی، اعتدال اس لئے

(۱) فَكَذَلِكَ إِذَا وَضَعَهَا فِي الْحَلَالِ كَانَ لَهُ أَجْرًا (مسلم حدیث ۱۰۰۶۱)

(۲) بخاری باب القصد والمداومة علی العمل حدیث: ۶۴۶۵

(۳) وصیام یوم وافتطار یوم (بخاری باب فی کم یقرأ القرآن حدیث ۵۰۵۲)

بھی ضروری ہے کہ آدمی کا مزاج ہر وقت ایک طرح نہیں ہوتا، کبھی خوف و خشیت کا غلبہ ہوتا ہے، تو اس پر کثرت عبادت کا غلبہ ہوتا ہے، اور جب اس کیفیت میں کمی آتی ہے تو اس سے کوتاہی ہو سکتی ہے۔ ایسے میں صحیح طرز عمل یہ ہے کہ اتنی مقدار اپنائی جائے جس پر ہر حال میں دوام ممکن ہو۔

دین و دنیا میں اعتدال

پچھلی قوموں کی گمراہی میں جس چیز نے بنیادی کردار ادا کیا تھا، وہ دین و دنیا کے متعلق ان کی غیر معتدلانہ فکرتھی، انہوں نے دین و دنیا کو دو متضاد میدان تصور کر لیا جنہیں ایک ساتھ لے چلنا ممکن نہیں، ان کے یہاں دین کا مطلب ترک دنیا اور رہبانیت تھا، لیکن سلام ہو نبی آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ انہوں نے اپنی مبارک تعلیمات اور پاکیزہ اسوہ کے ذریعہ دونوں کے درمیان حسین اعتدال قائم فرمایا۔ آپ نے دونوں کو ایک دوسرے کے لئے معاون قرار دیا۔ دین و دنیا کے درمیان حسین تناسب و توازن کا اندازہ آپ کے اس ارشاد سے ہوتا ہے جس میں آپ نے دنیا کو آخرت کی ٹھیکتی قرار دیا۔ ”الدنيا مزرعة الآخرة“ (۱)

دنیا کا آخرت کے ساتھ وہی تعلق ہے جو کھیت کا پیداوار کے ساتھ ہے، کھیت کے بغیر پیداوار نہیں ہو سکتی، اور اگر پیداوار نہ ہو تو کھیت بے مصرف ہو جاتا ہے، احادیث مبارکہ کی روشنی میں دنیا دار العمل ہے، اور آخرت دار الجزاء۔ مذہب انسان کو ترک دنیا کی تلقین نہیں کرتا، بلکہ دنیا کو جہد و عمل کا میدان بناتا ہے، رسول اللہ ﷺ کی گھریلو زندگی دین و دنیا میں حسن اعتدال کا اعلیٰ نمونہ تھی، ازواج مطہرات فرماتی ہیں کہ آپ جب گھر میں تشریف لاتے تو اس طرح گھل مل جاتے کہ جیسے ہم سب ایک ہیں، الگ تھلگ ہو کر نہیں بیٹھتے تھے، گھریلو مسائل میں پوری دلچسپی لیتے تھے، اہل خانہ کی خوشی و غم میں شریک رہتے تھے حتیٰ کہ بعض کاموں میں ازواج مطہرات کا ہاتھ بٹاتے تھے لیکن جوں ہی اذان ہوتی، تو آپ اس طرح ہم سے الگ ہوتے جیسے ہم سے کوئی تعلق ہی نہ ہو، آپ نے اپنے صحابہ کو بھی اسی اعتدال کی تعلیم دی تھی، چنانچہ صحابہ بھی اپنے ساتھیوں میں کوئی بے اعتدالی

(۱) المقاصد الحسنة حرف الدال حدیث ۷۹۷: دار الكتاب العربی بیروت

دیکھتے تو اس کی اصلاح فرماتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمانؓ، اور حضرت ابو درداءؓ میں بھائی چارہ کرادیا تھا۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت سلمانؓ حضرت ابو درداءؓ کے گھر پہنچے دیکھا کہ ان کی بیوی ام درداء پھٹے پرانے کپڑے پہنے تھی، پوچھا بہن! تم نے ایسا حال کیوں بنا رکھا ہے؟ کہنے لگیں، تمہارے بھائی ابو درداءؓ کو اس دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں۔ (میں بناؤ سنگاریوں کروں) اتنے میں حضرت ابو درداءؓ تشریف لائے، حضرت سلمانؓ نے انہیں کھانا پیش کیا۔ انہوں نے کہا میں روزہ سے ہوں، نہیں کھا سکتا، حضرت سلمانؓ نے کہا تم نہیں کھاؤ گے تو میں بھی نہیں کھاؤں گا۔ اس پر انہوں نے کھانا کھالیا، جب رات ہوئی، تو ابو درداءؓ نماز کے لئے تیار کھڑے تھے، سلمانؓ نے کہا ابھی نہیں جاؤ سو جاؤ، کچھ دیر میں وہ دوبارہ نماز کی تیار کرنے لگے، حضرت سلمانؓ نے کہا جاؤ سو رہو وہ سو گئے، جب فجر کا وقت ہوا، تو دونوں نے نماز پڑھی اس کے بعد سلمانؓ اپنے منہ بولے بھائی سے کہا، تم پر اپنے نفس کا حق ہے، اپنے پروردگار کا حق ہے، اپنے مہمان کا حق ہے، اپنے اہل و عیال کا حق ہے، ہر حقدار کو اس کا حق دیتے رہو، پھر دونوں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا سلمانؓ نے ٹھیک کیا۔ (۱)

محبت و نفرت میں اعتدال

محبت و نفرت انسان پر طاری ہونے والے دو ایسے حالات ہیں جن میں اکثر لوگ جادہ اعتدال سے ہٹ جاتے ہیں، اول تو محبت و نفرت کی بنیاد ذاتی مفاد کے بجائے ذات خدا و رسول ہونا چاہئے، جو اللہ کے یہاں محبوب ہوں، وہ ہمارے نزدیک محبوب ہیں، اور جو خدا کے یہاں مبغوض ہوں، وہ ہمارے لئے ناپسندیدہ ہیں۔ عام حالات میں کسی سے بھی محبت و نفرت کا مسئلہ درپیش ہو، اس میں حد اعتدال سے نہیں نکلنا چاہئے، اس سلسلہ میں آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے، دوست سے محبت اعتدال کی حد میں رکھو، کسی دن وہ تمہارا دشمن بن سکتا ہے، اسی طرح دشمن سے نفرت میں حد سے آگے نہ بڑھو، کبھی وہ تمہارا دوست بن سکتا ہے۔ (۲) علاوہ ازیں اولاد سے

(۱) فقال له: صدق سليمان (ترمذی باب، حدیث ۲۱۳۳)

(۲) باب ما جاء في الاقتصاد في الحب والبغض حدیث ۱۹۹۷

محبت میں بھی اعتدال ضروری ہے، ایسا نہ ہو کہ اہل وعیال کی محبت میں آدمی ان کے ناجائز خواہشات کی تکمیل کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ ازواج مطہرات سے بے پناہ محبت کرتے تھے، لیکن کوئی خلاف شرع بات پیش آتی تو فوراً تنبیہ فرماتے، اور ناگواری کا اظہار فرماتے، ایک مرتبہ کسی زوجہ نے دوسرے کے حق میں کوئی بات کہی، آپ نے فرمایا تم نے ایسی بات کہہ دی کہ اگر اسے سمندر میں ڈال دیا جائے تو سارا سمندر کڑوا ہو جائے، حضرات صحابہؓ کے ساتھ بے پناہ محبت کے باوجود غلطیوں پر فوراً گرفت فرماتے تھے، کتب سیرت میں اسکے بے شمار نمونے ملتے ہیں، حضرت اسامہؓ نے ایک خاتون کی چوری کے معاملہ میں حضور ﷺ سے سفارش کی، تو آپ سخت ناراض ہو گئے، فرمایا: اسامہ! تم اللہ کی ایک حد کے نفاذ کے مسئلے میں سفارش کرنے آئے ہو، خدا کی قسم فاطمہ بنت محمد سے چوری کا جرم صادر ہو جائے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا، (حضرت اسامہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی چہیتے تھے لیکن آپ نے اس کی پرواہ نہیں کی، کم سن پیارے نواسوں کی تربیت میں بھی دریغ نہیں کرتے تھے، حضرت حسن یا حسین شیر خوار بچے نے گھر میں پڑی زکوٰۃ کی کھجور کو منہ میں ڈال لیا، حضور ﷺ نے فوراً کہا حسین! کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم اہل بیت کے لئے زکوٰۃ و صدقات کا مال جائز نہیں۔ (۲) اتنا ہی نہیں آپ نے خود اپنے ساتھ محبت و عقیدت میں غلو کرنے سے منع فرمایا، چنانچہ ایک موقع پر آپ نے فرمایا۔

لا تطرونی کما اطرت النصارى عیسی ابن مریم فانى انا عبده ولكن قولوا عبد الله ورسوله۔ (۳)

تم میری تعریف میں مبالغہ نہ کرو، جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی تعریف میں مبالغہ کیا تھا، میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں، لہذا تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

معاملات اور لین دین میں اعتدال

قرض اور لین دین کے معاملات میں بھی آپ نے اعتدال کی تعلیم دی۔ ایک طرف آپ نے

(۱) لو كانت فاطمة بنت محمد لقطع يدها (سنن النسائي: ما يكون حرز او مالا يكون حديث ۳۸۹۱:)

(۲) أما شعرت اني لافا كل الصدقة (بخاری باب ما يذکر الصدقة حديث ۱۳۹۱:)

(۳) بخاری باب قول الله واذكر في الكتاب مریم حديث ۳۳۴۵:

لوگوں میں ہمدردی و خیر خواہی کا جذبہ ابھارا، اور محتاجوں کو قرض دینے کی ترغیب دی، دوسری طرف خود آپ کا یہ عمل تھا کہ قرض سے پناہ مانگا کرتے تھے: ”اللهم انی اعوذ بک من المائم ومن المعزم“^(۱)

اے اللہ میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ مانگتا ہوں، قرض کی ادائیگی کے معاملہ میں بھی اعتدال کو ملحوظ رکھا، ایک طرف قرض خواہ کو یہ تعلیم دی کہ اگر قرض خواہ تنگ دست ہے تو اسے مہلت دیا کرو، دوسری طرف خوشحال لوگوں کو قرض کی فوری ادائیگی کی تلقین فرمائی، اور فرمایا کہ مالدار کا ٹال مٹول کرنا قلم ہے۔^(۲) ایک دن بدو آیا جس کے کچھ کچے فحور حضور ﷺ کے ذمے تھے، اس نے بدویانہ انداز میں نہایت سختی سے گفتگو کی، صحابہ نے اس گفتگو پر اس کو ڈانٹا اور کہا تجھے خبر ہے کہ کس سے کلام کر رہا ہے، بولا میں اپنا قرض مانگ رہا ہوں، نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا تم لوگوں کو اس کا ساتھ دینا چاہئے کیونکہ یہ اس کا حق ہے، پھر صحابہ کرام کو اس کا قرض ادا کرنے کا حکم دیا اور زیادہ دلوا یا۔^(۳)

(۱) اثبات عذاب القبر للبيهقي باب استعاذة النبي ﷺ دار الفرقان عمان ۱۲۰/۱

(۲) ”مطل الغنى ظلم“ (بخاری باب الحوائج مدیث ۲۲۸۷)

(۳) بخاری باب الوکالة فی قضاء الديون حدیث: ۲۳۰۶

پانچواں باب

سیرت رسول ﷺ اور عصری مسائل

سیرت رسول ﷺ میں عصری مسائل کا حل

دورِ حاضر سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کا دور ہے، مواصلات کی حیرت انگیز ترقی نے ساری دنیا کو گلوبل ولیج میں تبدیل کر دیا ہے، انٹرنیٹ کی ایجاد نے معلومات کے انبار لگا دیے ہیں، علم و سائنس کے بڑھتے قدموں نے وسائل زندگی میں بے تحاشہ اضافہ کر دیا ہے، ہر قسم کے سامان آرائش کی فراوانی ہے، لیکن یہ تصویر کا صرف ایک رخ ہے، دورِ حاضر کی تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ وسائل کی بہتات کے باوجود موجودہ دور کا انسان مسائل میں گھرا ہوا ہے، اس وقت ساری انسانیت انتہائی پیچیدہ قسم کے مسائل میں گرفتار ہے، مغربی ممالک ہوں کہ مشرقی دنیا، ترقی یافتہ علاقے ہوں کہ پسماندہ ممالک ساری انسانی آبادی الجھنوں کا شکار ہے، عالمگیر نوعیت کے مسائل کا سامنا ساری دنیا کو ہے، اور ایسا بھی نہیں کہ ان مسائل کے حل کے لیے کوئی پیچیدہ کوشش نہیں ہوتی بلکہ دنیا بھر کے دانشور اور بے پناہ دماغی صلاحیتوں کے حامل مفکر اور صنفِ اول کے مدیر بار بار سر جوڑ بیٹھتے ہیں اور مسائل حل کرنے کے لیے عالمی کانفرنسوں اور سمیناروں کا انعقاد عمل میں لایا جاتا ہے، اور بعض مسائل ایسے ہیں جن کے حل کے لیے اقوام متحدہ کی نگرانی میں باقاعدہ پیچھے کیے جاتے ہیں، مگر شمس تند و خور دند و بر خاستند کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

انسانیت کو لاحق مسائل کا حل وہی ذات کر سکتی ہے جو انسانوں کی خالق ہے جس پروردگار نے انسان کی شکل میں حیرت انگیز مشین بنایا ہے وہی بہتر طور پر جانتا ہے کہ اس مشین کو کیا کمزوریاں لاحق ہو سکتی ہیں اور اس میں آنے والی خرابیوں کو کیسے دور کیا جاسکتا ہے چنانچہ اس خالق کائنات نے جہاں حضرت انسان کو پیدا فرمایا وہیں اس کے مسائل کے حل کے لیے حضرات اعیانہ کرام کو مبعوث فرمایا اور خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کو بھیج کر قیامت تک پیدا ہونے والے نئے مسائل کے حل کا سامان فراہم فرمایا، اس وقت انسانیت جتنے مسائل سے دوچار ہے اس کا حل صرف اور صرف سیرت رسول اللہ ﷺ اور تعلیمات اسلام میں ہے۔

انسان عدم تحفظ کا شکار

اس وقت سب سے بڑا مسئلہ جس سے دنیا کے سارے ممالک دوچار ہیں، تحفظ و سلامتی اور انسانی حقوق کی حفاظت کا ہے، دنیا کے ہر خطہ میں انسان عدم تحفظ کا شکار ہے، انسانی خون ارزاں سے ارزاں ہوتا جا رہا ہے، گزشتہ صدی میں دنیا دو عظیم جنگوں کا سامنا کر چکی ہے، جن میں لاکھوں انسان مارے گئے ان دو جنگوں کے باوجود حالات میں تبدیلی نہ آسکی، اب دنیا کی صورت حال یہ ہے کہ دھماکے روز کا معمول بن چکے ہیں، بحسی دن کے اخبارات دھماکوں کی خبروں سے خالی نہیں ہوتے، اور ایک دھماکے میں سیکڑوں لوگ ہلاک اور ہزاروں زخمی ہوتے ہیں اور لاکھوں کی املاک تباہ ہوتی ہے، عراق میں دس لاکھ سے زائد شہری مارے گئے، افغانستان میں تباہی کا سلسلہ ہنوز جاری ہے، بوسینا کی قیامت صغریٰ اب تک ذہنوں سے محو نہیں ہوئی، جہاں کی اجتماعی قبروں سے اب تک نعشیں برآمد ہو رہی ہیں جن ممالک کو اپنے سیکوریٹی نظام پر نازاں ہے وہاں بھی انسانی جان کو خطرات لاحق ہیں امریکہ جیسے سپر پاور ملک میں اچانک فائرنگ کے واقعات معمول بن چکے ہیں، اسکولوں میں دن دھاڑے فائرنگ ہوتی ہے، شاپنگ مالوں میں دھماکے ہوتے ہیں، الغرض پوری دنیا بارود کے ڈھیر پر کھڑی ہے، سلامتی و تحفظ کے مسئلہ پر ہر ملک انتہائی حساس ہے، سلامتی کو یقینی بنانے کے لئے مت نئے مہلک ہتھیار تیار کئے جا رہے ہیں، ہر ملک اپنے بجٹ کا ایک بڑا حصہ دفاع پر خرچ کر رہا ہے، اس سب کے باوجود کہیں انسانوں کو تحفظ حاصل نہیں، سیرت رسول ﷺ اس کا حل بتاتی ہے، آپ ﷺ کی آمد سے پہلے قتل و غارت گری اور لوٹ کھسوٹ عام تھی، معمولی باتوں پر جنگ چھڑ جاتی تھی اور چالیس چالیس برس تک جاری رہتی تھی، مختلف قبائل میں آپسی رس کشی عروج پر تھی ایسے نازک حالات میں رحمت عالم ﷺ نے اپنی پاکیزہ تعلیمات کے ذریعہ ایسا انقلاب برپا کر دیا کہ خونخوار انسان امن و سلامتی کے علمبردار بن گئے، ایک دوسرے کی جان کی درپے رہنے والے ایک دوسرے پر جان بچھاؤ کرنے والے بن گئے، عورتوں کو مکمل تحفظ حاصل ہو گیا، آپ ﷺ نے انسانی جان کی عظمت بڑھادی۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر صاف اعلان کیا کہ تمہارا خون تمہارا مال ایک دوسرے کے لیے حرام ہے جس طرح یہ دن یہ شہر

قابل احترام ہے، جرائم کے انداد اور جان و مال کے تحفظ کے لیے آپ نے لوگوں میں ایک دوسرے کے حقوق کا احترام اور ان کی ادائیگی کی فکر پیدا کی، اور آخرت میں جوابدہی کا احساس پیدا کیا، چنانچہ صحابہ کرامؓ میں ہر شخص خوفِ خدا سے سرشار ہوتا تھا، دوسروں پر ظلم تو دور رہا کسی کے بارے میں معمولی بات کہنا بھی ان کے لیے گراں گزرتا تھا، فکرِ آخرت اور مرنے کے بعد کی زندگی میں ہونے والے حساب و کتاب کے یقین کے بغیر انسانی حقوق کا تحفظ ممکن نہیں اور نہ ہی زندگی میں ہونے والے حساب و کتاب کے یقین کے بغیر حقوقِ انسانی کا تحفظ ممکن نہیں اور نہ ہی انسانی جانوں کے اتلاف کا یہ لامتناہی سلسلہ ختم ہو سکتا ہے، احساسِ جوابدہی اور آخرت کی سزا کے ڈر کے ساتھ جرائم اور قتل و غارت گری کے سد باب کے لیے آپ نے حدود و قصاص اور تعزیرات کا مؤثر نظام قائم فرمایا، قاتل کی سزا قصاص اور چور کے لیے قلعیدہ شراب نوشی پر اسی کوڑے اور شادی شدہ کے زنا میں مبتلا ہونے اور گواہوں کے ذریعہ ثابت ہونے پر سنگساری کی سزا مقرر فرمائی، موجودہ مغربی دنیا ان سزاؤں کو وحیانہ قرار دیتی ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتی کہ ایک قاتل پر حد جاری کرنا ہزاروں افراد کے تحفظ کا ضامن ہے، چنانچہ حدود و قصاص کا یہ نظام جن مسلم مسکوں میں رائج ہے وہاں قتل و جرائم کے واقعات کی شرح انتہائی کم ہے۔

عالمی غربت کا حل

دوسرا عالمی مسئلہ جس سے پوری دنیا دوچار ہے وہ غربت اور بھمکری ہے، آج کی مہذب دنیا میں جہاں سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی سے اسبابِ زندگی اور وسائل کی آرائش کی بہتات ہے، مختلف ملکوں میں لاکھوں افراد نان شبینہ کے محتاج ہیں افریقی ملکوں میں لاکھوں باشندے ایسے ہیں جنہیں بھوک کی شدت نے بڑی کے ڈھانچوں میں تبدیل کر دیا ہے، فاقہ کے سبب ہر سال لاکھوں افراد بلک بلک کر جان دے رہے ہیں خود ہمارے ملک میں بھی خطِ افلاس کے نیچے زندگی گزارنے والوں کی شرح چالیس فیصد سے زائد ہے، لاکھوں ہندوستانیوں کو ایک وقت کا صحیح کھانا نصیب نہیں حتیٰ کہ پینے کا پانی تک میسر نہیں، سیرت رسول میں اس کا علاج موجود ہے، آپ نے زکوٰۃ کا نظام قائم فرمایا اس سے ہٹ کر غریب رشتہ داروں، یتیموں اور ضرورت مند انسانوں

کی حاجت برآری کی تلقین فرمائی، یتیموں اور یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کی تائید کی، اگر صحیح معنی میں سارے صاحب نصاب مسلمان اپنے مالوں کی زکوٰۃ نکالنے لگیں تو امت مسلمہ کا کوئی فرد بھوکا نہیں رہے گا، نبی کی ان تعلیمات کو اگر دنیا کے سارے انسان اپنائیں تو غربت کے خاتمہ میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔

معاشی بحران کا حل

ایک اور عالمی مسئلہ جس نے عالمی قائدین کی نیند حرام کر دی ہے معاشی بحران کا ہے، معاشی بحران اس وقت سارے یورپ اور امریکہ کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے، امریکہ کے بیسوں بینکوں کا دیوالیہ ہو چکا ہے، بیسیوں کمپنیاں ٹھپ پر چکی ہیں، مہنگائی زور افروزوں ہے عام اشیاء کی قیمتیں آسمان کو چھونے لگی ہیں، سیرت رسول ﷺ اور قرآنی تعلیمات میں اس مسئلہ کا شافی علاج ہے، موجودہ معاشی بحران دراصل سودی نظام معیشت کی دین ہے، اسلام بلا سودی نظام معیشت پیش کرتا ہے، سودی نظام پر مبنی بینکاری فیل ہو چکی ہے، خود مغرب کے صنف اول کے ماہرین معاشیات اس کا اعتراف کر چکے ہیں اور خود مغربی حلقوں سے بلا سودی بینکنگ سسٹم کے لئے آواز بلند ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے، چنانچہ سود پر مبنی معیشت اپنا بوریہ بستر لپیٹ رہی ہے، اب ایک ہی راستہ رہ گیا ہے، کہ انسانیت نبی رحمت کے دامن سے وابستہ ہو جائے اور آپ کے لائے ہوئے نظام معیشت کو رواج دے۔

نسل پرستی، کرپشن اور خاندانی نظام کا محل

موجودہ دور کی ایک لعنت جو عالمگیر شکل اختیار کر چکی ہے وہ ذات پات اور رنگ و نسل کی بنیاد پر انسانوں میں تفریق کی لعنت ہے، نسلی امتیاز اور قومیت و علاقائیت کے تعصبات استہزاء کو پہنچ چکے ہیں، یورپ اور امریکہ جیسے حقوق انسانی کے دعویدار ملکوں میں کالے گوروں میں امتیاز عام ہے، گورے کالوں سے اس درجہ نفرت کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ کھانے میں تک عار خیال کرتے ہیں، چنانچہ گوروں کی ہوٹلوں میں کالوں کا داخلہ ممنوع ہے، نبی ﷺ نے سرے سے اس کا

خاتمہ کر دیا، آپ نے بتایا کہ انسانوں کے درمیان رنگ و نسل اور قومیت کی بنیاد پر تفریق دراصل انسانیت کے ساتھ ظلم ہے، سارے انسان آدم کی اولاد ہیں سب برابر کے حقوق رکھتے ہیں، انسانوں میں اگر کوئی فرق کیا جاسکتا ہے تو وہ صرف اخلاق و کردار اور تقویٰ کی بنیاد پر کیا جاسکتا ہے، کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں، آپ نے ایک ہی جھنڈے تلے صہیب روی کو بھی لایا اور سلمان فارسی کو بھی، بلال حبشی کو عربوں کا سردار بنایا، نسلی امتیاز اور علاقائی عصبیت کی لعنت سے نجات سیرت رسول ﷺ ہی سے ممکن ہے۔

موجودہ دور کا ایک عالمی مسئلہ بدعنوانی اور کرپشن کا ہے، اس وقت پوری دنیا اس لعنت میں گرفتار ہے کرپشن سارے نظام کو کھلا کر رہا ہے، ہمارا ملک تو بدعنوان ملکوں میں سرفہرست سمجھا جاتا ہے، جہاں بدعنوانی سیاسی زندگی کا جزو ولایت تک سمجھی جا رہی ہے، آئے دن اسسٹس منظر عام پر آرہے ہیں ۲۰۱۰ء تو حکومت کے لیے اسکنڈل کا سال رہا، ۱۲G سپکٹرم اسیکیم سوسائٹی اسیکیم کا من ویلتھ جیمز اسیکیم، پتہ نہیں کن کن ناموں کے اسیکیم سامنے آئے، بدعنوانی قوانین سے ختم نہیں کی جاسکتی اس کے لیے جب تک سیاست دانوں میں احساس جوابدہی نہ پیدا ہو، بدعنوانی کا خاتمہ ممکن نہیں۔

اسی طرح آج کا ایک اہم مسئلہ خاندانی نظام کا بکھراؤ اور معاشرتی زندگی کا عدم استحکام ہے جو اس وقت مغربی معاشروں کو تباہی کے دہانے پر پہنچا رہا ہے، اسلامی تعلیمات کے بغیر مستحکم خاندانی نظام ممکن نہیں، مغربی معاشرے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکے ہیں، شادیوں کا تصور ختم ہوتا جا رہا ہے، ۵۰ فیصد سے زائد نوجوان لڑکیاں کنواری مائیں بن رہی ہیں، بیشتر شادیوں کا انجام طلاق کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے، مغربی ممالک کے بچے باپ کی شفقت سے محروم ہیں، ماں باپ اولاد پر کنٹرول کھوتے جا رہے ہیں، کامیاب خاندانی اور عائلی زندگی صرف اسلام اور سیرت رسول پیش کرتی ہے، مغرب اگر اپنی بقا چاہتا ہے تو اسے معاشرتی زندگی کی نبوی تعلیمات کو اپنانا ہوگا، اسلام خاندان کے ہر فرد کے حقوق و فرائض کا ایک مکمل اور مربوط نظام رکھتا ہے اور عورت اور مرد میں سے ہر ایک کا دائرہ متعین کرتا ہے بہترین خاندان کی تشکیل کے لیے عورتوں پر گھریلو تربیت کی ذمہ داری ڈالتا ہے۔

مغربی معاشرہ غلاظتوں کی آماجگاہ

فحاشی و عریانیت اور جنسی بے راہ روی آج کے دور کا ایک انتہائی پیچیدہ مسئلہ بن چکی ہے، پوری دنیا اس کی لپیٹ میں ہے، مغربی ملکوں میں فحاشی کو قانونی درجہ اصل ہو چکا ہے، آزادی کے نام پر انسانوں کو حیوانوں کی صف میں کھڑا کیا جا رہا ہے، میڈیا جسے اچھے پاکیزہ معاشرہ کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرنا چاہئے غلاظتوں کی آماجگاہ بن چکا ہے، مغربی معاشرہ کے انسان کتوں کی طرح بے حجابہ جنسی ہوس پوری کر رہے ہیں، سیرت رسول ہی دنیا کو اس لعنت سے بچا سکتی ہے، آپ ﷺ کی تعلیمات میں حیا کو ایمان کا لازمی جز قرار دیا گیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن، عورتوں کے لیے حجاب ضروری قرار دیا گیا، مردوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی نگاہوں کی حفاظت کریں، بری نگاہ کو شیطان کا تیر قرار دیا گیا، بے حیائی اور عریانیت کے سبب اس وقت انسانیت ایڈز کی شکل میں عذاب الہی سے دوچار ہے، ہر سال دنیا بھر میں لاکھوں افراد لقمہ اجل بن رہے ہیں، ایڈز کے خدائی عذاب سے بچنے کے لیے ہر ملک اپنے اپنے ایجنڈے کا بڑا حصہ استعمال کر رہا ہے، عالمی سمیناروں کا انعقاد عمل میں لایا جا رہا ہے، لیکن اس سے چھٹکارے کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی، جب تک سماج سے فحاشی اور برہنگی اور جنسی بے راہ روی کا خاتمہ نہ کیا جائے ایڈز سے نجات ممکن نہیں، نبوی تعلیمات کے نفاذ سے انسانیت اس عذاب سے چھٹکارا پا سکتی ہے۔

منشیات کا انجام

دور حاضر کی ایک خطرناک لعنت نشہ بازی اور منشیات کی لت ہے، عالمی صحت تنظیم who کی رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں دوارب لوگ شراب نوشی کرتے ہیں، ہندوستان میں سوک حادثات میں روزانہ تقریباً ۲۸۲ لوگ مرتے ہیں، جس میں اکثر حادثوں کے پیچھے شراب نوشی کا فرما ہوتی ہے شراب کے ساتھ دیگر منشیات کا استعمال آج کے مشینی معاشرہ میں تیزی سے فروغ پا رہا ہے، شراب و نشہ بازی کا بنیادی سبب موجودہ معاشرہ میں سکون سے محرومی ہے موجودہ معاشرہ سکون سے محرومی ہے موجودہ مشینی مادہ پرست معاشرہ میں سکون نام کی چیز نہیں ہے

مادی وسائل رکھنے والا پریشان ہے اور ان سے محروم افراد بھی مضطرب ہیں، سکون کے لیے بھنگ، شراب، گانجہ، ہیروئن، مارفین جیسی چیزوں کا سہارا لیا جاتا ہے، آج دنیا کی ساری حکومتوں ڈرگس اور منشیات کے مسئلہ سے حیران و پریشان ہیں، امریکہ میں ۱۹۱۸ء سے ۱۹۳۳ء کے درمیان نشہ بندی مہم کے دوران اربوں ڈالر خرچ کر کے بھی مقصد حاصل نہیں ہوا، منشیات کی لعنت کامل نبی نے بتایا ہے، شراب کی حرمت نازل ہوئی تو مدینہ کی نالیوں میں شراب پانی کی طرح بہنے لگی، شراب سے پاک معاشرہ نبوی تعلیمات، خوف خدا اور اخروی جزا و سزا کے یقین کے بغیر ممکن نہیں۔

الغرض مضمون میں موجودہ دور کے چند مسائل کا سرسری ذکر کیا گیا ہے، خلاصہ یہ کہ ہمارے سارے دردوں کا درماں سیرت رسول ہے، ہمارے سارے مسائل کا حل تعلیمات نبوی میں ہے آج کی انسانیت کو یہ راز کون بتائے؟ مسلمانوں پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے لیکن خود سیرت رسول سے عاری مسلمان دوسروں کو کیسے تلقین کر سکیں گے، ربیع الاول میں صرف نعرے لگانے سے محبت رسول کا حق ادا نہیں ہوتا، بلکہ ہماری گردنوں پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو نبھانا پڑے گا، اپنے طرز عمل سے نبی کی پاکیزہ تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کرنا ہوگا، ظاہری بے روح حرکات سے ہم دنیا والوں کو تو فریب دے سکتے ہیں لیکن اللہ اور اس کے رسول کو فریب نہیں دے سکتے، آج کی انسانیت سیرت رسول سے محرومی کے سبب تباہی کے دہانے پر پہنچ چکی ہے اسے بچانے کے لیے ہر قوم رسول ہاشمی کو آگے آنا ہوگا۔

دختر کشی کا حل اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

یوم خواتین اور کرائم کارڈ

۸ / مارچ کی تاریخ دنیا بھر میں عالمی یوم خواتین منایا جاتا ہے اور خواتین پر ہونے والی زیادتیوں کی سخت الفاظ میں مذمت کی جاتی ہے، دنیا کے دیگر ممالک کی طرح وطن عزیز میں بھی خواتین کا بین الاقوامی ڈے جوش و خروش سے منایا گیا، ملک کی انتہائی طاقتور خاتون صدر کانگریس نے ۸ / مارچ کو منعقدہ ایک پروگرام سے خطاب کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ خواتین کے خلاف تشدد کے واقعات پر ہمارے سر شرم سے جھک جاتے ہیں، نسوانی جینن کشی اور خواتین کے خلاف جرائم پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے صدر کانگریس خواتین کو تلقین کرتی ہیں کہ وہ مستقبل میں مصائب کے آگے سرنگوں نہ ہوں اور ہمت و حوصلہ کے ساتھ ان کا سامنا کریں، ملک میں خواتین پر تشدد کے واقعات میں کس تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے، اس کا اندازہ قومی کرائم ریکارڈ بیورو کے تازہ انکشافات سے ہوتا ہے جس کے مطابق ملک میں ہر ۲۰ / منٹ میں ایک خاتون کی عصمت ریزی ہوتی ہے، جہاں تک خواتین کے قتل کئے جانے کا معاملہ ہے تو اس کے لئے صرف ان چند خواتین کی نشاندہی کافی ہے جن کا قتل اخبارات کی سرخیوں میں رہا، نینا ساہنی کو دہلی کے نیٹاؤں نے کاٹ کر تھوڑے میں بھون ڈالا، انڈین ایکسپریس کی خاتون نامہ نگار بھٹناگر کو ایک آئی پی ایس افسر نے ناجائز تعلقات کے بعد قتل کر ڈالا، جید کال کے قتل کا بھی خوب چرچا ہوا، بھوپال میں شہلا مسعود قتل ہوئیں، اسی طرح راجستھان میں مشہور نرس بھنوری دیوی کا قتل کیا گیا اور لاش شوگر مل کی بھٹی میں جلا کر نہر کے حوالہ کر دی گئی، ہندوستان سے ہٹ کر امریکہ کا رخ کیا جائے تو ۳۰ / کروڑ امریکی آبادی میں ہر سال دو لاکھ عورتوں کے خلاف جنسی دست درازی کے واقعات ہوتے ہیں، یعنی تقریباً ہر دو منٹ پر خواتین کے ساتھ جنسی تشدد کا ایک واقعہ رونما ہوتا ہے، ۲۰۰۰ء میں برطانیہ میں کل خواتین آبادی کا ۴۹ فیصد زنا یا جنسی تشدد کا شکار بنا تھا، ویسے موجودہ معاشرہ میں

خواتین کے ساتھ تشدد کی مختلف شکلیں رائج ہیں، لیکن اس کی بدترین شکل وہ ہے جو دختر کشی کی شکل میں پائی جاتی ہے، گویا دنیا میں آنے سے قبل ہی اس سے حق زندگی چھین لیا جاتا ہے، اس سلسلہ میں ہمارا ملک کسی مغربی یا یورپی ملک سے پیچھے نہیں، برطانوی قومی صحافی EMETIC BUCHANAN نے بی بی سی کی ایک ڈاکیومنٹری (LEATHER DIE) میں انکشاف کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان میں مادہ جینن کا علم ہونے پر روزانہ ۳۰۰۰ حمل گرائے جاتے ہیں، اس طرح سالانہ یہ تعداد دس لاکھ سے متجاوز ہو جاتی ہے، راجستھان اور تمل ناڈو میں اسقاط کی شرح سب سے زیادہ ہے، تمل ناڈو سرکاری اسپتال کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور دولت مند گھرانوں میں دختر کشی کی شرح سب سے زیادہ ہے، جون ۲۰۰۷ء میں دہلی کے مضافات میں ایک ڈاکٹر ۲۶۰ غیر قانونی اسقاط حمل کے سلسلہ میں گرفتار کیا گیا، گرفتاری اس وقت عمل میں آئی جب دواخانہ کے سپیکٹ میٹنگ سے مادہ جینینوں کی ہڈیاں برآمد ہوئیں، دختر کشی کے بڑھتے رجحان نے اسقاط حمل کو ایک انڈسٹری کا درجہ دیا ہے جس کا سالانہ آمد و خرچ ایک ہزار کروڑ روپے ہے، یہ انکشاف سب کے لئے حیرت انگیز ہے کہ ۲۰۰۸ء سے ۲۰۱۱ء کے درمیان دنیا میں پانچ کروڑ پچیاں مادر رحم میں ہلاک کر دی گئیں، خود ہندوستان میں ہر سال پانچ لاکھ پچیاں اسقاط حمل کے ذریعہ رحم مادر میں ختم کر دی جاتی ہیں (۱)

دختر کشی کی اس لعنت کے سبب بچوں اور بچیوں کے جنسی تناسب میں حیرت انگیز تفاوت ہو گیا ہے، ملک میں بچیوں میں جنسی تناسب گرتے گرتے اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ ۲۰۰۱ء میں پانچ ہزار بچیوں پر ۹۲ پچیاں ریکارڈ کی گئیں، ہریانہ جیسے صوبوں سے یہ اطلاعات مل رہی ہیں کہ وہاں لڑکوں کی شادیوں میں بہت دشواری پیش آرہی ہے، ہندوستانی قانون کے مطابق علق کے تین ماہ بعد اسقاط کو جرم سمجھا جاتا ہے، لیکن اس قانون کو کھلے عام پامال کیا جا رہا ہے، چونکہ اب رحم مادر ہی میں اولاد کی جنس معلوم کی جاسکتی ہے، اس لئے پیدا ہونے کے بعد ہلاک کرنے کے بجائے رحم مادر ہی میں قتل کر دیا جاتا ہے۔ اس صورت حال کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ مسلم معاشرہ کے

افراد بھی اس لعنت کا شکار ہیں، جنوری ۲۰۱۳ء میں مشرقی اتر پردیش کے ضلع اعظم گڑھ سے تعلق رکھنے والے نصیر احمد نامی شخص نے اپنی ۳۰ سالہ بیوی کو محض اس جرم کی پاداش میں گلا گھونٹ کر مار ڈالا کہ اس نے ساتویں مرتبہ بھی ایک لڑکی کو جنم دیا تھا (۱) اس لعنت کے خاتمہ کے لئے ملک میں مختلف قوانین بنائے گئے ہیں، لیکن صورتحال کسی طرح بدلتی نظر نہیں آتی، ہندوستان سے ہٹ کر دنیا بھر دیگر ممالک میں یہ انسانیت سوز حرکت زور پکڑتی جا رہی ہے۔

اس لعنت سے چھٹکارا کیونکر ہو

سوال یہ ہے کہ اس لعنت سے چھٹکارا کیسے حاصل کیا جائے، محض قانون سازی مسئلہ کامل نہیں ہو سکتی، اس کے لئے ذہن و فکر کی تبدیلی کی ضرورت ہے، اور یہ کام اس آخری رسول ﷺ کی تعلیمات کے بغیر ممکن نہیں۔ جہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس لئے بھیجا تھا کہ وہ انسانیت کے سارے مسائل کا حل ڈھونڈ نکالیں، سیرت و تعلیمات رسول ﷺ اپنے اندر اس قدر جامعیت رکھتے ہیں کہ ان میں قیامت تک پیش آنے والے مسائل کا حل موجود ہے، بعثت رسول ﷺ سے قبل کے جاہلی معاشرہ میں دختر کشی کی لعنت عروج پر تھی، اس زمانہ میں لڑکیوں کی پیدائش کو لوگ کس قدر باعثِ مار سمجھتے تھے، قرآن مجید نے اس کی یوں منظر کشی کی ہے: ”جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ دل ہی دل میں کھٹنے لگتا ہے، اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپا پھرتا ہے، سوچتا ہے کہ اس کو ذلت و رسوائی کے ساتھ لئے ہوئے ہی رہے یا اسے مٹی میں دبا دے، آہ کیا ہی برے فیصلے کرتے ہیں۔ (النحل ۵۹)

ﷺ ایک اور مقام پر ایسی حرکت کے مرتکبین کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: ”اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا کہ کس گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی؟“ (التکویر ۸: ۹) یعنی بروز قیامت ان لوگوں کی سخت سرزنش کی جائے گی، جنہوں نے اپنی نوزائیدہ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا۔ جاہلی معاشرہ میں نہ صرف نومولود بچیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا بلکہ صنفِ نازک کے ساتھ ہر قسم کا

قلم روارکھا جاتا تھا، عورتیں مال کی میراث کی طرح وراثت میں منتقل کر دی جاتی تھی، ان کی عزت و آبرو کو بری طرح پامال کیا جاتا تھا، انسان کی حیثیت سے ان کے حقوق سرے سے تسلیم نہیں کئے جاتے تھے، ایسے پر آشوب حالات میں محمد عربیؐ کی بعثت ہوئی، آپ نے نسوانی معاشرہ کو بھرپور تحفظ عطا فرمایا، ان کی جان، مال اور عزت و آبرو پر کسی بھی قسم کی زیادتی کو بدترین جرم قرار دیا۔

اولاد سے محبت انسانی فطرت کا حصہ ہے بلکہ ہر جاندار کو اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے، اولاد چاہے لڑکے کی شکل میں یا لڑکی کی، والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، لیکن جاہلی معاشرہ کی فطرت انسانی مسخ ہو چکی تھی، وہ مطلق اولاد کو اپنے لئے بوجھ خیال کرتا تھا کہ اولاد ان کی معاش میں شریک ہو جائے گی، وہ لوگ فقر و افلاس کے خوف سے اپنی اولاد کو خود اپنے ہاتھوں سے ذبح کیا کرتے تھے، ان کا خیال تھا کہ آنے والی اولاد کو وہ روزی کیسے فراہم کریں گے، گویا وہ اپنے زعم میں اپنی اولاد کے خود رازق تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فکری بگاڑ کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا: ”وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمَّا لَقِيْتُمْ نَزْلًا فَهُمْ وَآيَاتُكُمْ“ (۱)

تم اپنی اولاد کو فقر و افلاس کے ڈر سے مت قتل کرو، ہم ہی ان کو روزی دیتے ہیں اور تم کو بھی۔ اس قسم کی آیات بار بار نازل کی گئیں تاکہ انہیں ان کی اس شنیع حرکت سے باز رکھا جائے، جہاں تک نوزائیدہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی بات ہے تو اس کا ایک اور سماجی عامل یہ تھا کہ وہ لڑکیوں کی پیدائش کو باعث عار خیال کرتے تھے، جیسا کہ سورۃ النحل کی آیات سے واضح ہو چکا ہے، سارے عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے پیغمبر نے لڑکی کی پیدائش کو رحمت قرار دیا اور والدین کے لئے سراسر اجر و ثواب کا سرچشمہ قرار دیا، ایک سے زائد روایات میں لڑکیوں کی پیدائش اور اچھی تربیت پر جنت کی خوشخبری دی گئی ہے، بیٹیوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ بھی قرار دیا گیا اور جنت میں داخلی کا پروانہ بھی، ارشاد نبوی ہے: جس کے یہاں لڑکی پیدا ہو وہ اسے دفن نہ کرے

نہ ذلیل کر کے رکھے وہ بیٹے کو اس پر ترجیح دے، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ (۱)
 ایک حدیث حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو لڑکیوں کے سلسلہ میں کسی طرح آزمایا جائے اور وہ اس پر صبر کرے تو وہ لڑکیاں اس شخص کے لئے دوزخ سے آڑ بن جاتی ہیں۔ (۲)

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص تین بیٹیوں یا تین بیٹوں کی کفالت کرتا ہے اس پر جنت واجب ہے، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر دو بیٹیوں کی کفالت کرتا ہو تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا پھر بھی واجب ہے، صحابہؓ نے دریافت کیا اگر ایک بیٹا اور ایک بیٹی کی کفالت کرتا ہو تو؟ آپ نے فرمایا پھر بھی واجب ہے۔

معجم طبرانی کی روایت ہے کہ جس کسی کے یہاں بیٹی پیدا ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے پاس فرشتے بھیجتے ہیں وہ فرشتے گھر والوں سے کہتے ہیں اے گھر والو! تم پر سلامتی ہو پھر اس بچی کو فرشتے اپنے پروں سے ڈھانک لیتے ہیں اور اپنے نورانی ہاتھوں کو اس کے سر پر پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں، ایک کمزور جان ہے جو کمزور جان سے نکلتی ہے قیامت تک اس کے کفیل کی مدد کی جائے گی۔ (۳)

ایک موقع پر آپ نے فرمایا: لڑکیوں سے نفرت نہ کرو، میں خود لڑکیوں کا باپ ہوں۔

آپ ﷺ کی زینہ اولاد با حیات نہ رہنے کی وجہ

آپ کے حق میں تقدیر خداوندی کا فیصلہ کچھ ایسا تھا کہ آپ کی کوئی زینہ اولاد زیادہ عرصہ حیات تک با حیات نہ رہی، البتہ لڑکیاں نہ صرف سن بلوغ کو پہنچیں بلکہ ان سے اولاد بھی ہوئی، علماء نے اس خدائی فیصلہ کی ایک حکمت یہ بتائی کہ اللہ تعالیٰ کو پیغمبر کی اس حالت کے ذریعہ دور جاہلیت میں

(۱) سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر: ۵۵۰

(۲) صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۱۳۳۳

(۳) معجم الصغیر للطبرانی: حدیث ۷۰

رائج لڑکیوں سے نفرت کی رسم بد کو مٹانا تھا، آپ نے جہاں اپنے مبارک ارشادات اور زبانی ہدایات کے ذریعہ لڑکیوں سے محبت اور ان کے ساتھ عدل و مساوات کے تعلق سے لوگوں کو متقین فرمایا، وہیں اسوہ مبارکہ کے ذریعہ بھی لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک کا اعلیٰ نمونہ پیش فرمایا، آپ اپنی صاحبزادیوں سے بے انتہاء محبت کرتے تھے، حضرت ام کلثومؓ، حضرت رقیہؓ اور حضرت فاطمہؓ تمام صاحبزادیوں سے بے انتہاء شفقت فرماتے تھے، آپ کے پاس کئی وقت کے فاقوں کے بعد کھانے کے لئے کچھ آتا تو اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے یہاں بھجوا دیتے، ایک مرتبہ صحابہؓ نے چند روٹیاں اور کچھ سالن نبی رحمت ﷺ کے پاس بھیجا، اس موقع پر آپ نے کچھ اور صحابہ کو بھی طلب کر لیا، پھر آپ نے ایک روٹی کے اوپر گوشت رکھ کر اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے گھر بھیجا اور فرمایا کہ فاطمہؓ کے گھر والے بھی آج بھوکے ہیں۔ (۱)

جب بھی سفر سے واپسی ہوتی بیٹی کے یہاں تشریف لے جاتے، اور نواسوں سے بھی حد درجہ محبت فرماتے تھے، آپ نے حضرت فاطمہؓ کو جگر کا ٹکڑا قرار دیا۔

موجودہ مادیت پرست معاشرہ نے انسان کو معاشی حیوان بنا دیا ہے، نامرغوب معاشی بوجھ کا تصور لوگوں کو دختر کشی جیسے سنگین جرم پر آمادہ کر رہا ہے، اس لئے لوگوں کے یقین کی درنگی اشد ضروری ہے، معاش کے تعلق سے خدا کا ضابطہ ہے کہ ہر جاندار کی روزی اللہ نے اپنے ذمہ لی ہے، ارشاد ربانی ہے: ”وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقہا“ (ہود)

لعنت جہیز دختر کشی کا سبب

ہر پیدا ہونے والا نو مولود اپنے ساتھ اپنی روزی لاتا ہے، خود والدین کی روزی بھی اللہ کے ذمہ ہے، ساری پریشانی اس وقت ہوتی ہے جب آدمی خود کو رازق سمجھ بیٹھتا ہے، دختر کشی کی بڑھتی ہوئی لعنت کا ایک اور سبب گھوڑے جوڑے اور جہیز کی لعنت ہے لڑکی کی پیدائش کے ساتھ ہی والدین پر اس کے نکاح کی فکر سوار ہو جاتی ہے، چنانچہ اس سے خجاب پانے کے لئے لوگ

جین کشی کا ارتکاب کر رہے ہیں، معاشرہ کی یہ صورتحال نبی رحمت ﷺ کی تعلیمات کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہے، نبوی تعلیمات میں نکاح کو انتہائی آسان بنا دیا گیا ہے، آپ نے اس نکاح کو سب سے بابرکت قرار دیا جو کم سے کم مالی ذمہ داریاں لڑکے والوں پر ڈالی گئیں، جھیز اور گھوڑے جوڑے کی لعنت کا تعلیمات سیرت سے کوئی تعلق نہیں۔

دختر کشی کی اس غیر انسانی لعنت کے سد باب کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ لوگوں میں دینی شعور بیدار کیا جائے، ان کے اندر خوف خدا کی روح پیدا کی جائے، نکاح کو آسان بنایا جائے اور اسے خلاف شرع خرافات سے پاک کیا جائے، محض قانون سازی اس مسئلہ کا حل نہیں ہو سکتی۔

اختلافات کا حل سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

سیرت رسول ﷺ کا ایک امتیازی وصف اس کی جامعیت اور ہمہ گیری ہے، چنانچہ نبی ﷺ کی سیرت میں ہر چیز کا نمونہ ملتا ہے، انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے لیے رسول ﷺ کی سیرت میں کوئی رہنمائی نہ ملتی ہو، چونکہ آپ آخری رسول ﷺ ہیں اور آپ کی شریعت آخری ہے اس لیے اللہ نے آپ کی سیرت کو کامل و مکمل بنایا۔

رسول اللہ ﷺ سے وابستگی کا تقاضہ یہ ہے کہ امت اپنے تمام انفرادی و اجتماعی مسائل کا حل سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں تلاش کرے، اس لیے کہ سیرت رسول کو ساری انسانیت کے لیے اسوہ قرار دیا گیا ہے، ارشاد خداوندی ہے: ”لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا“ (۱) (تمہارے لیے رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے، اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتا ہو، زندگی کے ہر شعبہ میں سیرت رسول ﷺ کے انطباق کا کامل شعور ضروری ہے، موجودہ دور میں مسلمان جہاں قرآن مجید کے تئیں غفلت کا شکار ہیں وہیں سیرت رسول کے سلسلہ میں بھی بڑی لاپرواہی برت رہے ہیں، اب امت کا سیرت رسول ﷺ سے تعلق بس اتار دیا گیا ہے کہ ماہ ربیع الاول میں سیرت النبی کے عنوان سے چند جیسے منعقد کر لیے جاتے ہیں، اور بس جہاں تک بدلتے حالات و مسائل میں سیرت سے استفادہ کا تعلق ہے تو وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

عالم اسلام اور آپسی انتشار

اس وقت ہندوستان اور عالم اسلام کے مسلمانوں کو ان گنت مسائل درپیش ہیں ہر مسئلہ اپنی جگہ قابل توجہ اور فوری حل کا طالب ہے، لیکن ان میں سے بعض مسائل بنیادی حیثیت رکھتے ہیں جن کے سنگین نتائج نے امت مسلمہ کے وجود پر سوالیہ نشان لگا دیا ہے، اگر وہ اسی طرح سرد خانہ کے

حوالہ کئے جاتے رہے تو وہ دن دور نہیں کہ مسلمان عبرتناک انجام سے دو چار ہو جائیں، انہی بنیادی مسائل میں سے ایک مسئلہ مسلمانوں کا آپسی انتشار اور ان کی باہمی رسد کشی کا ہے، جو دن بدن شدت اختیار کرتا ہے، یہ انتشار ہر سطح سے پایا جاتا ہے، مسلکی بنیادوں پر بھی اور جماعتی سطح سے بھی، خاندانی دائرہ میں بھی اور امت کے اجتماعی معاملات میں بھی۔

جہاں تک اختلاف رائے کا تعلق ہے تو ہر دو باشعور افراد کے درمیان اس کا پایا جانا فطری ہے اور وہ ایک صحت مند معاشرہ کے لیے ناگزیر بھی ہے، لیکن امت مسلمہ میں پائے جانے والے جس اختلاف کی نشاندہی مقصود ہے، وہ ایسا اختلاف ہے جو اندر ہی اندر سے مسلمانوں کو کھوکھلا کئے جا رہا ہے، اختلاف بالکلیہ رونما ہو، ناممکن ہے، ایسا نہ کبھی ہوا ہے اور نہ کبھی ہوگا، اس سے تو عہد رسالت بھی محفوظ نہ رہا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں بھی صحابہ میں بہت سے معاملات میں اختلاف ہوا، لیکن اختلافات کے منفی اثرات سے وہ محفوظ تھے غرضیکہ اختلافات کے تباہ کن نتائج سے بچنے کے لیے کیا حل تلاش کیا جائے؟ اور فروعی مسائل میں اختلافات کے باوجود کیسے تعلقات پر آئینہ آنے نہ دی جائے اور کیوں کرامت کے شیرازہ کو بکھرنے سے بچایا جائے؟ یہ اور اس قسم کے دیگر سوالات فوری حل طلب ہیں۔

موجودہ دور میں مسلمانوں میں پائے جانے والے اختلافات کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، ایک وہ اختلاف ہیں جو اجتماعی معاملات میں رونما ہوتے ہیں جن کا فروعی مسائل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، چاہے وہ سیاسی معاملات ہوں یا روزمرہ کی سماجی زندگی کے مسائل دوسرے وہ اختلافات ہیں جو مختلف مکاتب فکر اور فقہی مسالک سے تعلق رکھنے والوں کے درمیان افضل اور غیر افضل کے تعلق سے پائے جاتے ہیں، فی زمانہ مسلمانوں میں دونوں قسم کے اختلاف عروج پر ہیں، اجتماعی معاملات اور سیاسی سطح سے بھی امت انتشار سے دو چار ہے، اور مسلکی اختلافات کی بنیاد پر بھی باہم دست و گریباں ہیں، جہاں تک اس دوسری نوعیت کے اختلافات کی بات ہے تو وہ قیامت تک ختم ہونے والے نہیں ہیں، اس لئے کہ فروعی مسائل اور افضل غیر افضل میں اختلاف عہد صحابہ میں بھی رہا ہے۔

انتشار و اختلاف کا حل

سیرت رسول جو انسانی زندگی کے تمام مسائل کا حل اپنے اندر رکھتی ہے ممکن نہیں کہ اختلافات کے مسئلہ کا اس میں حل نہ ہو اور اس شعبہ زندگی کے لیے سیرت کے دامن میں کسی طرح کے رہنمایانہ خطوط نہ ہوں آپ ﷺ کی سیرت میں دونوں طرح کے اختلافات کا حل مل سکتا ہے، جہاں تک پہلی نوعیت کے اختلافات کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں آپ نے سب سے پہلے صحابہؓ کی اس انداز سے تربیت فرمائی کہ حتی الامکان اس قسم کے اختلافات پیدا ہی نہ ہوں، مسلمان آپس میں شہر و شہر کی طرح رہیں، اس لئے آپ نے اخوت و بھائی چارگی اور الفت و محبت ایثار و ہمدردی تو واضح و انکساری اور ان جیسی دیگر ایسی صفات پر زور دیا جن سے وحدت اسلامی برقرار رہتی ہے، چنانچہ کتب احادیث میں ایسی روایات کی کمی نہیں ہے جن میں آپسی اختلافات و انتشار اور باہمی رسہ کشی سے منع کیا گیا ہے۔

✽ ایک جگہ ارشاد ہے: ”لا تختلفوا فتختلف قلوبکم“ (۱) (اختلافات نہ کرو تمہارے دل بھی پھڑک جائیں گے۔

✽ نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ”لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض“ (۲) (میری وفات کے بعد کافروں کی روش اختیار نہ کرنا کہ تم ایک دوسرے کی گردن نا پنے لگو۔

✽ نیز آپ نے ایک مرتبہ صحابہ سے فرمایا: کیا تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں جو درجہ میں نماز، روزہ، زکوٰۃ سے بھی افضل ہے، صحابہ نے عرض کیا: ہاں یا رسول اللہ ﷺ ضرور بتائیے! آپ ﷺ نے فرمایا: آپس کی محبت اور میل جول نماز روزہ اور زکوٰۃ سے بھی افضل ہے، پھوٹ اور آپس کا تفرقہ دین کو موٹہ دیتا ہے۔ اس حدیث میں آپ نے جہاں ایک طرف آپسی محبت کو نماز، روزہ اور زکوٰۃ سے افضل قرار دیا وہیں آپسی تفرقہ کو ”حالتہ“ یعنی دین کو موٹہ دینے والا عمل قرار دیا ہے۔

(۱) مسند احمد حدیث البراء بن عازب حدیث: ۱۸۵۱۶

(۲) بخاری: باب الانصاف للعلماء، حدیث: ۱۲۱

ﷺ رسول اکرم ﷺ نے امت میں تفرقہ ڈالنے والوں کی سخت مذمت فرمائی ہے، چنانچہ فرمایا: ”بندگان خدا میں بہترین وہ لوگ ہیں جب ان کے چہروں پر نظر کی جائے تو خدا یاد آئے، اور بدترین افراد وہ ہیں جو ادھر ادھر کی چغلیاں کھاتے ہیں اور پھوٹ ڈالتے پھرتے ہیں جو دوستوں میں دوستوں میں جدائی ڈالوائیں اور بے لوث لوگوں کو تہمت لگائیں۔“

آپ ﷺ نے جہاں آپسی تفرقہ کی تباہ کاریوں سے آگاہ کیا وہیں اتحاد و اجتماعیت کی اہمیت اور اس کی برکات کو بھی اجاگر کیا اور جماعت سے وابستہ رہنے پر زور دیا، چنانچہ سعید بن مسیبؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”شیطان ایک اور دو افراد کے پیچھے لگ جاتا ہے لیکن جب تین افراد ہوں تو انہیں پریشان نہیں کر پاتا۔“ (۱) ایک اور روایت میں اجتماعیت سے ہٹ جانے والوں پر وعید بیان فرمائی: جو اطاعت سے نکل بھاگا اور جماعت سے جدا ہو گیا پھر اسے موت آئی تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ (۲) نیز مسلم کی روایت میں ہے جس نے ہمارا امت کے خلاف خروج کیا، نیک و بد کی گردنیں اڑائیں، سچے مسلمانوں کا بھی خیال نہ کیا اور وعدہ خلافی کی تو اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں نہ میرا اس سے کوئی مطلب ہے۔ (۳)

ﷺ رسول اللہ ﷺ کو صحابہ کی اجتماعیت کی فکر اس قدر دامن گیر رہتی کہ سفر و حضر ہر حالت میں صحابہ کرامؓ پر نگاہ رکھتے تھے، چنانچہ حضرت ابو ثعلبہؓ کہتے ہیں کہ سفر میں لوگ جب پڑاؤ ڈالتے تو مختلف گھاٹیوں اور وادیوں میں فروکش ہو جاتے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا یہ منتشر ہو جانا شیطان کی چال ہے، لیکن آپ کی اس تاکید کے بعد صحابہ جب بھی کہیں آرام کرتے تو ایک فرد دوسرے فرد سے ایسا چمٹ جاتا کہ لوگ کہتے کہ اگر ان پر ایک کپڑا ڈال دیا جائے تو سب پر محیط ہو جائے۔ (۴)

(۱) ”الواحد شیطان والاثنان شیطانان والثلاثة الخ“ (المستدرک، حدیث عبداللہ بن زید حدیث ۲۴۹۶)

(۲) مات مینۃ الجاہلیۃ (مسند احمد، مسند عبداللہ بن عمر، حدیث: ۶۱۶۶)

(۳) ولایفی لذلٰی عہد عہدہ (مسلم باب الامر بلزوم الجماعۃ حدیث: ۱۸۴۸)

(۴) حتی یقال: لو یسط علیہم ثوب لعمہم (ابوداؤد، مایؤمر من انضمام العسکر حدیث ۲۶۲۶)

اتحاد کو متاثر کرنے والے صفات سے اجتناب

آپسی تفرقہ سے بچنے کی تاکید کے ساتھ آپ نے ان صفات سے بھی احتراز کرنے کی تاکید فرمائی جن سے مسلمانوں کا آپسی اتحاد متاثر ہوتا ہے، اور جو مسلمانوں میں باہم الفت و محبت کے بجائے بغض و عناد اور دوری پیدا کرتی ہیں، چنانچہ تحقیر و تذلیل غیبت و بدگمانی کبر و حسد، بغض و عناد اور عصبیت اور منافرت جیسی مذموم صفات سے سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی، عام طور پر یہی باتیں دلوں میں رنجش اور آپسی ناچاقیوں کا باعث بنتی ہیں، تحقیر مسلم کے سلسلہ میں فرمایا ”کسی آدمی کے برے ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے اور اس کی تحقیر کرے مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان پر حرام ہے (یعنی اس پر دست درازی حرام ہے) اس کا خون بھی اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی“ (۱)

﴿جھگڑے اور خصومت کے بارے میں فرمایا: ”میں اس مومن کے لئے جنت کے کنارے ایک محل کی ضمانت دیتا ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے“﴾ (۲)

﴿مسلم شریف میں ایک طویل حدیث ہے جس میں ان بہت سی مذموم صفات سے بچنے کی تاکید فرمائی جو مسلمانوں کے ملی اتحاد کے لئے سخت نقصان دہ ہیں چنانچہ فرمایا: ”بدگمانی سے بچو اس لئے کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے اور نجس نہ کرو، بہت زیادہ ٹوہ میں نہ پڑو، مقابلہ آرائی نہ کرو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے نفرت نہ کرو، باہم عداوت نہ رکھو اور بن جاؤ اللہ کے بندے بھائی بھائی، جس طرح اس نے تمہیں حکم دیا ہے، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے وہ اس پر ظلم نہ کرے اسے یکہ و تنہاء نہ چھوڑے اسے حقیر نہ سمجھے، آدمی کے برا ہونے کے لئے کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے، ہر مسلمان کا مال اس کا خون اور اس کی آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے، (۳) اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے جسموں کو نہیں

(۱) ”کل المسلم علی المسلم حرام دمہ و مالہ و عرضہ“ (مسلم باب تحریم ظلم المسلم حدیث ۲۵۶۳)

(۲) انازعیم بیت فی وسط الجنة لمن ترک المراء و هو محقا (ابوداؤد باب فی حسن الخلق) حدیث

(۳) ”کل المسلم علی المسلم حرام دمہ و مالہ و عرضہ“ (مسلم باب تحریم الظلم) حدیث

دیکھے گا بلکہ تمہارے اعمال کو دیکھے گا، سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تقویٰ یہاں ہوتا ہے (تین مرتبہ فرمایا) آگاہ رہو تم میں سے کوئی کسی کی بیعت پر بیعت نہ کرے کہ اس کا نقصان ہو جائے اور ہو جاؤ اللہ کے بندے بھائی بھائی، اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق باقی رکھے“ (۱)

✽ کبر و غرور بھی اختلاف و انتشار کا اہم سبب اور ملی اتحاد کے لئے انتہائی مضر ہوتا ہے احادیث میں اس کی سخت مذمت کی گئی ہے اور اس کے مقابلہ میں تواضع کی تلقین کی گئی ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ”اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کی ہے خاکساری اختیار کرو، یہاں تک کہ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے اور بے جا فخر نہ کیا جائے۔“

✽ معکبرین کے بارے میں فرمایا کہ قیامت کے دن وہ ذروں کے مانند آدمیوں کی شکل میں اٹھائے جائیں گے، انہیں ہر جگہ ذلت نے آکھیا ہوگا۔ (۲)

✽ حسب و نسب اور خاندانی مفاخرت بھی آدمی کو عصبیت پر آمادہ اور ملت کے شیرازہ کو منتشر کرتی ہے، آپ نے خاندانی مفاخرت کا خاتمہ کیا اور تقویٰ کو فضیلت کا معیار ٹھہرایا، چنانچہ فرمایا: ”قیامت کے دن اللہ کے حکم سے ایک منادی آواز لگائے گا: سن لو! میں نے ایک نسب بنایا تھا اور تم لوگوں نے دوسرے نسب بنائے تھے، میں تم میں سب سے زیادہ معزز اسی کو ٹھہرایا تھا جو تم میں سب سے زیادہ متقی تھا لیکن تم کہتے رہے کہ یہ فلاں کا بیٹا ہے، لیکن آج میں اپنے نسب کو بلند کروں گا اور تمہارے طئے کردہ نسبوں کو نیچے کر دوں گا۔“ (۳)

✽ اسی طرح جو چیزیں آپسی اتحاد و الفت کے لیے معاون ہو سکتی ہیں آپ نے ان کی

(۱) ولا یحل لمسلم أن یهجر أخاه فوق ثلاث لیل (مسلم باب النہی عن التحاسد حدیث ۲۵۵)

(۲) ”لا یغنی احد علی احد ولا یفخر احد علی احد“ (الأدب المفرد، حدیث ۴۲۸)

(۳) یا ایہا الناس ! إني جعلت نسباً ، وجعلتكم نسباً ، فقلل : أكثرکم اتقاکم ، وأبیتکم إلا أن تقولوا : فلان بن فلان وفلان بن فلان أكثر من فلان ، وأنا اليوم أرفع نسبي وأضع نسبکم ، أین المثقون ؟

الزهد لأسد بن موسى « باب : ذکری ما یدعی یوم القیامۃ ، حدیث نمبر ۷۹ : ، مجمع الزوائد ومنیع الفوائد » کتاب الأدب « باب لا فضل لأحد علی أحد إلا بالتقویٰ »

ترغیب دی، تواضع خیر خواہی اور ایثار و ہمدردی کی تلقین فرمائی جن سے آپسی محبت میں اضافہ ہوتا ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ”تین صفات ایسی ہیں کہ جن کے خلاف کسی مسلمان کے دل میں کینہ نہیں ہونا چاہئے، اخلاص، مسلمانوں کی خیر خواہی اور اجتماعیت پسندی، اس لیے کہ جس کے اندر یہ صفات ہوں گی اس کی دعا تمام افراد کی خیر خواہی پر مشتمل ہوگی۔

حل اختلاف کی روشن مثالیں

اختلافات کے حل کے نبوی طریقہ کار کا حصہ یہ ہے کہ اختلافات کے بیج کو بچھنے سے پہلے جو سے اکھاڑ پھینکا جائے، چنانچہ جب کبھی اختلافات پیدا ہونے کے آثار نمایاں ہوتے آپ فوراً انہیں دبانے کی کوشش فرماتے، اس سلسلہ کی چند مثالیں دی جاسکتی ہیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: ”میں ایک روز دو پہر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا، وہاں میں نے دو آدمیوں کی آوازیں جو کسی آیت کے سلسلہ میں اختلافی بحث کر رہے تھے، ان کی آواز سن کر آپ غضبناک ہوئے اور فرمایا: ”إنما ہلک من کان قبلکم باختلافہم فی الکتاب“ (۱) تم میں سے پہلے لوگ کتاب میں اختلاف کر کے ہی ہلاک ہو گئے۔

✽ زال بن سبرہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ کہتے ہوئے سنا ”کہ میں نے ایک شخص کو ایک آیت پڑھتے سنا جو اس کے خلاف پڑھا رہا تھا جیسے میں نے نبی کریم ﷺ سے سن رکھا تھا، اس لیے میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور آپ کے پاس لے کر حاضر ہوا، ہماری بات سن کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم دونوں نے اچھا سمجھا کہ اصلاح کے لئے یہاں آئے، شعبہ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا: لا تختلفوا فإن من قبلکم اختلافوا فہلکوا“ (۲) اختلاف نہ کرو تم سے پہلے لوگ اختلاف کر کے ہلاک ہو گئے۔

✽ ابتدائی مرحلہ ہی میں اختلاف کو دفن کرنے کا ایک اور واقعہ غزوہ بنی المصطلق کے موقع

(۱) مسلم باب النہی عن اتباع متشابہ القرآن حدیث ۲۶۶۶

(۲) بخاری باب حدیث الغار حدیث ۳۴۷۶

پر پیش آیا جب مسلمانوں کا لشکر مریح کے پانی پر جمع ہو گیا تو ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان پانی پر باہم جھگڑا ہوا اور نوبت قتل و قتال کی آ گئی، مہاجر نے اپنی مدد کے لئے مہاجرین کو پکارا اور انصار نے انصار کو دونوں کی مدد کے لئے کچھ افراد پہنچ گئے اور قریب تھا کہ مسلمانوں کے درمیان ایک فتنہ کھڑا ہو جاتے، رسول اکرم ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فوراً مقام پر تشریف لے گئے، اور سخت ناراضگی کے ساتھ فرمایا: ”ہر مسلمان کو اپنے بھائی کی مدد کرنا چاہئے، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، مظلوم کی مدد کرنا تو ظاہر ہے کہ اس کو ظلم سے بچائے اور ظالم کی مدد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکے، کیوں کہ اس کی حقیقی مدد یہی ہے، رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنتے ہی جھگڑا ختم ہو گیا۔“ (۱)

تلاش و جستجو سے کتب سیرت میں اس طرح کے مزید واقعات مل سکتے ہیں، یہاں اختصار کے پیش نظر انہیں چند نمونوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اجتماعی معاملہ اختلاف کا حل

اختلاف کے حل کا سب سے نازک مرحلہ (جس میں کسی بھی قائد و رہنما کی قائدانہ و مدبرانہ صلاحیتوں کی کڑی آزمائش ہوتی ہے) وہ ہوتا ہے جب ملت کے مختلف افراد کے درمیان عملاً اختلاف پیدا ہو جائے اور ملت کسی اجتماعی معاملہ میں مختلف خانوں میں بٹ جائے ایسے میں انہیں حد درجہ تدبیر و فراست کے ذریعے بغیر کسی ملی نقصان کے اختلاف کے بھنور سے نکالنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں، رسول اکرم ﷺ نے ایسے نازک مرحلوں میں بھی نہایت کامیاب طریقے سے امت کو اختلاف کی تباہ کاریوں سے محفوظ رکھا، اور مسئلہ کا حل ایسا نکالا کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے، سیرت میں اس سلسلہ کے کئی واقعات ملتے ہیں۔

﴿نبوت سے قبل مکہ مکرمہ میں جب قریش نے کعبہ کی منہدم دیواروں کی تعمیر کا منصوبہ بنایا

(۱) ”إن كان ظالماً فلينبهه فإنه له نصر وإن كان مظلوماً فلينبهه“ (مسلم باب نصر الأخ ظالماً أو مظلوماً، حدیث: ۲۵۸۴)

تو حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھنے کا تنازعہ کھڑا ہو گیا، اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ آپس میں خون کی ندیاں بہہ جائیں، ہر قبیلہ کی خواہش تھی کہ یہ اعزاز اسے حاصل ہو، رسول اکرم ﷺ نے اس تنازعہ کو جس دوراندیشی سے حل فرمایا ہے تاریخ انسانیت میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے، وہ ایسا معقول حل تھا کہ سارے قبیلے اس پر راضی ہو گئے، اور امت اختلاف و تفرقہ کے دہانے پر جا کر محفوظ رہی، آپ نے ایک کپڑا منگوایا اور اس میں حجر اسود رکھا اور ہر قبیلے کے سردار سے کہا کہ وہ کپڑے کا کوئی حصہ پکڑ لے، اس طرح سبھوں نے اسے اٹھا کر مقام پر پہنچا دیا پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے دیوار میں نصب کر دیا۔ (۱)

نبوت کے بعد اور بالخصوص مدنی زندگی میں کئی موقعوں پر مسلمانوں میں اختلافات ہوئے جن میں سے بعض سنگین نوعیت کے بھی تھے، حضور اکرم ﷺ نے جس طرح سے انہیں حل فرمایا اس سے آپ کے حسن تدبیر و قوت فیصلہ اور مدبرانہ قیادت صاف چھلکتی ہے اور قیادت کے منصب پر فائز افراد کے لئے وہ بہترین اسوہ کا درجہ رکھتی ہے، یہاں اس طرح کے تین واقعات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اختلاف کا ایک مرحلہ اس وقت پیش آیا جب غزوہ حنین کے بعد آپ نے بعض ناگزیر مصالح کے پیش نظر مال غنیمت کا بڑا حصہ قبیلہ قریش اور ضرورت مند مہاجرین کے درمیان تقسیم کیا، اور انصار کو حصہ نہ مل سکا، اس پر انصار کی صفوں میں ناراضگی کی لہر اٹھی، اور انصار کے مختلف افراد کے درمیان طرح طرح کی باتیں ہونے لگیں، صورت حال کی نزاکت کو محسوس کر کے انصار قبیلہ کے سردار حضرت سعد بن عبادہؓ نے رسول اکرم ﷺ کو سارا ماجرا سنایا، حضور ﷺ نے سعد بن عبادہؓ سے کہا کہ سعد! اس سلسلہ میں تمہارا کیا موقف ہے؟ سعدؓ نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں بھی اپنی قوم کا ایک فرد ہوں، حضور ﷺ نے سعد کو حکم دیا کہ وہ اپنے قبیلے کے لوگوں کو جمع کریں، جب سارے لوگ جمع ہو گئے تو سعدؓ نے حضور ﷺ کو اطلاع دی، حضور ﷺ ان کے پاس تشریف لائے، سب سے پہلے اللہ کی حمد و ثنایاں فرمائی پھر انصار کے

اس قبیلہ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا : اے انصار کے لوگو! سنا ہے کہ تم آپس میں چہ می گوئیاں کر رہے ہو اور مجھ سے ناراضگی محسوس کر رہے ہو (بھلا یہ تو بتلاؤ) کیا ایسا نہیں کہ میرے آنے سے پہلے تم ضلالت و گمراہی میں تھے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تمہیں ہدایت دی، محتاج و نادار تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تمہیں غنی کر دیا، آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تمہارے درمیان الفت پیدا کر دی، سارے انصار خاموش تھے پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا انصار یو! کیا میری ان باتوں کا جواب نہیں دو گے؟ انصار کہنے لگے ہم کیا جواب دیں یا رسول اللہ ﷺ سارا فضل و احسان تو اللہ و رسول ہی کا ہے، پھر حضور ﷺ نے فرمایا سن لو! تم یوں کہہ سکتے ہو اور تمہارا کہنا مبنی بر صداقت بھی ہو گا اور میں بھی اس کی تصدیق کروں گا (تم کہہ سکتے ہو کہ) آپ ہمارے پاس اس حال میں آئے تھے کہ مکہ میں بھی آپ کو جھٹلایا جا چکا تھا اور ہم نے آپ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لائے نیز آپ ہمارے پاس بے یار و مددگار کمپرسی کے عالم میں آئے تھے ہم نے ہر طرح سے آپ کی مدد کی، آپ کو دھکارا جا چکا تھا ہم نے آپ کو پناہ دی، آپ محتاج تھے ہم نے آپ کو غنی کر دیا، اے انصار کی جماعت کیا تم دنیا کی ایسی حقیر فشی کے بارے میں خفا ہو گئے جس کے ذریعہ میں نے کچھ لوگوں کو اسلام سے مانوس اور قریب کرنا چاہا تاکہ وہ اسلام قبول کریں اے انصار یو! کیا تمہیں یہ پسند نہیں ہے کہ اور لوگ تو بکریوں اور اونٹوں کو لے جائیں اور تم اللہ کے رسول کو لے جاؤ؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک فرد ہوتا اگر سارے لوگ کسی گھائی میں جائیں تو میں انصار کی گھائی کی طرف چلوں گا، اے اللہ انصار پر اور فرزند ان انصار اور ان کے بیٹوں پر رحم فرما، راوی کہتے ہیں کہ (رسول اللہ ﷺ کی اس رقت انگیز تقریر سن کر) سارے انصار رونے لگے یہاں تک کہ ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں اور کہنے لگے ہمیں اللہ اور اس کے رسول کی تقسیم منظور ہے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنے مقام پر لوٹ گئے اور سارے لوگ منتشر ہو گئے۔ (۱)

حل اختلاف کے نکات

مذکورہ واقعہ میں تنازعہ کے حل کے لئے رسول اکرم ﷺ نے انتہائی درجہ فراست کا استعمال فرمایا ہے، اس واقعہ میں آپ نے اختلاف کے حل کے لئے درج ذیل نکات پر توجہ دی ہے:

(۱) اختلاف کرنے والوں کی آراء اور ان کے خیالات کو بغور سننے کا اہتمام اور ان کی آراء معلوم کرنے سے قبل کسی قسم کا فیصلہ صادر کرنے سے گریز، چنانچہ زیر بحث معاملہ میں جب حضرت سعد بن عبادہؓ نے صورتحال سامنے رکھنا چاہا تو حضور ﷺ نے پہلے ہی دن تمام تفصیلات معلوم کیں اور ان کی باتوں کو غور سے سنا، جب سعد بن عبادہؓ سے ساری تفصیلات اور مسئلہ کی نوعیت معلوم ہو گئی تو اس کے بعد آپ نے انصار کے لوگوں کو جن کے درمیان طرح طرح کی باتیں پیدا ہو رہی تھیں جمع کرنے کا حکم فرمایا تاکہ ان سے تبادلہ خیال کیا جائے، گو کہ حضرت سعد بن عبادہؓ بھی صاحب معاملہ تھے لیکن آپ نے ان سے تبادلہ خیال کو کافی نہ سمجھا بلکہ پوری جماعت کی آراء معلوم کرنے اور اختلاف کی صحیح صورت حال جاننے کے لیے بھی کو جمع کیا، آپ کے اس طرز عمل سے اجتماعی معاملات میں اختلاف حل کرنے کی ایک تدبیر معلوم ہوتی ہے کہ اختلاف کی صورت میں قائد کو فریق کی آراء کا احترام کرنا چاہئے، اور اختلافات کی نوعیت جانے بغیر اس کے بارے میں حق سے دور رہنے یا غلطی پر ہونے کا فیصلہ نہ کرنا چاہئے، فی زمانہ اختلافات کے مزید الجھنے کا ایک سبب یہ ہے کہ آج فریق مخالف کی کسی بات کو قابل اعتناء سمجھا نہیں جاتا اور اس کی رائے معلوم کرنے سے پہلے حکم صادر کر دیا جاتا ہے۔

(۲) اس واقعہ سے دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ اختلافات حل کرنے کے لیے حاکم یا قائد کو وسیع النظر اور کشادہ دلی سے کام لینا چاہئے، جب انصار کے درمیان مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلہ میں چھ میگوئیاں ہونے لگیں تو اس پر آپ رنجیدہ خاطر نہیں ہوئے اور نہ ان کے خلاف اظہار ناراضگی فرمایا، بلکہ جب ان کا معاملہ سامنے آیا تو پوری وسعت ظرفی سے کام لیا اور ان کے احسانات کا اعتراف کیا،

موجودہ دور میں کسی دو افراد کے درمیان اختلاف رائے کا بھی یہی حال ہوتا ہے، کوئی وسیع الطرفی یا کشادہ دلی سے کام نہیں لیتا۔

(۳) اختلافات کے حل میں انداز گفتگو اور طرز خطاب کا بڑا اہم رول ہوتا ہے اس واقعہ میں رسول اکرم ﷺ نے طرز خطاب کی نزاکت کو پوری طرح ملحوظ رکھا اس میں آپ نے ایک طرف انصار کو ان کا مقام و مرتبہ یاد دلایا، دوسری طرف نبی کی وجہ سے حاصل ہونے والی نعمتوں کی طرف بھی ان کی توجہ مبذول کروائی، یہ وہ باتیں تھیں جن سے ان کے دل پیچ گئے اور کٹھکے کہ سارا فضل و احسان اللہ اور اس کے رسول ہی کا ہے، دلوں سے اختلاف اور رنجش کے بیج نکالنے کا یہ ایک مؤثر انداز تھا۔

(۴) انصار کے معاملہ میں رسول اکرم ﷺ نے ایک اور گریہ اپنایا کہ پہلے ان سے مسلم حقیقتوں کو منواتے رہے، اسلام سے قبل وہ لوگ ہر طرح سے گمراہ محتاج اور بے حیثیت تھے، اللہ و رسول پر ایمان لانے سے وہ ہر طرح سے سرفراز کئے گئے، یہ ایک مسلم حقیقت تھی، حضور ﷺ نے انہیں یہ سارے احسانات یاد دلائے، اسی طرح اسلام کے لئے انصار کی خدمات کو بھی سراہا، یہ گویا وہ نکات تھے جو سب کے درمیان متفق علیہ تھے، اس طرح پہلے متفقہ نکات پر بات کر کے پھر بعد میں متنازع نکات کو اٹھایا، اختلافات کے حل اور فریق مخالف کو بتدریج نرم کرنے کا یہ ایک مؤثر اسلوب ہے۔

(۵) اختلافات کو حل کرنے کے لئے اگر متاثرہ افراد کے ساتھ ابتداء ہی میں منفی انداز اپنایا جائے تو اس سے ان میں مزید ہٹ دھرمی پیدا ہوگی اور اختلافات گہرے ہوتے چلے جائیں گے، اس لئے قائد اور حاکم کو چاہئے کہ وہ ابتداء میں متاثرہ افراد کی خوبیاں بیان کرے اور مثبت طرز خطاب اپنائے تاکہ آئندہ جس مختلف فیہ مسئلہ میں ان سے بات ہونے والی ہے اس کے لئے ان کے قلوب آمادہ ہو جائیں، انصار کے معاملہ میں حضور ﷺ نے یہی اسلوب اپنایا، شروع میں ان کی تعریف اور ان کے احسانات کا تذکرہ کیا، بالآخر وہ رسول کے فیصلہ پر مطمئن ہو گئے۔

(۶) کسی بھی معاملہ میں اختلاف پیدا ہو جائے اور مسلمانوں کے شیرازہ کو بکھرنے کا خطرہ

لاحق ہو جائے تو اس کا حل نکالنے میں عجلت کرنی چاہئے، اس لیے کہ اختلاف رونما ہونے کے بعد اگر حل میں تاخیر ہونے لگے تو وہ اختلاف گہرا ہوتا چلا جائے گا، حضرت سعد بن عبادہؓ نے جب انصار کے اختلاف سے واقف کرایا تو آپ ﷺ فوری حرکت میں آئے اور انصاریوں کو جمع کرنے کا حکم فرمایا، جب سب جمع ہو گئے تو ان کے سامنے مؤثر تقریر فرمائی، اطلاع کے بعد اگر تاخیر ہوتی تو مخالفین کو موقع ہاتھ لگتا اور وہ سازشیں کر کے مزید انتشار پیدا کرتے، فی زمانہ اختلاف کی جڑیں اس لئے مضبوط ہوتی جاتی ہیں کہ ان کا فوری حل نکالا نہیں جاتا۔

(۷) اختلافات کے حل کے لیے سنجیدہ کوششوں کے ساتھ ہر فریق کے کھلے دل سے سارے معاملات کا زیر بحث لانا بھی ضروری ہے، اختلافات کرنے والے فریق صاف صاف سارے معاملات سامنے رکھیں اور اس تعلق سے کسی پہلو کو غیر واضح نہ رکھا جائے، ورنہ اس کے بغیر پائیدار حل کی توقع نہیں کی جاسکتی حضور ﷺ نے سعد بن عبادہؓ سے جب ان کی رائے معلوم کرنی چاہی تو انہوں نے جو کچھ دل میں صاف تھا کہہ دیا کہ میں بھی اپنی قوم کا ایک فرد ہوں جو وہ سوچیں گے میں بھی وہی سوچوں گا، انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ حضور ﷺ ان سے ناراض ہو جائیں گے۔

صلح حدیبیہ

اختلاف کے حل کے نبوی طریق کار کے سلسلہ میں دوسری مثال صلح حدیبیہ کی دی جاسکتی ہے حدیبیہ کے موقع پر کفار مکہ کے ساتھ جس طرح دب کر صلح کی گئی تھی اس سے بیشتر صحابہ کو اختلاف تھا، قریش کے ظالمانہ معاہدہ سے ان کے دل تنگ ہوتے جا رہے تھے، اس نازک مرحلہ میں بھی حضور ﷺ نے کامیاب طریقہ سے حل نکالا سب سے پہلے اس سلسلہ میں دورانہدیشی سے حالات کا مکمل جائزہ لیا دیگر لوگوں کی نگاہ تو حال پر تھی اور دب کر کی جانے والی صلح میں انہیں شکست و ذلت نظر آرہی تھی لیکن رسول اکرم ﷺ کی نگاہ اس صلح سے مستقبل میں حاصل ہونے والے فوائد و اثرات پر تھی، آپ ﷺ جانتے تھے کہ اشاعت دین کے سلسلہ میں اس کے بڑے دور رس اثرات مرتب ہوں گے اور اسلام کا پھیلاؤ ہی آئندہ مسلمانوں کی فتح کامل کا باعث بنے گا، چنانچہ اللہ نے آپ کے موقف کی تائید کرتے ہوئے صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر اختلاف کرنے والے صحابہ سے نمٹنے کے لئے آپ نے یہ طرز اپنایا کہ ان کے جذبات کو دبایا نہیں، بلکہ انہیں اپنے جذبات کے اظہار کی کھلی چھوٹ دی اور ان کے جذباتی خیالات کو سنتے رہے، صحابہ میں سب سے زیادہ حضرت عمرؓ متاثر تھے، شدت جذبات میں وہ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ حضور ﷺ نے جواب دیا کیوں نہیں؟ ہم ضرور مسلمان ہیں پھر حضرت عمرؓ نے سوال کیا کہ کیا مکہ کے لوگ مشرک نہیں ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں؟ وہ ضرور مشرک ہیں، حضرت عمرؓ کہنے لگے تب ہمیں اپنے دین کے معاملہ میں ایسی ذلت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ اس پر حضور ﷺ برہم نہ ہوئے بلکہ حضرت عمرؓ کو سمجھایا کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں (اللہ کا یہی حکم ہے) میں ہرگز اس کی مخالفت نہیں کر سکتا اور وہ مجھے ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ (۱)

اس گفتگو سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے پر جوش صحابہ کے جذبات کو کچلا نہیں بلکہ انہیں اپنے جذبات کے اظہار کا موقع دیا، پھر اخیر میں اصل حقیقت کو واضح کیا کہ اللہ کا یہی حکم ہے اور ہمیں اس پر راضی رہنا چاہئے بجائے اس کے اگر آپ اس معاملہ میں صحابہ سے سختی سے نمٹتے تو قوی امکان تھا کہ بات آگے بڑھتی اور اختلاف مزید شدت اختیار کر لیتا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ عمرہ کے لیے احرام باندھ کر نکلے تھے اور ساتھ میں قربانی کے جانور بھی تھے جب عمرہ کئے بغیر حدیبیہ سے واپس لوٹنا طے ہوا تو آپ نے ہدی ذبح کر کے احرام سے باہر آنے کا حکم فرمایا لیکن چونکہ سب جذبات سے مغلوب تھے اور صلح میں اپنے لیے ذلت محسوس کر رہے تھے اس لیے کوئی اس کام کے لیے آمادہ نہ تھا ایسے میں حضرت ام سلمہؓ نے یہ مشورہ دیا ”اخرج یا رسول اللہ وابدأ بما تريد فاذا روك فقلت ابعوک“ ((بخاری، حدیث ۲۷۳۲-۲۷۳۳-۲۷۳۴-۲۷۳۵-۲۷۳۶-۲۷۳۷-۲۷۳۸-۲۷۳۹-۲۷۴۰-۲۷۴۱-۲۷۴۲-۲۷۴۳-۲۷۴۴-۲۷۴۵-۲۷۴۶-۲۷۴۷-۲۷۴۸-۲۷۴۹-۲۷۵۰-۲۷۵۱-۲۷۵۲-۲۷۵۳-۲۷۵۴-۲۷۵۵-۲۷۵۶-۲۷۵۷-۲۷۵۸-۲۷۵۹-۲۷۶۰-۲۷۶۱-۲۷۶۲-۲۷۶۳-۲۷۶۴-۲۷۶۵-۲۷۶۶-۲۷۶۷-۲۷۶۸-۲۷۶۹-۲۷۷۰-۲۷۷۱-۲۷۷۲-۲۷۷۳-۲۷۷۴-۲۷۷۵-۲۷۷۶-۲۷۷۷-۲۷۷۸-۲۷۷۹-۲۷۸۰-۲۷۸۱-۲۷۸۲-۲۷۸۳-۲۷۸۴-۲۷۸۵-۲۷۸۶-۲۷۸۷-۲۷۸۸-۲۷۸۹-۲۷۹۰-۲۷۹۱-۲۷۹۲-۲۷۹۳-۲۷۹۴-۲۷۹۵-۲۷۹۶-۲۷۹۷-۲۷۹۸-۲۷۹۹-۲۸۰۰-۲۸۰۱-۲۸۰۲-۲۸۰۳-۲۸۰۴-۲۸۰۵-۲۸۰۶-۲۸۰۷-۲۸۰۸-۲۸۰۹-۲۸۱۰-۲۸۱۱-۲۸۱۲-۲۸۱۳-۲۸۱۴-۲۸۱۵-۲۸۱۶-۲۸۱۷-۲۸۱۸-۲۸۱۹-۲۸۲۰-۲۸۲۱-۲۸۲۲-۲۸۲۳-۲۸۲۴-۲۸۲۵-۲۸۲۶-۲۸۲۷-۲۸۲۸-۲۸۲۹-۲۸۳۰-۲۸۳۱-۲۸۳۲-۲۸۳۳-۲۸۳۴-۲۸۳۵-۲۸۳۶-۲۸۳۷-۲۸۳۸-۲۸۳۹-۲۸۴۰-۲۸۴۱-۲۸۴۲-۲۸۴۳-۲۸۴۴-۲۸۴۵-۲۸۴۶-۲۸۴۷-۲۸۴۸-۲۸۴۹-۲۸۵۰-۲۸۵۱-۲۸۵۲-۲۸۵۳-۲۸۵۴-۲۸۵۵-۲۸۵۶-۲۸۵۷-۲۸۵۸-۲۸۵۹-۲۸۶۰-۲۸۶۱-۲۸۶۲-۲۸۶۳-۲۸۶۴-۲۸۶۵-۲۸۶۶-۲۸۶۷-۲۸۶۸-۲۸۶۹-۲۸۷۰-۲۸۷۱-۲۸۷۲-۲۸۷۳-۲۸۷۴-۲۸۷۵-۲۸۷۶-۲۸۷۷-۲۸۷۸-۲۸۷۹-۲۸۸۰-۲۸۸۱-۲۸۸۲-۲۸۸۳-۲۸۸۴-۲۸۸۵-۲۸۸۶-۲۸۸۷-۲۸۸۸-۲۸۸۹-۲۸۹۰-۲۸۹۱-۲۸۹۲-۲۸۹۳-۲۸۹۴-۲۸۹۵-۲۸۹۶-۲۸۹۷-۲۸۹۸-۲۸۹۹-۲۹۰۰-۲۹۰۱-۲۹۰۲-۲۹۰۳-۲۹۰۴-۲۹۰۵-۲۹۰۶-۲۹۰۷-۲۹۰۸-۲۹۰۹-۲۹۱۰-۲۹۱۱-۲۹۱۲-۲۹۱۳-۲۹۱۴-۲۹۱۵-۲۹۱۶-۲۹۱۷-۲۹۱۸-۲۹۱۹-۲۹۲۰-۲۹۲۱-۲۹۲۲-۲۹۲۳-۲۹۲۴-۲۹۲۵-۲۹۲۶-۲۹۲۷-۲۹۲۸-۲۹۲۹-۲۹۳۰-۲۹۳۱-۲۹۳۲-۲۹۳۳-۲۹۳۴-۲۹۳۵-۲۹۳۶-۲۹۳۷-۲۹۳۸-۲۹۳۹-۲۹۴۰-۲۹۴۱-۲۹۴۲-۲۹۴۳-۲۹۴۴-۲۹۴۵-۲۹۴۶-۲۹۴۷-۲۹۴۸-۲۹۴۹-۲۹۵۰-۲۹۵۱-۲۹۵۲-۲۹۵۳-۲۹۵۴-۲۹۵۵-۲۹۵۶-۲۹۵۷-۲۹۵۸-۲۹۵۹-۲۹۶۰-۲۹۶۱-۲۹۶۲-۲۹۶۳-۲۹۶۴-۲۹۶۵-۲۹۶۶-۲۹۶۷-۲۹۶۸-۲۹۶۹-۲۹۷۰-۲۹۷۱-۲۹۷۲-۲۹۷۳-۲۹۷۴-۲۹۷۵-۲۹۷۶-۲۹۷۷-۲۹۷۸-۲۹۷۹-۲۹۸۰-۲۹۸۱-۲۹۸۲-۲۹۸۳-۲۹۸۴-۲۹۸۵-۲۹۸۶-۲۹۸۷-۲۹۸۸-۲۹۸۹-۲۹۹۰-۲۹۹۱-۲۹۹۲-۲۹۹۳-۲۹۹۴-۲۹۹۵-۲۹۹۶-۲۹۹۷-۲۹۹۸-۲۹۹۹-۳۰۰۰-۳۰۰۱-۳۰۰۲-۳۰۰۳-۳۰۰۴-۳۰۰۵-۳۰۰۶-۳۰۰۷-۳۰۰۸-۳۰۰۹-۳۰۱۰-۳۰۱۱-۳۰۱۲-۳۰۱۳-۳۰۱۴-۳۰۱۵-۳۰۱۶-۳۰۱۷-۳۰۱۸-۳۰۱۹-۳۰۲۰-۳۰۲۱-۳۰۲۲-۳۰۲۳-۳۰۲۴-۳۰۲۵-۳۰۲۶-۳۰۲۷-۳۰۲۸-۳۰۲۹-۳۰۳۰-۳۰۳۱-۳۰۳۲-۳۰۳۳-۳۰۳۴-۳۰۳۵-۳۰۳۶-۳۰۳۷-۳۰۳۸-۳۰۳۹-۳۰۴۰-۳۰۴۱-۳۰۴۲-۳۰۴۳-۳۰۴۴-۳۰۴۵-۳۰۴۶-۳۰۴۷-۳۰۴۸-۳۰۴۹-۳۰۵۰-۳۰۵۱-۳۰۵۲-۳۰۵۳-۳۰۵۴-۳۰۵۵-۳۰۵۶-۳۰۵۷-۳۰۵۸-۳۰۵۹-۳۰۶۰-۳۰۶۱-۳۰۶۲-۳۰۶۳-۳۰۶۴-۳۰۶۵-۳۰۶۶-۳۰۶۷-۳۰۶۸-۳۰۶۹-۳۰۷۰-۳۰۷۱-۳۰۷۲-۳۰۷۳-۳۰۷۴-۳۰۷۵-۳۰۷۶-۳۰۷۷-۳۰۷۸-۳۰۷۹-۳۰۸۰-۳۰۸۱-۳۰۸۲-۳۰۸۳-۳۰۸۴-۳۰۸۵-۳۰۸۶-۳۰۸۷-۳۰۸۸-۳۰۸۹-۳۰۹۰-۳۰۹۱-۳۰۹۲-۳۰۹۳-۳۰۹۴-۳۰۹۵-۳۰۹۶-۳۰۹۷-۳۰۹۸-۳۰۹۹-۳۱۰۰-۳۱۰۱-۳۱۰۲-۳۱۰۳-۳۱۰۴-۳۱۰۵-۳۱۰۶-۳۱۰۷-۳۱۰۸-۳۱۰۹-۳۱۱۰-۳۱۱۱-۳۱۱۲-۳۱۱۳-۳۱۱۴-۳۱۱۵-۳۱۱۶-۳۱۱۷-۳۱۱۸-۳۱۱۹-۳۱۲۰-۳۱۲۱-۳۱۲۲-۳۱۲۳-۳۱۲۴-۳۱۲۵-۳۱۲۶-۳۱۲۷-۳۱۲۸-۳۱۲۹-۳۱۳۰-۳۱۳۱-۳۱۳۲-۳۱۳۳-۳۱۳۴-۳۱۳۵-۳۱۳۶-۳۱۳۷-۳۱۳۸-۳۱۳۹-۳۱۴۰-۳۱۴۱-۳۱۴۲-۳۱۴۳-۳۱۴۴-۳۱۴۵-۳۱۴۶-۳۱۴۷-۳۱۴۸-۳۱۴۹-۳۱۵۰-۳۱۵۱-۳۱۵۲-۳۱۵۳-۳۱۵۴-۳۱۵۵-۳۱۵۶-۳۱۵۷-۳۱۵۸-۳۱۵۹-۳۱۶۰-۳۱۶۱-۳۱۶۲-۳۱۶۳-۳۱۶۴-۳۱۶۵-۳۱۶۶-۳۱۶۷-۳۱۶۸-۳۱۶۹-۳۱۷۰-۳۱۷۱-۳۱۷۲-۳۱۷۳-۳۱۷۴-۳۱۷۵-۳۱۷۶-۳۱۷۷-۳۱۷۸-۳۱۷۹-۳۱۸۰-۳۱۸۱-۳۱۸۲-۳۱۸۳-۳۱۸۴-۳۱۸۵-۳۱۸۶-۳۱۸۷-۳۱۸۸-۳۱۸۹-۳۱۹۰-۳۱۹۱-۳۱۹۲-۳۱۹۳-۳۱۹۴-۳۱۹۵-۳۱۹۶-۳۱۹۷-۳۱۹۸-۳۱۹۹-۳۲۰۰-۳۲۰۱-۳۲۰۲-۳۲۰۳-۳۲۰۴-۳۲۰۵-۳۲۰۶-۳۲۰۷-۳۲۰۸-۳۲۰۹-۳۲۱۰-۳۲۱۱-۳۲۱۲-۳۲۱۳-۳۲۱۴-۳۲۱۵-۳۲۱۶-۳۲۱۷-۳۲۱۸-۳۲۱۹-۳۲۲۰-۳۲۲۱-۳۲۲۲-۳۲۲۳-۳۲۲۴-۳۲۲۵-۳۲۲۶-۳۲۲۷-۳۲۲۸-۳۲۲۹-۳۲۳۰-۳۲۳۱-۳۲۳۲-۳۲۳۳-۳۲۳۴-۳۲۳۵-۳۲۳۶-۳۲۳۷-۳۲۳۸-۳۲۳۹-۳۲۴۰-۳۲۴۱-۳۲۴۲-۳۲۴۳-۳۲۴۴-۳۲۴۵-۳۲۴۶-۳۲۴۷-۳۲۴۸-۳۲۴۹-۳۲۵۰-۳۲۵۱-۳۲۵۲-۳۲۵۳-۳۲۵۴-۳۲۵۵-۳۲۵۶-۳۲۵۷-۳۲۵۸-۳۲۵۹-۳۲۶۰-۳۲۶۱-۳۲۶۲-۳۲۶۳-۳۲۶۴-۳۲۶۵-۳۲۶۶-۳۲۶۷-۳۲۶۸-۳۲۶۹-۳۲۷۰-۳۲۷۱-۳۲۷۲-۳۲۷۳-۳۲۷۴-۳۲۷۵-۳۲۷۶-۳۲۷۷-۳۲۷۸-۳۲۷۹-۳۲۸۰-۳۲۸۱-۳۲۸۲-۳۲۸۳-۳۲۸۴-۳۲۸۵-۳۲۸۶-۳۲۸۷-۳۲۸۸-۳۲۸۹-۳۲۹۰-۳۲۹۱-۳۲۹۲-۳۲۹۳-۳۲۹۴-۳۲۹۵-۳۲۹۶-۳۲۹۷-۳۲۹۸-۳۲۹۹-۳۳۰۰-۳۳۰۱-۳۳۰۲-۳۳۰۳-۳۳۰۴-۳۳۰۵-۳۳۰۶-۳۳۰۷-۳۳۰۸-۳۳۰۹-۳۳۱۰-۳۳۱۱-۳۳۱۲-۳۳۱۳-۳۳۱۴-۳۳۱۵-۳۳۱۶-۳۳۱۷-۳۳۱۸-۳۳۱۹-۳۳۲۰-۳۳۲۱-۳۳۲۲-۳۳۲۳-۳۳۲۴-۳۳۲۵-۳۳۲۶-۳۳۲۷-۳۳۲۸-۳۳۲۹-۳۳۳۰-۳۳۳۱-۳۳۳۲-۳۳۳۳-۳۳۳۴-۳۳۳۵-۳۳۳۶-۳۳۳۷-۳۳۳۸-۳۳۳۹-۳۳۴۰-۳۳۴۱-۳۳۴۲-۳۳۴۳-۳۳۴۴-۳۳۴۵-۳۳۴۶-۳۳۴۷-۳۳۴۸-۳۳۴۹-۳۳۵۰-۳۳۵۱-۳۳۵۲-۳۳۵۳-۳۳۵۴-۳۳۵۵-۳۳۵۶-۳۳۵۷-۳۳۵۸-۳۳۵۹-۳۳۶۰-۳۳۶۱-۳۳۶۲-۳۳۶۳-۳۳۶۴-۳۳۶۵-۳۳۶۶-۳۳۶۷-۳۳۶۸-۳۳۶۹-۳۳۷۰-۳۳۷۱-۳۳۷۲-۳۳۷۳-۳۳۷۴-۳۳۷۵-۳۳۷۶-۳۳۷۷-۳۳۷۸-۳۳۷۹-۳۳۸۰-۳۳۸۱-۳۳۸۲-۳۳۸۳-۳۳۸۴-۳۳۸۵-۳۳۸۶-۳۳۸۷-۳۳۸۸-۳۳۸۹-۳۳۹۰-۳۳۹۱-۳۳۹۲-۳۳۹۳-۳۳۹۴-۳۳۹۵-۳۳۹۶-۳۳۹۷-۳۳۹۸-۳۳۹۹-۳۴۰۰-۳۴۰۱-۳۴۰۲-۳۴۰۳-۳۴۰۴-۳۴۰۵-۳۴۰۶-۳۴۰۷-۳۴۰۸-۳۴۰۹-۳۴۱۰-۳۴۱۱-۳۴۱۲-۳۴۱۳-۳۴۱۴-۳۴۱۵-۳۴۱۶-۳۴۱۷-۳۴۱۸-۳۴۱۹-۳۴۲۰-۳۴۲۱-۳۴۲۲-۳۴۲۳-۳۴۲۴-۳۴۲۵-۳۴۲۶-۳۴۲۷-۳۴۲۸-۳۴۲۹-۳۴۳۰-۳۴۳۱-۳۴۳۲-۳۴۳۳-۳۴۳۴-۳۴۳۵-۳۴۳۶-۳۴۳۷-۳۴۳۸-۳۴۳۹-۳۴۴۰-۳۴۴۱-۳۴۴۲-۳۴۴۳-۳۴۴۴-۳۴۴۵-۳۴۴۶-۳۴۴۷-۳۴۴۸-۳۴۴۹-۳۴۵۰-۳۴۵۱-۳۴۵۲-۳۴۵۳-۳۴۵۴-۳۴۵۵-۳۴۵۶-۳۴۵۷-۳۴۵۸-۳۴۵۹-۳۴۶۰-۳۴۶۱-۳۴۶۲-۳۴۶۳-۳۴۶۴-۳۴۶۵-۳۴۶۶-۳۴۶۷-۳۴۶۸-۳۴۶۹-۳۴۷۰-۳۴۷۱-۳۴۷۲-۳۴۷۳-۳۴۷۴-۳۴۷۵-۳۴۷۶-۳۴۷۷-۳۴۷۸-۳۴۷۹-۳۴۸۰-۳۴۸۱-۳۴۸۲-۳۴۸۳-۳۴۸۴-۳۴۸۵-۳۴۸۶-۳۴۸۷-۳۴۸۸-۳۴۸۹-۳۴۹۰-۳۴۹۱-۳۴۹۲-۳۴۹۳-۳۴۹۴-۳۴۹۵-۳۴۹۶-۳۴۹۷-۳۴۹۸-۳۴۹۹-۳۵۰۰-۳۵۰۱-۳۵۰۲-۳۵۰۳-۳۵۰۴-۳۵۰۵-۳۵۰۶-۳۵۰۷-۳۵۰۸-۳۵۰۹-۳۵۱۰-۳۵۱۱-۳۵۱۲-۳۵۱۳-۳۵۱۴-۳۵۱۵-۳۵۱۶-۳۵۱۷-۳۵۱۸-۳۵۱۹-۳۵۲۰-۳۵۲۱-۳۵۲۲-۳۵۲۳-۳۵۲۴-۳۵۲۵-۳۵۲۶-۳۵۲۷-۳۵۲۸-۳۵۲۹-۳۵۳۰-۳۵۳۱-۳۵۳۲-۳۵۳۳-۳۵۳۴-۳۵۳۵-۳۵۳۶-۳۵۳۷-۳۵۳۸-۳۵۳۹-۳۵۴۰-۳۵۴۱-۳۵۴۲-۳۵۴۳-۳۵۴۴-۳۵۴۵-۳۵۴۶-۳۵۴۷-۳۵۴۸-۳۵۴۹-۳۵۵۰-۳۵۵۱-۳۵۵۲-۳۵۵۳-۳۵۵۴-۳۵۵۵-۳۵۵۶-۳۵۵۷-۳۵۵۸-۳۵۵۹-۳۵۶۰-۳۵۶۱-۳۵۶۲-۳۵۶۳-۳۵۶۴-۳۵۶۵-۳۵۶۶-۳۵۶۷-۳۵۶۸-۳۵۶۹-۳۵۷۰-۳۵۷۱-۳۵۷۲-۳۵۷۳-۳۵۷۴-۳۵۷۵-۳۵۷۶-۳۵۷۷-۳۵۷۸-۳۵۷۹-۳۵۸۰-۳۵۸۱-۳۵۸۲-۳۵۸۳-۳۵۸۴-۳۵۸۵-۳۵۸۶-۳۵۸۷-۳۵۸۸-۳۵۸۹-۳۵۹۰-۳۵۹۱-۳۵۹۲-۳۵۹۳-۳۵۹۴-۳۵۹۵-۳۵۹۶-۳۵۹۷-۳۵۹۸-۳۵۹۹-۳۶۰۰-۳۶۰۱-۳۶۰۲-۳۶۰۳-۳۶۰۴-۳۶۰۵-۳۶۰۶-۳۶۰۷-۳۶۰۸-۳۶۰۹-۳۶۱۰-۳۶۱۱-۳۶۱۲-۳۶۱۳-۳۶۱۴-۳۶۱۵-۳۶۱۶-۳۶۱۷-۳۶۱۸-۳۶۱۹-۳۶۲۰-۳۶۲۱-۳۶۲۲-۳۶۲۳-۳۶۲۴-۳۶۲۵-۳۶۲۶-۳۶۲۷-۳۶۲۸-۳۶۲۹-۳۶۳۰-۳۶۳۱-۳۶۳۲-۳۶۳۳-۳۶۳۴-۳۶۳۵-۳۶۳۶-۳۶۳۷-۳۶۳۸-۳۶۳۹-۳۶۴۰-۳۶۴۱-۳۶۴۲-۳۶۴۳-۳۶۴۴-۳۶۴۵-۳۶۴۶-۳۶۴۷-۳۶۴۸-۳۶۴۹-۳۶۵۰-۳۶۵۱-۳۶۵۲-۳۶۵۳-۳۶۵۴-۳۶۵۵-۳۶۵۶-۳۶۵۷-۳۶۵۸-۳۶۵۹-۳۶۶۰-۳۶۶۱-۳۶۶۲-۳۶۶۳-۳۶۶۴-۳۶۶۵-۳۶۶۶-۳۶۶۷-۳۶۶۸-۳۶۶۹-۳۶۷۰-۳۶۷۱-۳۶۷۲-۳۶۷۳-۳۶۷۴-۳۶۷۵-۳۶۷۶-۳۶۷۷-۳۶۷۸-۳۶۷۹-۳۶۸۰-۳۶۸۱-۳۶۸۲-۳۶۸۳-۳۶۸۴-۳۶۸۵-۳۶۸۶-۳۶۸۷-۳۶۸۸-۳۶۸۹-۳۶۹۰-۳۶۹۱-۳۶۹۲-۳۶۹۳-۳۶۹۴-۳۶۹۵-۳۶۹۶-۳۶۹۷-۳۶۹۸-۳۶۹۹-۳۷۰۰-۳۷۰۱-۳۷۰۲-۳۷۰۳-۳۷۰۴-۳۷۰۵-۳۷۰۶-۳۷۰۷-۳۷۰۸-۳۷۰۹-۳۷۱۰-۳۷۱۱-۳۷۱۲-۳۷۱۳-۳۷۱۴-۳۷۱۵-۳۷۱۶-۳۷۱۷-۳۷۱۸-۳۷۱۹-۳۷۲۰-۳۷۲۱-۳۷۲۲-۳۷۲۳-۳۷۲۴-۳۷۲۵-۳۷۲۶-۳۷۲۷-۳۷۲۸-۳۷۲۹-۳۷۳۰-۳۷۳۱-۳۷۳۲-۳۷۳۳-۳۷۳۴-۳۷۳۵-۳۷۳۶-۳۷۳۷-۳۷۳۸-۳۷۳۹-۳۷۴۰-۳۷۴۱-۳۷۴۲-۳۷۴۳-۳۷۴۴-۳۷۴۵-۳۷۴۶-۳۷۴۷-۳۷۴۸-۳۷۴۹-۳۷۵۰-۳۷۵۱-۳۷۵۲-۳۷۵۳-۳۷۵۴-۳۷۵۵-۳۷۵۶-۳۷۵۷-۳۷۵۸-۳۷۵۹-۳۷۶۰-۳۷۶۱-۳۷۶۲-۳۷۶۳-۳۷۶۴-۳۷۶۵-۳۷۶۶-۳۷۶۷-۳۷۶۸-۳۷۶۹-۳۷۷۰-۳۷۷۱-۳۷۷۲-۳۷۷۳-۳۷۷۴-۳۷۷۵-۳۷۷۶-۳۷۷۷-۳۷۷۸-۳۷۷۹-۳۷۸۰-۳۷۸۱-۳۷۸۲-۳۷۸۳-۳۷۸۴-۳۷۸۵-۳۷۸۶-۳۷۸۷-۳۷۸۸-۳۷۸۹-۳۷۹۰-۳۷۹۱-۳۷۹۲-۳۷۹۳-۳۷۹۴-۳۷۹۵-۳۷۹۶-۳۷۹۷-۳۷۹۸-۳۷۹۹-۳۸۰۰-۳۸۰۱-۳۸۰۲-۳۸۰۳-۳۸۰۴-۳۸۰۵-۳۸۰۶-۳۸۰۷-۳۸۰۸-۳۸۰۹-۳۸۱۰-۳۸۱۱-۳۸۱۲-۳۸۱۳-۳۸۱۴-۳۸۱۵-۳۸۱۶-۳۸۱۷-۳۸۱۸-۳۸۱۹-۳۸۲۰-۳۸۲۱-۳۸۲۲-۳۸۲۳-۳۸۲۴-۳۸۲۵-۳۸۲۶-۳۸۲۷-۳۸۲۸-۳۸۲۹-۳۸۳۰-۳۸۳۱-۳۸۳۲-۳۸۳۳-۳۸۳۴-۳۸۳۵-۳۸۳۶-۳۸۳۷-۳۸۳۸-۳۸۳۹-۳۸۴۰-۳۸۴۱-۳۸۴۲-۳۸۴۳-۳۸۴۴-۳۸۴۵-۳۸۴۶-۳۸۴۷-۳۸۴۸-۳۸۴۹-۳۸۵۰-۳۸۵۱-۳۸۵۲-۳۸۵۳-۳۸۵۴-۳۸۵۵-۳۸۵۶-۳۸۵۷-۳۸۵۸-۳۸۵۹-۳۸۶۰-۳۸۶۱-۳۸۶۲-۳۸۶۳-۳۸۶۴-۳۸۶۵-۳۸۶۶-۳۸۶۷-۳۸۶۸-۳۸۶۹-۳۸۷۰-۳۸۷۱-۳۸۷۲-۳۸۷۳-۳۸۷۴-۳۸۷۵-۳۸۷۶-۳۸۷۷-۳۸۷۸-۳۸۷۹-۳۸۸۰-۳۸۸۱-۳۸۸۲-۳۸۸۳-۳۸۸۴-۳۸۸۵-۳۸۸۶-۳۸۸۷-۳۸۸۸-۳۸۸۹-۳۸۹۰-۳۸۹۱-۳۸۹۲-۳۸۹۳-۳۸۹۴-۳۸۹۵-۳۸۹۶-۳۸۹۷-۳۸۹۸-۳۸۹۹-۳۹۰۰-۳۹۰۱-۳۹۰۲-۳۹۰۳-۳۹۰۴-۳۹۰۵-۳۹۰۶-۳۹۰۷-۳۹۰۸-۳۹۰۹-۳۹۱۰-۳۹۱۱-۳۹۱۲-۳۹۱۳-۳۹۱۴-۳۹۱۵-۳۹۱۶-۳۹۱۷-۳۹۱۸-۳۹۱۹-۳۹۲۰-۳۹۲۱-۳۹۲۲-۳۹۲۳-۳۹۲۴-۳۹۲۵-۳۹۲۶-۳۹۲۷-۳۹۲۸-۳۹۲۹-۳۹۳۰-۳۹۳۱-۳۹۳۲-۳۹۳۳-۳۹۳۴-۳۹۳۵-۳۹۳۶-۳۹۳۷-۳۹۳۸-۳۹۳۹-۳۹۴۰-۳۹۴۱-۳۹۴۲-۳۹۴۳-۳۹۴۴-۳۹۴۵-۳۹۴۶-۳۹۴۷-۳۹۴۸-۳۹۴۹-۳۹۵۰-۳۹۵۱-۳۹۵۲-۳۹۵۳-۳۹۵۴-۳۹۵۵-۳۹۵۶-۳۹۵۷-۳۹۵۸-۳۹۵۹-۳۹۶۰-۳۹۶۱-۳۹۶۲-۳۹۶۳-۳۹۶۴-۳۹۶۵-۳۹۶۶-۳۹۶۷-۳۹۶۸-۳۹۶۹-۳۹۷۰-۳۹۷۱-۳۹۷۲-۳۹۷۳-۳۹۷۴-۳۹۷۵-۳۹۷۶-۳۹۷۷-۳۹۷۸-۳۹۷۹-۳۹۸۰-۳۹۸۱-۳۹۸۲-۳۹۸۳-۳۹۸۴-۳۹۸۵-۳۹۸۶-۳۹۸۷-۳۹۸۸-۳۹۸۹-۳۹۹۰-۳۹۹۱-۳۹۹۲-۳۹۹۳-۳۹۹۴-۳۹۹۵-۳۹۹۶-۳۹۹۷-۳۹۹۸-۳۹۹۹-۴۰۰۰-۴۰۰۱-۴۰۰۲-۴۰۰۳-۴۰۰۴-۴۰۰۵-۴۰۰۶-۴۰۰۷-۴۰۰۸-۴۰۰۹-۴۰۱۰-۴۰۱۱-۴۰۱۲-۴۰۱۳-۴۰۱۴-۴۰۱۵-۴۰۱۶-۴۰۱۷-۴۰۱۸-۴۰۱۹-۴۰۲۰-۴۰۲۱-۴۰۲۲-۴۰۲۳-۴۰۲۴-۴۰۲۵-۴۰۲

دوسروں کے مشورہ پر غور کرنا چاہئے، بسا اوقات دوسروں کے مشورہ میں مسئلہ کا حل ہوتا ہے۔

حاطب بن ابی بلتعہ کا واقعہ

اختلافات اور مسائل کے حل کی تیسری مثال وہ واقعہ ہے جو فتح مکہ سے قبل صحابی رسول ﷺ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ سے پیش آیا انہوں نے بغیر کسی فساد نیت کے اپنے قرابت داروں سے حسن سلوک کے لالچ میں جنگی راز کا اقتناء کیا گو کہ ان کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانا ہرگز نہ تھا لیکن بہر حال حقیقت کے لحاظ سے ان کا اقدام سنگین تھا، اس مسئلہ سے نمٹنے کے لیے حضور ﷺ نے اول تو معاملہ کی پوری تحقیق کی، جس عورت کے ہاتھ انہوں نے خط بھیجا تھا صحابہ کو روانہ کر کے اسے منگوایا، تحقیق کے بغیر ان کے خلاف اقدام نہیں کیا، اگر بلا تحقیق کوئی اقدام کیا جاتا تو مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو جاتا، پھر جب تحقیق کے بعد ان کی غلطی پایہ ثبوت کو پہنچی تو انہیں حقانیت کے اظہار اور اپنے دفاع کا پورا موقع دیا، حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے صاف صاف بتا دیا اور حضور ﷺ سے معذرت چاہی، حضور ﷺ کو جب یقین ہو گیا کہ حاطب کے معاملہ میں دل کا کھوٹ یا فساد نیت نہیں ہے بلکہ وہ محض مسلمان ہیں تو آپ ﷺ نے انہیں معاف کر دیا، اگر مخلص جاننے کے باوجود معذرت قبول نہ کی جاتی تو ان کا معاملہ مسلمانوں کے لیے فتنہ بن سکتا تھا۔ (۱)

حل اختلاف کے سات کامیاب اصول

اختلافات کے حل کے نبوی طریق کار کو سمجھنے کے لیے ان حضرات صحابہ کی زندگی بھی سامنے رکھنی چاہئے، جن کی آپ نے تربیت فرمائی، صحابہ کے درمیان اختلاف ہی نہ ہوتے ہوں بلکہ کئی مواقع پر صحابہ میں اختلاف پیدا ہوئے لیکن انہوں نے اپنے آپسی اختلاف کو انہیں خطوط کی روشنی میں حل کیا جو رسول اللہ ﷺ نے متعین فرمائے تھے، اس طرح اختلافات کے حل کے لئے صحابہ کا اختیار کردہ طریق دراصل حضور اکرم ﷺ کا ہی طریق ہے، اس لیے کہ انہوں نے اسے رسول ہی

سے یکساں تھا، اختلافات کے موقع پر حضرات صحابہ کن باتوں کو ملحوظ رکھتے تھے یا بالفاظ دیگر اختلافات کے حل کے لیے وہ کیا طریق کار اپناتے تھے اسے عالم عرب کے ممتاز مفکر و عالم ڈاکٹر طہ جابر فیاض علوانی نے درج ذیل نکات میں بیان فرمایا ہے۔

۱۔ صحابہ کی امکانی کوشش یہ ہوتی تھی کہ کوئی اختلاف نہ پیدا ہو اس لیے مسائل اور فروعی امور میں زیادہ گفتگو کے بجائے ہدایات رسول ہی کی روشنی میں مسائل و معاملات کا حل تلاش کیا کرتے تھے۔ اس طرح کسی مسئلہ کا حل نکال لیا جائے تو اختلاف کی گنجائش ہی باقی نہ رہتی، تنازع و افتراق کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۲۔ اختلاف سے بچنے کی کوششوں کے باوجود اگر کسی معاملہ میں اختلاف ہو جاتا تو وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ لیتے جس سے ان کا سارا اختلاف دور ہو جاتا۔
۳۔ حکم خدا اور رسول کے سامنے وہ فوراً جھک جاتے اسے مکمل طور پر تسلیم کر لیتے اور ہمیشہ اس کا التزام رکھتے۔

۴۔ جن امور میں، اوّل ممکن ہوتی ان میں رسول اکرم ﷺ ان کی تصویب فرماتے اور ان کے استنباط کو درست قرار دیتے، ہر صحابی کو یہ احساس رہتا کہ اس کے بھائی کی رائے بھی اسی طرح درست ہو سکتی ہے، جیسے اس کی نظر میں اپنی رائے درست اور برحق ہے، یہ احساس ہی اس بات کا ضامن ہے کہ اپنے بھائی کا احترام کیا جائے اور منصب رائے سے دور رہا جائے۔

۵۔ نفسانیت سے دور رہ کر احتیاط و تقویٰ کی راہ اختیار کرتے جس کا فائدہ یہ ہے کہ حقیقت تک رسائی فریقین کا مطمح نظر اور ان کا مقصود اصلی ہوتا اور ان کی نظریں اس کی کوئی اہمیت نہ ہوتی کہ اس کا اظہار خود اس کی زبان سے ہو یا اس کے کسی بھائی کی زبان سے۔

۶۔ اسلامی آداب کی رعایت کرتے کہ نرمی کے ساتھ اچھی گفتگو کی جائے جارحانہ الفاظ اور طرز خطاب سے اجتناب کیا جائے اور ہر ایک کی بات نیک نیتی اور دہم جمعی سے سنی جائے۔

۷۔ گفتگو کی تلخی سے حتی الامکان پرہیز کرتے ہوئے زیر بحث موضوع میں ایسی کوشش

کرتے کہ جس سے ہر ایک کی رائے میں بنجیدگی اور احترام کا پہلو غالب رہے، تاکہ مخالف ہماری رائے قبول کرے یا اس کے سامنے اچھی رائے پیش ہو جائے۔

یہ وہ اصول ہیں جنہیں اختلافات کے حل کے نبوی اصول کہا جاسکتا ہے صحابہؓ کے دور میں جن جن موقعوں پر اختلاف رونما ہوا، صحابہ رسول نے انہی اصولوں کی روشنی میں ان اختلافات کا حل نکالا اس سلسلہ میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عہد صحابہ کے اختلافات کے دو تین نمونے پیش کئے جائیں۔

رحلتِ مصطفیٰ کے بعد پہلا اختلاف

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سب سے پہلے جس معاملہ میں اختلاف ہوا وہ آپ کی حقیقت وفات کے سلسلہ میں تھا، حضرت عمرؓ کا اصرار تھا کہ آپ ﷺ کی وفات نہیں ہوئی یہ محض منافقین کی اڑائی ہوئی خبر ہے، حضرت ابوبکرؓ آئے تو انہوں نے قرآن کی آیت ”وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبِهِ فَلَنْ يَصُرَ اللَّهُ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ“۔ (آل عمران) اور آیت ”إِنك ميت والنهم ميتون تلاوت فرمائی (زمر ۱۸)

ان آیات کا سننا تھا کہ حضرت عمرؓ کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور اس کے ساتھ وہ خود بھی زمین پر گر پڑے عمرؓ کو یقین ہو گیا کہ رسول ﷺ کا انتقال ہو چکا ہے اور سلسلہ وحی بھی منقطع ہو چکا ہے اور عمرؓ کہنے لگے کہ بخدا گویا میں نے ان آیتوں کو کبھی پڑھا ہی نہیں۔ (۱)

اس کے بعد دوسرا اختلاف اس میں ہوا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے؟ کسی نے مسجد نبوی کی رائے دی، کسی نے کہا کہ دیگر صحابہ کے ساتھ آپ کو دفن کیا جائے، اتنے میں حضرت ابوبکرؓ نے کہا

کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: ”ما قبض نبی الا دفن حیث قبض“ ہر نبی کی تدفین وہیں ہوتی ہے جہاں اس کی روح قبض ہوئی ہو، یہ سننا تھا کہ صحابہ نے اس بستر کو اٹھایا جس پر آپ کا انتقال ہوا تھا اور وہیں آپ کی قبر بنائی گئی۔ (۱)

امت مسلمہ کا نازک اختلاف

رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد سب سے نازک گھڑی اس وقت آئی جب خلافت کا مسئلہ پیدا ہوا، ابتدائی حالات سے تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ امت انتشار کا شکار ہو جائے گی، انصار سقیفہ بنو ساعدہ میں اپنے سرداروں کے ساتھ مجلس کرنے لگے، حضرت ابوبکر و عمرؓ وہاں پہنچے، ان کا خطیب اسی خلافت کے معاملہ میں تقریر کر رہا تھا جس میں انصار کی خوبیوں اور خلافت کے لیے ان کی قابلیت کا ذکر کیا جا رہا تھا، اس کی تقریر ختم ہونے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہو گئے، ابتداء میں انصار کی خوبیوں کا نہ صرف اعتراف کیا بلکہ جو فضائل و مناقب چھوٹ گئے تھے ان کا بھی ذکر کیا پھر فرمایا: ”معاملہ صرف مدینہ منورہ کا نہیں ہے، آج جزیرۃ العرب پر اسلام سایہ فگن ہے، مدینہ میں یتیم مہاجرین اپنے انصار بھائیوں کی فضیلت و برتری کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں مستحق خلافت سمجھ لیں جب بھی بقیہ اہل عرب غیر قریش کی خلافت تسلیم نہیں کر سکتے اور جب تک ہمارا اتحاد برقرار نہیں رہے گا اس وقت تک ہم جزیرۃ العرب سے باہر دعوت اسلام نہیں پھیلا سکتے، اسلام کے عروج و اقبال، دلوں کی ہم آہنگی اور مکمل اتحاد و اتفاق اور دعوت کا تسلسل باقی رکھنے کے لئے کوئی قریشی خلیفہ ہونا ضروری ہے، اس کے بعد آپ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور عبیدہ میں سے کسی ایک کے انتخاب کی دعوت دی، حضرت عمرؓ نے کہا اس انتخاب کے علاوہ آپ کی ہر بات مجھے پسند آئی میرے کسی اقدام سے میری گردن مار دی جائے جس سے مجھ پر کوئی گناہ عائد نہ ہو یہ میرے نزدیک اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ مجھے ایسی قوم کا حکمراں بنایا جائے جس میں ابوبکر جیسی عظیم شخصیت ہو، پھر انصار کا ایک اور خطیب اٹھ کر کہنے لگا اے قریش! ایک امیر ہمارا اور ایک امیر تمہارا ہونا چاہئے، عمرؓ

کہتے ہیں کہ اس تجویز کے بعد چہ می گوئیاں بڑھ گئیں قریب تھا کہ انتشار و تنازع پیدا ہو، میں نے ابو بکرؓ سے کہا آپ ہاتھ بڑھائیے، انہوں نے ہاتھ بڑھایا میں نے بیعت کی پھر مہاجرین نے اور انصار نے بھی بیعت کی۔

ان واقعات سے اجتماعی معاملات میں اختلاف کے حل کا نبوی طریق کار صاف جھلکتا ہے، صحابہ نے انہی خطوط پر اختلافات کو حل کیا جو رسول اکرم ﷺ نے انہیں سکھائے تھے، یہ صرف چند نمونے ہیں ورنہ اس طرح کی اور مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

فروعی مسائل میں اختلاف کا حل

اختلاف کی دوسری قسم وہ ہے جو دین و شریعت کے فروعی مسائل میں پائی جاتی ہے، فی زمانہ اس نوعیت کے اختلافات عروج پر ہیں، اور لوگ مجتہد فیہ فروعی مسائل کو حق و باطل کے معیار پر جانچنے لگے ہیں، حتیٰ کہ فروعی مسائل کو بنیاد بنا کر ایک دوسرے کی تکفیر بھی کی جا رہی ہے، جب کہ یہ طریق کار کتاب و سنت سے ہٹا ہوا ہے، فروعی اختلافات صحابہ کے درمیان بھی پائے جاتے تھے لیکن صحابہ نے ایسے مسائل کو انا کا مسئلہ نہیں بنایا، اختلاف کے باوجود ان کے دل آپس میں ملے رہتے تھے، علامہ ابن تیمیہؒ فروعی مسائل میں اختلاف کے موقع پر صحابہ کے طرز عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں ”صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین جب کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے تھے تو اللہ کے حکم ”فقروا الى الله“ (سورہ زاریات: ۳۱) کی اطاعت کرتے تھے اور وہ مشورہ اور خیر خواہی کے طور پر کسی مسئلہ میں بحث و مباحثہ فرماتے تھے، اور کبھی ان میں کسی علمی یا عملی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تھا تو آپس میں محبت بھائی چارگی اور احترام باقی رہتا تھا، احکام میں تو بے شمار اختلافات واقع ہوئے ہیں اگر ایسا ہوتا کہ جب کبھی دو مسلمان میں اختلاف ہو وہ دونوں ایک دوسرے سے قطع تعلق کر لیتے تو پھر مسلمانوں کے درمیان بھائی چارگی باقی نہ رہتی۔

✽ صحابہ کے درمیان بے شمار اختلافات ہوئے لیکن انہوں نے طریقہ نبویؐ کی روشنی میں اختلافات کو زنجش اور ناچاقی کا مسئلہ نہ بنایا، حضرت عمرؓ و ابو بکرؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ کے درمیان کئی

فروعی مسائل میں اختلاف تھا، ابن مسعودؓ اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں کے درمیان کر لیتے تھے اور گھٹنوں پر رکھنے سے روکتے تھے، اور عمرؓ گھٹنوں پر رکھتے تھے، اور درمیان میں رکھنے سے منع فرماتے تھے، اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے ”انت علی حرام“ تم مجھ پر حرام ہو تو ابن مسعودؓ فرماتے تھے کہ یہ قسم ہے اور عمرؓ فرماتے کہ یہ ایک طلاق ہے۔

علامہ ابن قیمؒ کے مطابق ان کے درمیان سو مسائل میں اختلاف تھا لیکن اتنے سارے مسائل میں اختلاف کے باوجود آپسی احترام اور تعلق خاطر کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ تشریف فرما تھے اتنے میں ابن مسعودؓ آئے آپ کو آتے دیکھا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا علم و فقہ سے بھری ہوئی شخصیت اور ایک روایت کے مطابق علم سے ایسے بھرے ہوئے کہ میں اہل قادیسیہ پر انہیں ترجیح دیتا ہوں۔

رسول اکرم ﷺ کی موجودگی میں صحابہ کا فروعی مسائل میں اختلاف اس لیے نہیں تھا کہ سارے معاملات و مسائل صحابہ آپ سے رجوع کر کے حل کر لیا کرتے تھے، صحابہ فروعی مسائل میں اجتہاد کرتے تو اگر ان کا اجتہاد صحیح ہوتا تو آپ اس کی تصویب فرماتے ورنہ صحیح حکم بیان فرماتے، اس سے اختلاف کی بنیاد ختم ہو جاتی رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں مسائل میں اختلاف کی دو مثالیں بہت نمایاں ہیں جن سے فروعی مسائل میں اختلاف کے حل کا نبوی طریق کار سمجھا جاسکتا ہے، ایک واقعہ غزوہ احزاب کے وقت پیش آیا، حضور ﷺ نے کہا ”لایصلین احدکم العصر الا فی بنی قریظہ“ بنی قریظہ آنے سے پہلے کوئی نماز عصر ادا نہ کرے، جب راستہ ہی میں عصر کا وقت آگیا تو بعض صحابہ نے کہا دیار بنی قریظہ سے پہلے ہم نماز عصر نہیں پڑھ سکتے اور کچھ نے کہا کہ ہم تو پڑھ لیں گے آپ کے سامنے جب یہ واقعہ ذکر کیا گیا تو آپ نے دونوں فریقوں میں سے کسی سے بھی باز پرس نہ کی۔ اس واقعہ میں صحابہ کو ”لایصلین احدکم العصر الا فی بنی قریظہ“ والے نص کے سمجھنے میں اختلاف ہوا ایک فریق نے ظاہر نص پر عمل کیا اور دوسرے نے نص کے مخصوص معنی کا استنباط کیا رسول اکرم ﷺ نے دونوں کی تصویب فرمائی، دوسرا واقعہ حضرت

عمر و بن عامر کا ہے وہ کہتے ہیں کہ غزوہ ذات السلاسل کے موقع پر ایک سرورات مجھے احتلام ہوا، اگر میں غسل کرتا تو ہلاکت کا خطرہ تھا، اس لیے تیمم کر کے جماعت سے فجر کی نماز پڑھ لی، میرے ساتھیوں نے جب نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا عمرو حالت جنابت میں تم نے جماعت سے نماز پڑھ لی میں نے عرض حال کیا اور یہ آیت پڑھی ”ولا تفتکوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیم“ (نساء) اور اپنی جانیں قتل نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے یہ سن کر آپ نے ہنس لگے اور کچھ نہیں فرمایا۔

مختصر یہ کہ اختلافات چاہے اجتماعی معاملات میں ہوں یا فردی مسائل میں رسول اکرم ﷺ نے ان کے حل کا بہترین نمونہ امت کے لیے چھوڑا ہے، اگر امت مسلمہ اپنے ہر قسم کے اختلافات میں اسوہ نبی کو پیش نظر رکھے تو وہ اختلافات میں اسوہ نبی کو پیش نظر رکھے تو وہ اختلافات کے تباہ کن اثرات سے خود کو محفوظ رکھ سکتی ہے۔

سیرت رسول ﷺ اور انسانی حقوق

بعثت سے قبل انسانی حقوق کو جس طرح پامال کیا جاتا تھا وہ ایک سنسنی خیز داستان ہے جان و مال اور عزت و آبرو ہر چیز خطرے میں تھی ہر طرف انسان نما بھیڑیوں کا راج تھا، معمولی سی باتوں پر جنگوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا، سفاکیت و بربریت کا ننگا ناچ تھا ایسے مہیب سنائے میں فاران کی چوٹیوں سے ایک آفتاب عالم تاب نمودار ہوا جس کی ضیا پاش کروں سے سارے عالم میں ایک نیا سوریا طلوع ہوا، دم توڑتی انسانیت میں جان آگئی، علم و بربریت کی گھنور گھٹائیں چھلٹی چلی گئیں اور پہلی مرتبہ انسان اپنے حقوق سے آشنا ہو سکا، قبل اس کے کہ ہم آپ ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں ان تمام حقوق پر سرسری نظر ڈالیں جن سے آپ نے بہت پہلے انسانیت کو آشنا کیا تھا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دور حاضر میں انسانی حقوق کی ارتقائی تاریخ کا مختصر جائزہ لیں تاکہ یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے اور آج کی مہذب دنیا جو حقوق انسانی کی رٹ لگائے ٹھکتی نہیں یہ جان جائے کہ انسانی حقوق کے جس کھوکھلے تصور تک وہ پہنچی ہے اس سے کہیں زیادہ جامع تصور محمد عربی ﷺ نے چودہ سال قبل پیش کیا تھا۔

حقوق انسانی کا ارتقاء

صنعتی انقلاب کے آغاز سے مغرب میں حقوق انسانی کا شعور پیدا ہوا مغربی ادیبوں اور مختلف دانشوروں نے زبان و ادب کے ذریعہ اس فکر کا خوب پروپیگنڈہ کیا کہ انسان کے بھی بحیثیت انسان ہونے کے چند فطری حقوق ہوتے ہیں جن سے کسی بھی فرد کو محروم نہیں کیا جاسکتا ہے چنانچہ ان حضرات کی مسلسل کوششوں کے نتیجے میں انسانی حقوق کا منشور ۱۹۸۹ء میں نمودار ہوا، اور انقلاب فرانس کا اہم جز قرار پایا اس میں قوم کی حاکمیت، آزادی، مساوات اور ملکیت جیسے فطری حقوق وغیرہ کا اثبات کیا گیا تھا، پھر امریکہ میں جو ترامیم کی گئیں ان میں بڑی حد تک وہ تمام حقوق گنوائے گئے جو برطانیہ فلسفہ جمہوریت پر مبنی ہو سکتے تھے، پھر تدریجاً حقوق انسانی کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا، ”یو این او“ کی تشکیل کے بعد بہت سے مثبت اور بہت سے تحفظاتی حقوق کے متعلق

قرارداد میں پاس کی گئیں، بالآخر عالمی منشور حقوق انسانی سامنے آیا، ڈسمبر ۱۹۴۶ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ایک ریزولوشن پاس کیا جس میں انسانوں کی نسل کشی کو ایک بین الاقوامی جرم قرار دیا گیا، ۱۹۶۸ء میں نسل کشی کے انسداد کے لیے ایک قرارداد پاس کی گئی اور ۱۲/ جنوری ۱۹۵۱ء میں اس کا نفاذ ہوا۔

موجودہ انسانی حقوق حقیقت کے آئینہ میں

دور حاضر میں انسانی حقوق کے ارتقاء کا جو سرسری جائزہ ملاحظہ بالا میں لیا گیا ہے اس سے سب سے پہلے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مغرب میں حقوق انسانی کے تصور کی دو تین صدیوں سے پہلے کوئی تاریخ نہیں ہے جبکہ محمد عربی ﷺ نے چودہ سو سال پہلے نہ صرف یہ کہ حقوق انسانی کا ایک جامع تصور انسانیت کے سامنے پیش کیا بلکہ ان کو عملی جامہ پہنا کر ایک صالح معاشرہ کو جنم دیا، مغرب کا یہ پروپیگنڈہ کہ سب سے پہلے اسی نے انسانی حقوق کی رعایت کے مثالی نمونے دیکھے گئے تھے، علاوہ ازیں موجودہ عالمی تناظر میں حقوق انسانی کی اہمیت ایک نظریہ سے زیادہ نہیں ہے جن مغربی ممالک نے منشور حقوق انسان کی داغ بیل ڈالی تھی اور پہلی مرتبہ ساری انسانیت کو انسانی حقوق سے آشنا کرنے کا دعویٰ کیا تھا آج وہی ممالک حقوق انسانی کی خلاف ورزیوں میں پیش پیش نظر آتے ہیں، چنانچہ آئے دن ان ممالک میں جرائم پیشہ افراد کی شرح میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے، بالخصوص گذشتہ چند سالوں سے عالمی حقوق انسانی تنظیموں کی جو رپورٹیں منظر عام پر آرہی ہیں وہ انتہائی حد تک افسوسناک ہیں، ۱۹۹۶ء میں دنیا کے صرف ۳۵/ ممالک میں (۱۷۵۸) سیاسی مخالفین کا صفایا کیا جا چکا ہے، ہر ہفتہ مختلف امراض اور غذائی نقص کے سبب ۲۵۰ بچے موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں، ساری دنیا کی ۸۸۰ ملین آبادی آج بیروزگاری کا شکار ہے گذشتہ دس سالوں کے دوران پندرہ ملین سے زیادہ افراد جنگوں کی نذر ہو چکے ہیں اور چار ملین سے زیادہ زخمی اور بارہ ملین سے زیادہ بچے غریب الوطنی کی زندگی گزار رہے ہیں، صرف جنوبی افریقہ میں ۱۹۹۳ء میں (۴۳۶۴) افراد سیاسی تشدد کے نتیجے میں قتل کئے گئے، پھر یہ کہ مغرب کا حقوق انسانی فلسفہ صرف اس کے مفادات کے ارد گرد گھومتا ہے چنانچہ عالمی سطح پر پیش آنے والے

سیاسی انقلابات مغرب کے دوہرے موقف کا بین ثبوت پیش کرتے ہیں بوسینا نسل کشی کے سلسلہ میں اقوام متحدہ، امریکہ اور اس کے حلقوں نے خون خوار سربوں کو کھلی چھوٹ دے کر جس مذہبی عداوت کا ثبوت پیش کیا ہے تاریخ میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

انسانی حقوق اور تصور آخرت

اس وسیع پیمانے پر حقوق انسانی کی خلاف ورزیوں کے جہاں اور اسباب ہیں ان میں ایک بنیادی سبب حقوق انسانی کے نفاذ کے لیے کسی داخلی قوت نافذہ کا فقدان ہے، نتیجتاً حقوق انسانی ایک نظریہ بن کر رہ گیا ہے، جس کا عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن محمد عربی ﷺ نے حقوق انسانی کے صحیح نفاذ اور ان کو عملی زندگی سے مربوط کرنے کے لیے حقوق انسانی کو فکر آخرت سے جوڑ دیا، چنانچہ حدیث سے شغف رکھنے والا ہر شخص مطالعہ حدیث کے دوران یہ محسوس کرے گا کہ محمد عربی ﷺ نے جہاں کہیں انسانی حقوق کے سلسلہ میں کچھ فرمایا ہے اس کے ساتھ اخروی جزا اور سزا اور خوف خدا کی صراحت بھی کر دی ہے جس کی وجہ سے انسانی حقوق کا مسئلہ دین کا اہم جز قرار پایا محمد عربی ﷺ کی تعلیمات کا مکمل نصف حصہ وہ ہے جو صرف بندوں کے حقوق سے متعلق ہے جن کے بغیر دین ناقص رہ جاتا ہے نیز حقوق کے معاملے میں آپ ﷺ نے کسی طرح کے تساہل کو برداشت نہیں کیا بلکہ بعض حقوق کے سلسلہ میں تو یہاں تک تاکید فرمائی کہ ان کی ادائیگی کے بغیر ایمان ہی معتبر نہ ہو گا چنانچہ پڑوسی کے حقوق کے سلسلہ میں آپ ﷺ نے دو ٹوک انداز میں فرمایا کہ ”وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ رہے“ یہ اور اس جیسے سینکڑوں ارشادات ہیں جو بندوں کے اندر انسانی حقوق کی رعایت و حفاظت کی ایسی اسپرٹ پیدا کرتے ہیں جس کے بعد بندہ از خود انسانی حقوق کا محافظ بن جاتا ہے لیکن یہ بات مغربی حقوق انسانی نظام میں اس لیے پیدا نہیں ہو سکتی کہ وہ آسمانی ہدایت سے اپنا رشتہ کاٹ چکا ہے اس کے پاس کائنات کی حقیقت ایک مادہ سے زیادہ نہیں چنانچہ اسی مادی رجحان کے غلبہ نے اس دور کو روحانی حقائق اور معنوی اقدار سے دور کر دیا ہے۔

حقوق انسانی کا جامع تصور

مغرب نے انسانی حقوق کا جو تصور پیش کیا ہے وہ انتہائی ناقص تصور ہے یہی وجہ ہے کہ وہ زندگی کے مختلف شعبوں پر اثر انداز ہونے سے عاجز ہے یہ عجیب بات ہے کہ مغرب انسانی حقوق کی رٹ لگاتے ٹھکتا نہیں، جبکہ اس کے اقتصادی نظام اور سرمایہ دارانہ فلسفہ کی بنیاد ہی حقوق انسانی کی پامالی پر رکھی گئی ہے ظاہر ہے کہ ایک مخصوص طبقہ کے پاس مال و دولت کے منجمد رہنے سے کمزور طبقے بے روزی کا شکار ہو جاتے ہیں، سرمایہ دارانہ نظام کی اس لعنت نے آج انسانی معاشرہ کے لاکھوں افراد کو خط افلاس کے نیچے کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا ہے لیکن محمد عربی ﷺ نے حقوق انسانی کا ایک ایسا مربوط نظام پیش کیا ہے جو زندگی کے تمام شعبوں پر اثر انداز ہوتا ہے اسلامی قوانین کے نفاذ کے بعد دولت چند ہاتھوں سے سمٹ کر نہیں رہ سکتی، اس لیے کہ زکوٰۃ کے ذریعہ سالانہ آمدنی کا ڈھائی فیصد حصہ غریبوں کے لیے مخصوص کر دیا جاتا ہے، پھر اس پر مستزاد یہ کہ محمد عربی ﷺ نے ذخیرہ اندوزی کی سخت ممانعت فرمائی نیز سودی لین دین کو حرام قرار دیا، جس کے ذریعہ غریبوں کا استحصال کیا جاتا ہے ساتھ ہی اجارہ داری کرنے والا گنہگار ہے فرما کر اجارہ داری کا خاتمہ فرمایا جبکہ مغربی سرمایہ دارانہ نظام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے شدید کاروباری مسابقت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے کاروباری تباہ ہو جاتے ہیں اسی طرح اگر حقوق انسانی کے جامع تصور کو سامنے رکھ کر اشتراکی نظام کا جائزہ لیا جائے تو وہ بھی حقوق انسانی کا کامل پاسداری سے عاجز نظر آتا ہے، اس لیے کہ ذاتی ملکیت سے محروم کرنا دراصل اس کے فطری حق کو پامال کرنا ہے، کھانا، کپڑا اور مکان ہی انسان کی بنیادی ضرورتیں نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ انسان کے بعض فطری جذبات بھی ہوتے ہیں جن کی تکمیل کے بغیر وہ حقیقی آزادی سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔

انسانی حقوق میں فرد اور معاشرہ کی رعایت

اشتراکیت اور سرمایہ داری کی بنیادی کمزوری یہ ہے کہ دونوں فرد اور معاشرہ کے درمیان

توازن برقرار رکھنے سے قاصر ہیں چنانچہ سرمایہ دارانہ نظام فرد کے حقوق اور ان کے تقدس کو اس قدر اہمیت دیتا ہے کہ جس سے اجتماعی اور معاشرہ کے حقوق فرد کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں اور محض ایک شخص کی ذاتی منفعت کی خاطر سارا معاشرہ بنیادی حقوق سے محروم ہو جاتا ہے جبکہ سرمایہ دارانہ نظام کے بالکل برعکس اشتراکیت ہے جو اجتماع کو اصل بنیاد قرار دیتی ہے جس سے ہٹ کر آزاد فرد کا کوئی وجود نہیں، چنانچہ اشتراکیت افراد سے ذاتی ملکیت کے تمام حقوق چھین لیتی ہے اس طرح اشتراکی نظام اجتماعی اور معاشرہ کے نام نہاد تحفظ کی خاطر انفرادی حقوق کے پامال کرنے کا روادار ہے، لیکن محمد عربی ﷺ کا پیش کردہ انسانی حقوق کا نظام ان دونوں سے بالکل مختلف ہے، وہ نہ فرد کی خاطر اجتماعی حقوق سے صرف نظر کرتا ہے اور نہ اجتماعی حقوق کی خاطر فرد کو بے بس بنادیتا ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان ایسا توازن پیدا کرتا ہے جس سے دونوں طرح کے حقوق کا کامل تحفظ ہوتا ہے، اس تفصیل سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ موجودہ حقوق انسانی محض ایک کھوکھلا نعرہ ہے جس کی حقیقت کی دنیا میں کوئی حیثیت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ مغرب شدید پروپیگنڈہ کے باوجود انسانی حقوق کے تحفظ میں پوری طرح ناکام ہے، حیرت کی بات ہے کہ آج ہر طرف انسانی حقوق کے نعروں نے پارلیمنٹ کے ایوانوں کو لرزادیا ہے اور انسانی حقوق کے راگ الا پنادور حاضر کافیشن بن چکا ہے لیکن پھر بھی انسان اپنے آپ کو غیر محفوظ پارہا ہے، ہر طرف انسانی حقوق کو بری طرح پامال کیا جا رہا ہے اور نیا دن ایک نئی داستان الم کے ساتھ طلوع ہو رہا ہے اس گفتگو کے بعد اب ہم اپنے مقصود اصلی کی طرف لوٹتے ہوئے محمد عربی ﷺ کی احادیث کی روشنی میں ان تمام حقوق کو علی الترتیب بیان کرتے ہیں جن کے بارے میں عام طور پر یہ تصور پایا جاتا ہے کہ یہ مغرب کی ایجاد ہیں ویسے تو اسلام میں انسانی حقوق کی ایک طویل فہرست ہے جس کا احاطہ دشوار ہے تاہم بعض بنیادی حقوق اختصار کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں۔

تحفظ جان یا حق زندگی

ہر شخص کو زندہ رہنے کا حق ہے اور یہ حقوق انسانی میں سب سے پہلا اور بنیادی حق ہے اس

لیے کہ جان انسان کا سب سے قیمتی اثاثہ ہے اسی کے ارد گرد زندگی کی سرگرمیاں گھومتی ہیں، محمد عربی ﷺ کی بعثت سے قبل انسانی جانوں کی کوئی قیمت نہ تھی محمد عربی ﷺ نے وحشی درندوں کو انسانی جان کا احترام سکھایا اور ایک جان کے قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیا نیز حج کے بین الاقوامی اجتماع کے دن ساری انسانیت کو خطاب کر کے انسان کے بنیادی حقوق کا اعلان کیا اور حق زندگی کو سب پر مقدم کیا نیز ایک حدیث میں انسانی جان کے قتل کو گناہ کبیرہ قرار دیا، حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بڑے گناہ یہ ہیں، اللہ کے ساتھ کسی کو سا جھ بنانا، کسی جان کو مارنا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا (۱) دوسری حدیث میں محمد عربی ﷺ نے تحفظ جان کی خاطر مرنے والے مسلمان کو شہید قرار دیا چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو اپنی جان کی خاطر مارا گیا وہ شہید ہے“۔ (۲)

تحفظ مال

محمد عربی ﷺ نے انسانی جان کی طرح مال کا بھی تحفظ عطا فرمایا، چنانچہ مال کی حفاظت کی خاطر قتل کئے جانے والے کو بھی شہادت کا مقام عطا کیا، ایک حدیث میں مال کی حرمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ سنو! کسی پر ظلم نہ کرو اور کسی شخص کا مال دوسرے کے لئے مباح نہیں ہے مگر اس کی رضامندی سے ”حجۃ الوداع کے موقع پر محترم سرزمین اور محترم مہینہ کا واسطہ دے کر عہد و پیمان کے انداز میں فرمایا کہ: اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے تمہارے لیے ایک دوسرے کے خون کو، ایک دوسرے کے مال کو اور ایک دوسرے کی عزت و آبرو کو مگر یہ کہ اس پر کوئی حق آتا ہو“ علاوہ ازیں آپ ﷺ ہر اس دروازے کو بند کر دیا جس سے کسی کو جانی یا مالی نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو سکتا ہو چنانچہ خرید و فروخت میں غبن، خیانت، سود وغیرہ اور ان تمام امور کو حرام قرار دیا جس سے

(۱) ”الاشراک باللہ وعقوق الوالدین، وقتل النفس، و الزور “ (بخاری باب ما قبل فی

شہادۃ الزور حدیث ۲۶۵۳)

(۲) ومن قتل دون نفسه فهو شهيد (مسند الحارث، باب ما جاء فيمن هو شهيد حدیث ۶۳۶)

(۳) واعرأضکم علیکم حرام (بخاری باب حجۃ الوداع حدیث: ۴۴۰۶)

انسانی معاشرہ بحران کا شکار ہو سکتا ہے، اس سلسلہ کی سینکڑوں احادیث کتابوں میں بکھری ہوئی ہیں۔

تحفظ ناموس

جس طرح حق زندگی اور تحفظ مال انسان کے بنیادی حقوق ہیں اسی طرح عورت و آبرو کا تحفظ بھی انسان کا بنیادی حق ہے، چنانچہ محمد عربی ﷺ نے اکثر مقامات پر ان تینوں بنیادی حقوق کو یکجا طور پر ذکر فرمایا جس کا حجتہ الوداع کی روایات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے ایک حدیث میں فرمایا کہ بدترین قسم کی زیادتی کسی مسلمان کی عزت پر ناحق ہاتھ ڈالنا ہے، زنا سے ممانعت اور اس پر سنگساری کے احکام ناموس ہی کی خاطر ہیں، ایک دوسری حدیث شریف جس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں فرمایا کہ ہر مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کی یہ چیزیں حرام ہیں، اس کا مال، اس کی عزت و آبرو اور اس کا خون، آدمی کے برا ہونے کے لئے کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو نیچی نظر سے دیکھے۔ (۱)

حق مساوات

محمد عربی ﷺ نے رنگ و نسل، قومیت و وطنیت اور اونچ نیچ کے سارے امتیازات کا یکسر خاتمہ کر کے ایک عالمگیر مساوات کا آفاقی تصور پیش کیا آپ ﷺ کے اس پیغام کے پیچھے نہ کوئی سیاسی استحصال مقصود تھا اور نہ ہی یہ انقلاب کسی کشمکش کا نتیجہ تھا اس کے برخلاف آج یورپ سے مساوات کی جو آوازیں اٹھ رہی ہیں وہ دراصل عوام اور حکمران طبقہ کی کشمکش کا نتیجہ ہیں جس کی بنیاد پر نہ کوئی آفاقیت کا علمبردار سماج وجود میں آسکتا ہے اور نہ مساوات اور نابرابری کی لعنت سے انسانیت پوری طرح نجات پاسکتی ہے محمد عربی ﷺ کے پیش کردہ مساوات کے آفاقی تصور کا اندازہ آپ ﷺ کی تعلیمات، سلوک و ارشادات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، چنانچہ فتح مکہ کے موقع

(۱) أن يحقر أخاه المسلم (مسلم باب تحریم قلم المسلم حدیث: ۲۵۶۴)

پر آپ ﷺ نے ساری انسانیت کو خطاب کر کے فرمایا کہ ”اے لوگو! تم سب کا رب ایک ہے اور تم سب کے باپ ایک ہیں سن لو! نہ کسی عربی کو عجمی پر کوئی برتری ہے اور نہ کسی عجمی کو عربی پر نہ کسی گورے کو کسی کالے پر، سوائے ایک خوف خدا کے، بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے عزت والا وہ ہے جو اس سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔“ (۱)

تحفظ آزادی

اسی طرح محمد عربی ﷺ نے آزادی کو انسان کا بنیادی حق قرار دیا اور کسی بھی انسان کو چاہے وہ نسل کے اعتبار سے کتنے ہی اونچے خاندان سے کیوں نہ تعلق رکھتا ہو اس کی چھوٹ نہیں دی کہ وہ دوسرے کو حق آزادی سے محروم کرے ہر شخص غفلتاً آزاد پیدا ہوتا ہے قوم و نسل اور خاندانی اونچ نیچ آدمی کی حریت کو سلب نہیں کر سکتی آپ ﷺ نے ان لوگوں کے حق میں سخت وعید بیان فرمائی جو خلق خدا کو حق آزادی سے محروم رکھتے ہیں چنانچہ حدیث قدسی میں ارشاد ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”تین طرح کے لوگ ہیں جن کے خلاف میں مدعی بن کر کھڑا ہوں گا ایک وہ جس نے میرے نام پر زبان دی ہو اور پھر اس سے مکر گھیا، دوسرے وہ شخص جس نے کسی آزاد انسان کو بیچا اور اس کی قیمت کو کھا گھیا اور تیسرے وہ جس نے کسی آدمی کو مزدوری پر رکھا ہو اور اس سے پورا کام لیا لیکن اس کی مزدوری نہ دی ہو۔“

آزادی ضمیر کا حق

موجودہ متمدن قومیں جو آزادی رائے کو اپنا تمدنی امتیاز سمجھتی ہیں اقلیتوں اور پگھلے طبقات کو اس سے بری طرح محروم کر رہی ہیں سلطانی جمہور کے اس دور میں بھی کمزور نسلیں اور سماج کے مختلف طبقات اپنی زبان پر تالا لگانے پر مجبور ہیں لیکن محمد عربی ﷺ نے ضمیر کی آزادی کو نہ صرف معاشرہ کے ہر فرد کا حق قرار دیا بلکہ ایک اہم ذمہ داری کی حیثیت سے ہر شخص پر اس کو

(۱) إن اکرمکم عند اللہ اتقاکم (شعب الایمان، مما یجب حفظ اللسان منه، حدیث: ۴۷۷۴)

لازم قرار دیا آپ ﷺ کی سینکڑوں حدیثیں ہیں جو معاشرہ کے ہر فرد کو بلا امتیاز برائی سے روکنے اور غلط روی پر ٹوکنے کا حکم دیتی ہیں، ایک موقع پر اس ذمہ داری میں کوتاہی کو ایمان کی کمزوری قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ تم میں سے جو کبھی کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے اگر وہ یہ نہ کر سکے تو اسے زبان سے روکے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اسے دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے، (۱) محمد عربی ﷺ نے اظہار رائے کے حق کو استعمال کرنے کی کس قدر ترغیب دی اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے آپ نے ظالم حکمرانوں کے سامنے حق بات کہنے کو سب سے افضل جہاد قرار دیا۔

پناہ اور معاہدہ کا حق

اسی طرح آپ ﷺ نے ہر کلمہ گو شخص کو سیاسی اور سماجی لحاظ سے بھی یکساں حقوق عطا کئے چاہے اس کا تعلق کسی بھی خاندان سے ہو چنانچہ آپ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں پناہ دینے اور معاہدہ کرنے کا حق ہر مسلمان کو حاصل ہے فرمان نبوی ﷺ ہے کہ تمام مسلمان کا خون یکساں ہے اور اغیار کے مقابلے میں وہ ایک دوسرے کے دست و بازو ہیں اور ان کا ادنیٰ ترین آدمی بھی کوئی ذمہ لے لے یا کوئی معاہدہ کر لے تو وہ سب کی طرف سے ہوگا۔ نیز فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کی چچازاد بہن ام ہانیؓ نے جب ایک مشرک کو پناہ دی تو آپ ﷺ نے اس پناہ کو جائز قرار دیا اور فرمایا اے ام ہانیؓ! جس کو تم نے پناہ دی اس کو ہم نے پناہ دی محمد عربی ﷺ نے جس طرح شہریت کے حقوق کا اثبات فرمایا اسی طرح مختلف طبقات کی بھی بھرپور رعایت کی اور انسانی معاشرے کے تمام افراد کے حقوق متعین فرمائے فرداً فرداً ہر ایک کے حقوق کا تذکرہ تو طول طلب ہوگا تاہم معاشرہ کے چند طبقات کا جائزہ لیا جاتا ہے جو ہر دور میں ظلم و ستم کا شکار رہے ہیں اور موجودہ تہذیب و تمدن کے دور میں بھی جبکہ جانوروں کا تحفظ بھی کیا جا رہا ہے ان کے حقوق اسی طرح پامال کئے جا رہے ہیں جیسے دور جاہلیت میں کئے جاتے تھے۔

(۱) وذلك اضعف الايمان (مسلم باب بيان كون النهي عن المنكر من الايمان حديث ۴۹):

عورتوں کے حقوق

اعلان نبوت سے قبل عورت کی جو حالت تھی اس سے کون ناواقف ہے، اس کی حیثیت سامان لذت سے کچھ زیادہ نہ تھی حقوق تو دور کی بات عام سامان و جائیداد کی طرح اس کو وراثت میں دیا جاتا تھا بہت سے لوگوں کو اس کے مستقل وجود میں تک شبہ تھا، محمد عربی ﷺ نے انسانی معاشرہ میں عورت کے حقیقی مقام کو متعین فرمایا اور مرد کی طرح عورت کو بھی تمام انسانی حقوق عطا فرمائے اور مردوں کو عورتوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی تاکید فرمائی چنانچہ ارشاد ہے کہ عورتوں کے ساتھ بھی نصیحت سے کام لو ایک اور روایت ہے جس کے راوی حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں فرمایا: ”تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے لیے تم سب سے بہتر ہو“ (۱) حجة الوداع کے موقع پر عورتوں کے حقوق بالتفصیل بیان کرتے ہوئے تاکید فرمائی سن لو! عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم ان کے ساتھ بہتر سے بہتر معاملہ کرو ان کے پہنانے اور کھلانے میں۔“

غلاموں کے حقوق

غلاموں کا طبقہ ہر دور میں غیر انسانی سلوک کا شکار رہا ہے، اسلام سے قبل غلاموں کا بہت برا حال تھا محمد عربی ﷺ نے سب سے پہلے قوانین اور اصول مقرر فرمائے جن سے لوگ زیادہ سے زیادہ غلامی کے طوق سے نکل سکتے ہیں، چنانچہ بہت سے گناہوں اور حکم عدولیوں کا کفارہ غلاموں کی آزادی رکھی اس کے ساتھ نہایت تاکید سے غلاموں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ تمہارے بھائی جو خادم ہو گئے ہیں اللہ نے ان کو تمہارے ہاتھ تلے کر دیا ہے، تو جس کسی کا بھائی اس کے تحت ہوا تو اسے چاہئے کہ اسے وہی کھانا کھلاتے جو خود کھاتا ہے اور وہی کپڑے پہناتے جو خود پہنتا ہے اور ان پر کسی ایسے کام کا بوجھ نہ ڈالے جو وہ نہ کر سکیں پھر اگر ان پر کسی ایسے کام کا بوجھ

(۱) خیر کم خیر کم لاہلہ (ترمذی باب فی فصل ازواج النبی ﷺ حدیث: ۳۸۹۵)

ڈالو جس کو وہ نہ کر سکتے ہوں تو ان کا ہاتھ بٹاؤ۔ (۱)

یتیموں اور کمزوروں کے حقوق

ناداروں، یتیموں اور کمزوروں کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا معاشی سماجی ہر لحاظ سے وہ بے بس ہوتے ہیں معاشرے کے دیگر افراد انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ان کے ساتھ رہن سہن سے تک کتراتے ہیں محمد عربیؐ نے اس غلط تصویر کی سرے سے بیخ کنی فرمائی معاشرے کے متمول افراد کو سمجھایا کہ غریبوں اور یتیموں کی دیکھ بھال اور ان کا تعاون تمہارا حق ہے یتیموں کی کفالت اور ناداروں کی خبر گیری کے بڑے فضائل بیان فرمائے ضرب ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ مسلمانوں میں سب سے اچھا گھرانہ وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، مسلمانوں میں سب سے برا گھرانہ وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بد سلوکی کی جائے (۲) نیز عام کمزوروں کی مدد اور ان کی مصیبت میں کام آنے کی تلقین فرمائی، ایک جگہ ارشاد ہے کہ مجھ کو کمزوروں میں تلاش کرو، ان کی کمزوری کی وجہ سے تمہیں روزی دی جاتی ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ غرضیکہ محمد عربیؐ کے بیان کردہ حقوق کی فہرست بہت طویل ہے اور آپؐ نے ہر طبقہ کے ہر طرح کے حقوق کو نہ صرف بیان فرمایا بلکہ اس کا عملی نمونہ بھی پیش فرمایا اگر آج بھی انسانی دنیا کو امن و سکون مطلوب ہے تو انسانی حقوق کے اسی جامع نظام کو اپنانا ہوگا ورنہ صدیاں گزر جائیں گی اور انسانیت اسی طرح پامال ہوتی رہے گی۔

(۱) فإن كلفه ما يغلبه فليعنه عليه (بخاری باب ما ينهى من السباب واللعن، حدیث ۶۰۵۰)

(۲) وشریعت فیہ یتیم یساء إلیہ (ابن ماجہ باب حق الیتیم حدیث ۳۶۷۹)

چھٹا باب

سیرت رسول ﷺ اور تربیت و اصلاح

معلم انسانیت کا طریق تربیت

پیغمبروں کی بعثت کا بنیادی مقصد انسانوں کی تربیت ہے، قرآن مجید میں جن باتوں کو مقاصد بعثت میں شامل کیا گیا ہے، ان سب کا تعلق تربیت انسانی سے ہے، سورہ جمعہ میں معلم انسانیت ﷺ کے مقاصد بعثت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا گیا: ”هو الذي بعث في الاميين رسولا منهم يتلوا عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وان كانوا من قبل لفي ضلال مبين“ (المجمعة ۲) وہی خدا جس نے امیوں میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا ہے، تاکہ وہ ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھ کر سنائے، اور ان کا تزکیہ کرے، اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے، اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے، آیت بالا میں بعثت کے تین مقاصد ذکر کئے گئے ہیں (۱) تلاوت آیات (۲) تزکیہ نفس (۳) تعلیم کتاب و حکمت۔ اور یہ تینوں باتیں کسی نہ کسی درجہ میں تربیت سے تعلق رکھتی ہیں، اصلاح و تربیت کے لئے پہلے آیات قرآنیہ سنا کر دعوت دی جاتی ہے، پھر اسلام قبول کرنے والوں کی بھرپور تربیت کر کے ان کے قلوب کو مصفی و مزی کی کیا جاتا ہے، نیز تربیت کے لئے اسلامی احکام و فرائض کی تعلیم بھی ضروری ہے، دنیا میں جتنے انبیاء کرام تشریف لائے، سب نے تربیت انسانی کا فریضہ انجام دیا، چونکہ پیغمبر ساری انسانیت کے مربی ہوتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ ان کی شروع سے خصوصی تربیت فرماتے ہیں، ارشاد نبوی ﷺ ہے: ”أدبني ربي فأحسن تأديبي“ (۱) میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور بہترین سکھایا، ہر نبی اللہ تعالیٰ کی جانب سے تربیت یافتہ ہوتا ہے، اور اس کے اندر انسانوں کی تربیت کی بہترین صلاحیت ہوتی ہے، آخری پیغمبر خاتم الانبیاء ﷺ کو تمام پیغمبروں پر فضیلت حاصل ہے، آپ کی رسالت زمان و مکان کے حدود سے ماورا ہے، اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کی سیرت کو انتہائی جامع اور مکمل بنایا ہے، آپ معلم انسانیت اور مربی اعظم ہیں، ایک کامیاب مربی کے لئے جن اوصاف و خصوصیات کا پایا جانا ضروری ہے، وہ آپ کی ذات مبارکہ میں

بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکمت و بصیرت، مردم شناسی و زمانہ شناسی کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔

دنیاوی سطح کا لحاظ

مرنبی کا کمال یہ ہے کہ وہ تربیت سارے افراد کے ساتھ یکساں برتاؤ نہیں کرتا، اس لئے کہ زیر تربیت سارے افراد علام و عمل، سوچ و فکر، اور ذہنی سطح کے اعتبار سے یکساں نہیں ہوتے، جو جس سطح کا ہو اس کے ساتھ ویسا برتاؤ کرنا ضروری ہوتا ہے، لوگوں کی دینی سطح کو ملحوظ رکھتے ہوئے تربیت کرنے کا ایک نمونہ وہ واقعہ ہے، جسے امام ترمذیؒ اور امام ابو داؤدؒ نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ اپنی مبارک مجلس میں بیٹھے صحابہ کرامؓ سے باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا، اس نے پہلے دائیں بائیں دیکھا، پھر مسجد کے ایک گوشے کی طرف بیٹھا، سب لوگ اسے حیرت سے تکتے لگے، کہ یہ کیا کرنے والا ہے؟ اس نے دیکھتے ہی دیکھتے اپنا تہبند اٹھایا، اور بیٹھ کر اطمینان سے پیشاب کرنے لگا، چند افراد جلدی سے اٹھے تاکہ اس کو اس عمل سے باز رکھیں، رسول اللہ ﷺ نے انہیں روکا اور حمل سے فرمایا: اسے چھوڑ دیں مت روکیں، اعرابی پیشاب کر کے اٹھا تو نبی کریم ﷺ نے اسے اپنے پاس بلایا، وہ آیا، آپ نے اسے نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا: مساجد اس کام کے لئے تعمیر نہیں کی گئیں، انہیں اللہ کا ذکر کرنے، نماز پڑھنے اور قرآن کی تلاوت کرنے کے لئے تعمیر کیا گیا ہے۔ (۱)

نہایت مختصر نصیحت کرنے کے بعد آپ خاموش ہو گئے، و آدمی چلا گیا، نماز کا وقت ہوا تو پھر آیا، اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کیا، رسول اللہ ﷺ نے قرأت کے بعد رکوع فرمایا، اور رکوع سے سراٹھا کر ”سمع اللہ لمن حمدہ“ کہا تو سب نے ”ربنا ولك الحمد“ کہا اعرابی نے بھی یہ الفاظ کہے، لیکن مزید الفاظ کا اضافہ کیا: ”اے اللہ مجھ پر اور محمد ﷺ رحم فرما، ہمارے ساتھ کسی پر رحم نہ کر“ نماز کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے اسے آواز دی، تو وہ قریب آیا، معلوم ہوا کہ یہ وہی آدمی ہے جس نے کچھ دیر پہلے مسجد میں پیشاب کیا تھا، آپ کا اس کے ساتھ برتاؤ، اور آپ کا ناصحانہ انداز اس پر اتنا اثر کر

(۱) إن هذه المساجد لا تصلح لشيء من البول (مسلم باب وجوب غسل البول حديث ۲۸۵)

گیا تھا کہ وہ آپ کی محبت کا اسیر ہو گیا تھا، اور آپ سے اس کو اس قدر محبت ہو گئی کہ وہ چاہتا تھا کہ اس کے اور رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی پر رحمت نازل نہ ہو، آپ نے اسے تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: ”تم نے ایک وسیع شئی کو تنگ کر دیا۔“ (۱)

اس واقعہ سے معلم انسانیت کی تربیت کی خوبی جھلکتی ہے، پیشاب کرنے والا ایک اعرابی تھا، اس سے جب یہ حرکت ہوئی تو فوراً بھانپ گئے کہ یہ دینی اعتبار سے معمولی سطح کا آدمی ہے، چنانچہ اس کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کیا اور اسے سخت سست کہنے کے بجائے فرمایا: کہ دیکھو مساجد نماز اور تلاوت کے لئے ہیں، اور یہاں گندگی نہیں کی جاتی، اگر ایک تربیت یافتہ قدیم مسلمان کی طرح آپ اسے ڈانٹتے تو وہ آپ سے متنفر ہو کر چلا جاتا، صحابہؓ جب اسے روکنے کے لئے دوڑ پڑے تو آپ نے انہیں منع فرمایا، اگر پیشاب سے روکا جاتا تو وہ چوں کہ پیشاب شروع کر چکا تھا، اس لئے لوگوں سے ڈرتے ہوئے مسجد میں ادھر ادھر دوڑتا، اور پوری مسجد آلودہ ہو جاتی، یا پھر درمیان میں پیشاب روک لیتا تو پیشاب کا مارضہ لاحق ہو سکتا تھا۔

حسن تربیت کا ایک اور نمونہ

معلم انسانیت کے حسن تربیت کا ایک اور نمونہ ملاحظہ فرمائیے:

معاویہ بن حکمؓ جنگل میں بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ رہتے تھے، نبی ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوا کرتے تھے، ایک دن مدینہ آئے اور رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بیٹھ گئے، اس وقت آپ صحابہ کو بتا رہے تھے کہ اگر کسی کو چھینک آجائے، اور وہ الحمد للہ کہے تو سننے والے کو یرحمک اللہ کہنا چاہئے، معاویہ یہ بات سن کر رخصت ہوئے، اور چند دن بعد مدینہ آئے، اور مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ نبی ﷺ نماز پڑھا رہے ہیں، معاویہ بھی نماز میں شامل ہو گئے، دوران نماز کسی کو چھینک آگئی، معاویہ کو نبی کی نصیحت یاد تھی، انہوں بلند آواز سے یرحمک اللہ کہہ دیا، ان کی اس حرکت سے نمازیوں کو ظن واقع ہوا، اور سب لوگ تیز نگاہ سے انہیں تاڑنے لگے، معاویہ نے لوگوں کو اپنی

(۱) لقد حجرت واسعا (بخاری باب رحمة الناس والبهائم حدیث ۶۰۱۰)

طرف تیزنگ ہوں سے دیکھتے ہوئے پایا، تو پریشان ہو کر کہا: ہائے میری ماں کی بربادی! تم لوگوں کو کیا ہوا میری طرف کیا دیکھتے ہو؟ لوگ ہاتھوں سے زانوؤں پر مارنے لگے، کہ خاموش ہو جائیں وہ خاموش ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے نماز سے فراغت کے بعد نمازیوں کی جانب رخ کیا شور شرابے کی آواز آپ کے کانوں میں بھی پڑی تھی لیکن آواز نئی تھی، اس لئے پہچان نہیں سکے، آپ ﷺ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ کون بول رہا ہے؟ لوگوں نے معاویہ کی طرف اشارہ کیا، آپ ﷺ نے انہیں اپنے پاس بلایا، وہ ڈرتے ہوئے قریب آئے، جانے رسول اللہ ﷺ کیا کہیں گے، معاویہ کہتے ہیں کہ میرے ماں باپ رسول اللہ ﷺ پر فدا ہوں، واللہ میں نے آپ سے قبل اور نہ آپ کے بعد ایسے خوبصورت اور ہلکے پلکے انداز سے تعلیم دینے والے کو نہیں دیکھا، بخدا نہ آپ نے مجھے ڈانٹا اور نہ ہی آپ نے مجھے گالی دی، آپ نے بس اتنا کہا کہ معاویہ نماز میں باتیں کرنا مناسب نہیں، اس میں صرف تسبیح و تکبیر اور قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے۔ (۱)

چوں کہ پیشاب کرنے والے اعرابی اور حضرت معاویہ کی دینی معلومات کی سطح بہت معمولی تھی، اس لئے آپ ﷺ نے بجائے ڈانٹنے کے ہلکی نصیحت فرمائی اس کے برعکس ایک جلیل القدر صحابی حضرت معاذ بن جبلؓ سے لغزش ہوئی اور وہ اپنے قبیلہ کے لوگوں کی امامت کرتے ہوئے لمبی سورتیں پڑھنے لگے، جب اس کی اطلاع آپ ﷺ کو ہوئی تو آپ نے ڈانٹنے ہوئے فرمایا: معاذ! کیا تم لوگوں کو قتل میں ڈالنا چاہتے ہو؟ سورہ طارق، سورہ بروج، سورہ شمس اور سورہ لیل جیسی سورتیں پڑھا کرو۔ (۲)

اسی طرح حضرت اسامہ بن زید جو نبی کے نہایت چہیتے صحابی تھے انہوں نے کسی غزوہ کے موقع پر کسی کافر پر تلوار اٹھائی، اس نے فوراً کلمہ پڑھ لیا کلمہ پڑھنے کے باوجود اسامہ نے اس پر خیال سے تلوار چلا دی کہ وہ موت کے خوف سے کلمہ پڑھ رہا ہوگا، حضور ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ

(۱) انما الصلاة لقرأة القرآن وذكر الله عزوجل فاذا كنت فيها فليكن ذلك شانك
(ابوداؤد باب تشميت العاطس في الصلاة)

(۲) ”فتان، فتان، ثلاث مرات“ (بخاری باب إذا طول الإمام، حديث ۷۰۱)

سخت ناراض ہوئے، آپ نے غصہ اور حیرت سے پوچھا ”اس نے لا الہ الا اللہ کہا“ اور تم نے اس کو قتل کر دیا؟ جب اسامہ نے کہا وہ دل سے نہیں کہہ رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھ لیا؟ رسول اللہ ﷺ بے قراری سے اسامہ کو دیکھتے رہے: اس نے لا الہ الا اللہ کہا اور تم نے اسے قتل کر دیا؟ یہی اسامہ کہتے ہیں کہ آپ بار بار مجھ سے یہی کہتے رہے، حتیٰ کہ میں نے تمنا کیا کہ کاش میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوتا۔ (۱)

غلطی کا احساس دلانا

نبی کریم ﷺ کی تربیت کا ایک طریقہ یہ تھا کہ پہلے غلطی کا احساس دلاتے تھے، پھر نصیحت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ صحابہ کرام کی مجلس میں تشریف فرما تھے، ایک نوجوان مسجد میں داخل ہوا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا، گویا کسی کی تلاش میں ہے، اسے رسول اللہ ﷺ دکھائی دئیے، وہ آپ کی طرف آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے زنا کی اجازت دیجئے، غور فرمائیے کہ اس نے کتنی بڑی جرأت کی، لیکن قربان جائیے معلم انسانیت ﷺ پر کہ آپ پر ذرہ برابر خشکی کے آثار دکھائی نہیں دیے اگر آپ ﷺ کی جگہ آج کے دور کا کوئی مربی ہوتا تو پتہ نہیں کیا کر گذرتا، اس نوجوان کے اس قسم کے سوال پر آپ ﷺ نے اس کی دینی حالت کو بھانپ لیا کہ یہ دینی اعتبار سے کمزور نوجوان ہے لیکن اس کے اندر پائے جانے والے ایمان نے اسے اجازت لینے پر آمادہ کیا، آپ نے اس نوجوان کو فوری نصیحت فرمائی، بلکہ پہلے اسے غلطی کا احساس دلایا، چنانچہ آپ ﷺ نے اس نوجوان سے پوچھا کہ کیا تمہیں اپنی والدہ کے ساتھ زنا کیا جانا پسند ہے؟ اس نے کہا نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا اسی طرح دوسرے لوگ بھی اپنی ماؤں کے لئے پسند نہیں کرتے، پھر دریافت کیا کہ کیا تم اپنی بیٹی کے لئے زنا کو پسند کرتے ہو؟ جوان نے کہا نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوسرے لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لئے زنا کو پسند نہیں کرتے، آپ ﷺ نے پھر پوچھا کہ کیا تم اپنی بیوی یا خالہ کے لئے زنا کو پسند کرتے ہو؟ اس نے کہا نہیں، بالآخر آپ ﷺ نے

(۱) حتی تمنیت انی أسلمت يومئذ (مسلم باب تحريم قتل الکافر، حدیث: ۹۶)

فرمایا کہ: لوگوں کے لئے بھی وہی پسند کرو، جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو، اس طرح کے سوالات کا مقصد اس کو غلطی کا احساس دلانا تھا، جب اس نوجوان کو اپنی غلطی کا ادراک ہو گیا تو آپ ﷺ نے اس کے سینہ پر ہاتھ رکھا اور دعا کی اے اللہ اس کے دل کو ہدایت دے، اس کا گناہ معاف کر اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت کر، وہ نوجوان یہ کہتا ہوا مسجد سے باہر آیا، ”بخدا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو کوئی کام مجھے زنا سے زیادہ پسندیدہ نہیں تھا اور اب حالت یہ ہے کہ کوئی کام مجھے زنا سے بڑھ کر ناپسند نہیں۔“ (۱)

مشاورانہ لب و لہجہ

کامیاب مربی کا کمال یہ ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے زیر تربیت افراد کو کسی بات کی نصیحت کرتا ہے تو اس کا لب و لہجہ تحکمانہ نہیں ہوتا، بلکہ مشاورانہ ہوتا ہے، نبی ﷺ کی نصیحت اسی انداز کی ہوتی تھی، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو نماز تہجد کی ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا: عبداللہ تم فلاں کی طرح نہ ہونا، وہ رات کو قیام کرتا تھا، پھر اس نے رات کا قیام ترک کر دیا۔ (۲)

نصیحت مختصر ہو

رسول اللہ ﷺ کی تربیت کا ایک امتیاز یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ لمبی چوڑی نصیحت کے بجائے اختصار کے ساتھ مختصر جملوں میں جامع بات فرماتے تھے، نصیحت کرنے والوں کو لکچر جھاڑتے نہیں بیٹھنا چاہئے، نبوی نصائح مختصر ہوا کرتے تھے، مثلاً علی! دوسری نظر نہ ڈالو، پہلی نظر معاف ہے دوسری نہیں۔ (۳) عبداللہ بن عمر! دنیا میں یوں رہو جیسے کوئی مسافر یا اجنبی رہتا ہے۔ (۴) عمر! تم

(۱) مسند احمد حدیث نمبر: ۲۱۷۰۸

(۲) نعم الر جل عبد اللہ لوکان یصلی من اللیل (بخاری باب فضل القیام، حدیث ۱۱۲۱)

(۳) لاتتبع النظرة النظرة (ابوداؤد باب ما یؤمر به من غض البصر)

(۴) ”سکن فی الدنیا کأنک غریب او عا بر سبیل“ (بخاری باب قول النبی ﷺ، حدیث ۶۴۱۶)

قوی آدمی ہو، حجر اسود کے پاس دھکم پیل نہ کیا کرو۔ (۱)

تحمل و قوت برداشت

مربی کے لئے علم و بردباری اور تحمل و قوت برداشت بھی ضروری ہے، اس کے بغیر مربی فریضہ تربیت میں کامیاب نہیں ہو سکتا، نبی رحمت ﷺ میں یہ عنصر کامل طور پایا جاتا تھا، آپ ﷺ انتہائی نرم اور حلیم الطبع تھے، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابہ کرام آپ کی ہر ہدایت پر جان و دل سے عمل کیا کرتے تھے اور ہر وقت آپ پر پروانوں کی طرح نچھاور رہتے تھے اللہ تعالیٰ نے بھی اس کا ذکر فرمایا: ارشاد باری ہے: یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے آپ کو نرم و بخشنایا، اگر درشت طبع اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے (۲) لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ ﷺ ہر جگہ نرمی برتتا کرتے تھے، بلکہ ضرورت پڑنے پر سختی کا بھی مظاہرہ فرماتے، موقع کے لحاظ سے آپ ﷺ نے نرمی و سختی دونوں کا استعمال فرمایا، ایک مرتبہ ایک قریشی عورت چوری کے الزام میں گرفتار ہوئی اور بعض مسلمانوں نے اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنے کی سفارش کی تو آپ ﷺ نے اس موقع پر فرمایا: پہلی قومیں اس لیے تباہ ہوئیں کہ جب ان کا چھوٹا جرم کرتا تو اس کو سزا دیتی تھیں اور بڑے جرم کرے تو ان سے ٹال مٹول کرتے تھے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے سختی سے کام لیا۔

مختلف ذرائع کا استعمال

تربیت کے لئے آپ ﷺ مختلف ذرائع استعمال فرماتے تھے، کبھی آپ نے سوال کا انداز اختیار فرمایا، مثلاً آپ ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ سے فرمایا: تمہارے نزدیک پہلوان کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا، جسے لوگ کشتی میں پھنسا دیتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں پہلوان یہ نہیں

(۱) ”إنك رجل قوى لا تزاحم على الحجر فتؤذى الضعيف“ (مسند احمد، مسند عمر بن الخطاب، حدیث: ۱۹۰)

(۲) ”فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب“ (آل عمران ۱۵۹)

ہے پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔^۱ بسا اوقات عملی اور مشاورتی اسلوب میں تربیت فرماتے تھے، مثلاً آپ ﷺ نے ایک لکیر کی مدد سے ایک مربع اور دیگر لکیریں بنا کر صحابہ کو بتایا کہ یہ ابن آدم ہے، اس کے ارد گرد اس کی موت ہے، جو اسے گھیرے ہوئے ہے اور ارد گرد لکیریں اس کی آفات اور مصیبتیں ہیں، ان ہی میں ایک لکیر مربع کے باہر تھی، جو انسان کی امیدیں ہیں۔^۲ کبھی مشاہدہ اور واقعہ کو پیش کر کے تربیت فرماتے تھے، ایک مرتبہ آپ ﷺ راستے سے گزر رہے تھے کہ ایک مردہ بکری پڑی ہوئی تھی، جسے اس کے مالک نے پھینک دیا تھا، بکری دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یہ بکری جس قدر اپنے مالک کی نظیر میں حقیر ہے، اللہ کی نظیر میں دنیا اس سے بھی زیادہ حقیر ہے۔ بسا اوقات کسی بات کا تکرار فرماتے تاکہ لوگ اس کی اہمیت کو سمجھیں، کبھی گزشتہ قوموں کے واقعات بیان کر کے تربیت فرمایا کرتے تھے، الغرض اللہ نے آپ ﷺ کو حکمت و بصیرت سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا، آپ ﷺ انتہائی حکیمانہ انداز سے تربیت فرمایا کرتے تھے، موجودہ دور میں تربیت کے موثر نہ ہونے کی ایک اہم وجہ حکمت و بصیرت کا فقدان ہے، اور یہ چیز سیرت رسول ﷺ کے گہرے مطالعہ سے آسکتی ہے، مربیوں کو چاہئے کہ وہ تربیتی نقطہ نظر سے سیرت کا مطالعہ کریں۔

(۱) یملک نفسه عند الغضب (مسلم باب فضل من یملک نفسه، حدیث ۲۶۰۸)

(۲) والخط الخارج الأمل (ترمذی باب، حدیث ۲۲۵۴۱)

نبی اکرم ﷺ کا أسلوب دعوت

واقعہ ہجرت کی روشنی میں

رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی داعیانہ جدوجہد سے عبارت ہے، اعلان نبوت سے وفات تک کا عرصہ آپ ﷺ کی دعوت کے مختلف مراحل کی عکاسی کرتا ہے، مخلوق خدا کو دوزخ سے ہٹا کر جنت کی طرف لے آنے کی فکر آپ کو ہمیشہ دامن گیر رہتی تھی، ہر وقت آپ بے چینی محسوس کرتے تھے، اسی بے چینی اور تڑپ کو دیکھ کر پروردگار عالم آپ سے یوں مخاطب ہوا: ”فلعلک بائع نفسك علی آثارهم إن لم يؤمنوا بهذا الحدیث أسفا“۔ (۱)

لگتا ہے کہ اگر وہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائیں تو آپ افسوس کے مارے ان کے پیچھے اپنے کو ہلاک کر ڈالیں گے۔

قرآن مجید میں آپ کو بار بار تسلی دی گئی کہ آپ ان کی حالت پر رنجیدہ نہ ہوں۔
چنانچہ ایک جگہ فرمایا گیا:

واصبر وما صبرك إلا بالله ولا تحزن علیهم ولا تک فی ضیق مما یمکرون (۲)
آپ صبر کیجئے آپ کا صبر اللہ کی مدد سے ہوگا، ان پر غم نہ کریئے اور ان کی سازشوں سے تنگ مت ہو جائیے۔

آپ دعوت دین کی اس ذمہ داری کے سلسلے میں اس قدر متفکر رہتے تھے کہ آپ ﷺ کے مصاحبین نے آپ ﷺ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے کہا:

كان دائم الفکرة متواصل الأحزان۔ (۳)

یعنی آپ مسلسل متفکر اور رنجیدہ خاطر رہتے تھے، آپ ﷺ کا کوئی لمحہ دعوتی فکر سے خالی نہ ہوتا، جب قرآن کریم کی آیت:

(۱) الکہف: ۶ (۲) النحل: ۲۷ (۳) مجمع الزوائد باب صفة النبی ﷺ: ۱۳۰۲۶

فاصدع بما تؤمر وأعرض عن المشركين (۱) نازل ہوئی تو آپ نے لوگوں کے مخالفانہ ماحول میں بلا خوف و خطر کفار مکہ کو دین کی دعوت دی، مکہ کی بت پرستانہ فضا میں کھلے عام توحید کا پیغام دینا کچھ آسان نہ تھا، آپ ﷺ نے یہ نہیں سوچا کہ مخالفین کیا کچھ کر گزریں گے بلکہ ڈنکے کی چوٹ توحید کا اعلان کیا، سورہ شعراء میں جب آپ ﷺ کو یہ حکم ملا: وانذر عشیرتک الاقرباء (۲)

آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔

تو آپ نے یکے بعد دیگرے دو مرتبہ اپنے رشتہ داروں کو کھانے پر مدعو کیا اور آخر میں ان سے فرمایا:

”جو دین میں تمہارے لئے لے کر آیا ہوں، اس میں تمہاری دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی ہے، لہذا میری بات مانو اور اللہ کے دین کو قبول کرو اور میرا ساتھ دو۔“

نبوت کے اعلان کے بعد جب دین کی دعوت کی مہم شروع ہوئی تو زمین و آسمان آپ ﷺ کا مخالف ہو گیا، ہر طرف سے آپ ﷺ کے لئے عرصہ حیات تنگ کیا جانے لگا، مکہ کے تیرہ سالوں میں آپ ﷺ نے دعوت کی راہ میں کن کن مشکلات کا سامنا کیا، اس کے تصور ہی سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، حضور ﷺ نے بالکل سچ فرمایا کہ: اللہ کے راستہ میں جس قدر مجھ کو ستایا گیا کسی کو نہیں ستایا گیا اور جس قدر مجھ کو خوفزدہ کیا گیا کسی کو نہیں کیا گیا“ (۳) واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا دعوتی پہلو بالکل واضح ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ کی ساری زندگی کالباب دعوت الی اللہ تھا، چاہے مکی زندگی ہو یا مدنی، سفر کا موقع ہو یا حضر کا، خلوت کا ہو یا جلوت ہر جگہ دعوتی کردار عیاں تھا، سیرت کا ہر قاری دوران مطالعہ جگہ جگہ دعوتی جھلکیوں کو نمایاں پائے گا۔

(۲) الشعراء: ۲۱۴

(۱) الحج: ۹۴

(۳) ولقد أحضت فی اللہ ما یخاف احد (ابن ماجہ، فضل سلمان وأبی ذر حدیث: ۱۵۱)

واقعہ ہجرت..... دعوت کا بنیادی محرک

دعوت دین اور واقعہ ہجرت دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے، واقعہ ہجرت کا اصل محرک دعوت ہی تھا، اس لئے کہ مدینہ کی طرف ہجرت کا نہ کوئی معاشی مقصد تھا اور نہ دوسری کوئی غرض، مکہ میں مسلمان اگر دین کو چھوڑ دیتے اور نبی اکرم ﷺ پیغام الہی کی تبلیغ کا فریضہ ترک کر دیتے تو ان کے لئے مکہ میں ہر طرح کی آسائش تھی، انہیں سر آٹکھوں پر بٹھایا جاتا، چنانچہ سیادت کی پیش کش کی گئی، دولت کے ڈھیر لگانے کا وعدہ کیا گیا، بشرطیکہ دین سے باز آجائیں، رسول اکرم ﷺ جب مکہ کی بت پرست قیادت سے مایوس ہو گئے اور آپ کو یقین ہو گیا کہ اب یہ لوگ ماننے والے نہیں ہیں تو آپ ﷺ نے اس امید پر طائف کا دعوتی سفر کیا کہ وہاں کے سرداروں کی سمجھ میں بات آجائے تو دعوت کے پھیلنے کے امکانات پیدا ہو جائیں گے، لیکن جب وہاں سے بھی مایوسی ہوئی تو آپ ﷺ نے مکہ کے اطراف و اکناف کے قبائل کو جو حج کے موسم میں مکہ آتے تھے دعوت دینا شروع کر دیا، اسی وقت آپ ﷺ کے ذہن میں یہ بات آئی کہ دعوت کی کامیابی کے لئے دوسری سرزمین کا انتخاب ضروری ہے، چنانچہ آپ حالات کا جائزہ لیتے رہے، اتفاق سے یثرب کے لوگوں سے ملاقات ہوئی تو ہجرت کے لئے حالات سازگار ہونے لگے، اس طرح ہجرت کی اصل بنیاد ہی دعوت ہے اور دین میں ہجرت کے اس عظیم مقام کا پس منظر بھی یہی دعوت ہے، دعوت کے بغیر ہجرت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

واقعہ ہجرت کے دعوتی نکات

ایک داعی کے لئے واقعہ ہجرت بے پناہ دعوتی نکات کا حامل ہے اور امت مسلمہ کو جس پر نبی ﷺ کی وفات کے بعد دعوت کا عظیم فریضہ ماند ہوا ہے اپنے نبی کریم ﷺ کے دعوتی طریقہ کو جاننے کی سخت ضرورت ہے، اس لئے کہ جس قدر داعی اعظم ﷺ سے مناسبت ہوگی دعوت کا کام اسی قدر بار آور ہو سکتا ہے، رسول اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے ہٹ کر اگر دعوتی کام کو جاری رکھا جائے تو مطلوبہ نتائج برآمد ہونا نہ صرف دشوار بلکہ محال ہے، واقعہ ہجرت جو کہ دعوت دین

کی جان اور روح ہے اور جو رسول اکرم ﷺ کی دعوت کی تکنیک کی عکاسی کرتا ہے، ذیل کی سطروں میں اسی واقعہ ہجرت کا دعوتی نقطہ نظر سے جائزہ لیا گیا ہے اور چند ایسے پہلوؤں کی نشاندہی کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن سے استفادہ کر کے امت مسلمہ آج بھی دعوتی سفر کو صحیح سمت پر جاری رکھ سکتی ہے۔

✽ رسول اکرم ﷺ نے مکہ سے مدینہ فوری ہجرت کا ارادہ نہیں فرمایا، مکہ میں ابتداء ہی سے آپ کو مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا، سوائے چند افراد کے اکثریت آپ کی مخالف تھی، کچھ لوگ جو مسلمان ہوئے تھے ان کا جینا دو بھر کر دیا گیا، آپ ﷺ نے فوراً مکہ سے ہجرت کا فیصلہ نہیں کیا بلکہ تیرہ سال کے طویل عرصہ تک شدید مخالفتوں کے باوجود دعوت کے کام کو جاری رکھا، اس میں ایک داعی کے لئے یہ اسوہ ہے کہ داعی کو فوراً مایوس نہیں ہونا چاہئے، ہو سکتا ہے کہ مستقبل میں حالات سازگار ہو جائیں، مخالفتوں کے باوجود دعوتی جدوجہد جاری رکھنا چاہئے۔

✽ لیکن ایک اچھی خاصی مدت گزرنے کے بعد اگر داعی کو یقین ہو جائے کہ اب یہاں دعوت کارگر نہیں ہو سکتی بلکہ ترک مقام نہ کرنے کی صورت میں دعوت کا دائرہ مزید تنگ ہو جائے گا تو فوراً مقام بدلنے کی کوشش کرنی چاہئے، اس لئے کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو دعوتی کام کو نقصان ہوگا، رسول اکرم ﷺ کو ایک مرحلہ پر پہنچنے کے بعد جب یہ یقین ہوا کہ مکہ کی سرزمین کسی طرح دعوت دین کے لئے سازگار نہیں ہے تو آپ ﷺ نے مدینہ ہجرت کا فیصلہ کیا۔

✽ واقعہ ہجرت سے داعی کے لئے ایک اور نکتہ یہ ملتا ہے کہ عرصہ تک دعوتی مشن جاری رکھنے کے باوجود اگر اس کے اچھے اثرات مرتب نہ ہوں تو داعی کو اپنی دعوتی مہم کے سلسلے میں بدظن نہیں ہونا چاہئے، اور یہ خیال کرنا چاہئے کہ ہو سکتا ہے کہ میں جس چیز کی دعوت دے رہا ہوں وہ صحیح نہ ہو، قلت و کثرت کے فرق سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ حق کے ماننے والے ہمیشہ کم ہی ہوتے ہیں اور باطل ہمیشہ نہایت طمطراق میں ہوتا ہے، آج اس نکتہ پر بہت کم توجہ دی جاتی ہے، عموماً دعوت کے ذمہ دار بہت جلد مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں اور دھڑلے فیصلہ کر دیتے ہیں کہ اس علاقہ کی اصلاح ممکن نہیں ہے، نتائج و اثرات کا اس قدر عجولیت سے انتظار رہتا ہے کہ تھوڑی سی تاخیر ہو جائے تو مایوسی کی فضا چھا جاتی ہے، یہ دراصل شیطان کا زبردست حربہ ہے، وہ چاہتا ہے کہ

داعی مایوس ہو کر کام سے باز آئے۔

داعی اعلیٰ صفات کا حامل ہو

حضور اکرم ﷺ نے جب مکہ سے ہجرت فرمائی تو حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر آرام فرمانے کا حکم فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ گھر میں جن لوگوں کی امانتیں رکھی ہوئی ہیں ان کو واپس کر دیں اور اس کام سے فارغ ہو کر خود بھی مدینہ آجائیں، عجیب بات ہے کہ جو لوگ آپ ﷺ کی جان کے دشمن تھے انہیں لوگوں نے اپنی امانتیں آپ ﷺ کے پاس رکھوائی تھیں، اس سے کئی باتیں مترشح ہوتی ہیں، پہلی بات تو یہ کہ داعی کو اعلیٰ صفات کا حامل ہونا چاہئے، اگر داعی کا کیرکٹر مخدوش ہو تو وہ بے لاگ دعوت کا فریضہ انجام نہیں دے سکتا، رسول اکرم ﷺ کا پیچھن، پھر جوانی کا زمانہ لوگوں کے سامنے صاف و شفاف آئینہ کی طرح تھا، آپ ﷺ کی زندگی اس قدر بے داغ تھی کہ جب آپ ﷺ نے کفار مکہ کے سامنے ان بتوں کو برا بھلا کہا اور ان کے آباد و اجداد کو بے وقوف ٹھہرایا تو آپ ﷺ کی مخالفت میں وہ سب کچھ کر سکے لیکن انہیں آپ کے اخلاق پر حرف زنی کرنے کی ہمت نہ ہوئی، ظاہر ہے کہ معبودوں کو برا بھلا کہنا ان کے لئے ناقابل برداشت چیز تھی، ایسے میں اگر وہ حضور ﷺ کی زندگی میں کوئی جھول پاتے تو اس کو ضرور اچھالتے، ان لوگوں نے آپ کو ساحر کہا، شاعر کہا، مجنون کہا، مگر ذاتی زندگی میں کوئی عیب نہ نکال سکے، نبوت سے قبل آپ امین و صادق کے نام سے پکارے جاتے تھے، ہجرت کے وقت ایک طرف سارا مکہ آپ ﷺ کا دشمن ہے تو دوسری طرف ان کی امانتیں آپ ﷺ کے پاس رکھی ہوئی تھی، یہ دراصل اس بے داغ سیرت کا اثر تھا، دعوت میں اثر پیدا کرنے کے لئے داعی کے کردار کا بے داغ ہونا ضروری ہے، ورنہ دعوت مطلوبہ نتائج پر منتج نہیں ہو سکتی، آج دعوتی کارکنوں کی زندگی میں جھول ہے، نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے دعوتی میدان میں گفتار کے غازی تو بے شمار پاتے ہیں مگر کردار کے غازیوں کی شدید قلت ہے، دوسری طرف بین السطور سے یہ حقیقت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ داعی اگر واقعی اپنی دعوت میں مخلص ہو تو لوگ باوجود اس کی ظاہری مخالفت کے اس کے کردار سے متاثر

ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ کفار مکہ شدید مخالفت کے باوجود اپنی امانتوں کے سلسلہ میں صرف نبی اکرم ﷺ کی ذات سے مطمئن تھے، اس لئے داعی کی اگر ظاہری مخالفت کی جارہی ہو تو اس سے بالکل مایوس ہو کر دعوت سے دستبردار نہ ہونا چاہئے بلکہ یہ بات ذہن میں راسخ رہے کہ اس کی پاکیزگی، راست بازی اور اخلاص و خیر خواہی اپنا کام کر کے رہے گی۔

داعی جذبہ قربانی سے سرشار ہو

حضرت علیؓ بستر پر آرام فرما کر اپنی جان کو خطرہ میں ڈالا، اس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ دعوتی کام کا سچا مخلص کارکن اپنی زندگی کو دعوت کے قائد اور رہنما پر نچھاور کر دیتا ہے اور اس اعتماد پر اپنی جان کی پروا نہیں کرتا کہ اگر قائد سلامت رہا تو دعوتی مشن آگے بڑھے گا، قائد کی سلامتی میں دعوت کی سلامتی ہوتی ہے اور اس کی ہلاکت میں دعوت کی رسوائی ہے، میدانِ دعوت کے ایک سچے سپاہی کی شان یہ ہونی چاہئے کہ اپنے رہنما اور کمانڈر کی حفاظت کے لئے ہر چیز قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائے، جب تک کسی دعوتی قائد کے لئے ایسے چند جاں نثار افراد مہیا نہ ہوں گے وہ اپنے دعوتی کار میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتا، چنانچہ بڑے بڑے صحیحین اور مجددین کی تاریخ بتاتی ہے کہ ان کے ساتھ ایسے مخلص افراد اکھٹا ہو گئے جن کے بے لوث تعاون سے ان کی تحریکیں اور تجدیدی کارنامے کامیابی سے ہمکنار ہو سکے، آج دعوتی میدان اور تحریکوں میں ایسے مخلص کارکنوں کی قلت ہے، دعویٰ دار تو بہت ہیں لیکن جس تڑپ، لگن اور خلوص کے ساتھ دعوت کے لئے اپنے آپ کو وقف کرنا چاہئے وہ چیز مفقود ہے۔

داعی اولوالعزم ہو

رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ نے جب غار ثور میں پناہ لی تو مکزیوں نے جالا بنا اور کبوتری نے انڈے دیئے، جس کے نتیجے میں دشمن غار کے قریب آ کر بھی اس گمان سے واپس لوٹے کہ اگر یہاں کوئی انسان رہتا تو مکزیوں کا جالانہ رہتا، (۱) نیز جب دونوں غار سے نکلے اور

سفر شروع کیا تو سراقہ نے جو تعاقب میں نکلا تھا دونوں کو پالیا اور جب قریب پہنچا تو اس کے گھوڑے کے پیر دھنسا دیے گئے، یہ دراصل اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کے داعیوں اور پیغامبروں کو تنہا نہیں چھوڑتا کہ وہ دشمنوں کی سازشوں کا شکار ہو جائیں بلکہ ان کی غیبی مدد کرتا ہے اس طرح خدا کا مخلص داعی اللہ تعالیٰ کی عظیم پناہ اور حفاظت میں ہوتا ہے، خدا کی حفاظت اور اس کی غیبی مدد کا تصور ایک داعی کو اولو العزم شخص بنادیتا ہے، وہ مخلوق سے بالکل بے نیاز ہو کر دین کی دعوت دیتا ہے، دنیا کی بڑی سی بڑی طاقت اس کو اپنی ڈگر سے نہیں ہٹا سکتی۔

داعی میں یقین کامل ہو

محمد عربی ﷺ اور ابوبکرؓ دونوں غار میں پناہ گزیں ہیں اور تعاقب کرنے والے غار کے دروازے کے قریب پہنچ جاتے ہیں، حضرت ابوبکرؓ کو پریشانی لاحق ہوتی ہے، فکر اپنی نہیں تھی بلکہ پیغمبر اسلام کی فکر تھی کہ کہیں دشمن نہ دیکھ لیں، حضور اکرم ﷺ سے گھبراہٹ کے عالم میں کہنے لگے، یا رسول اللہ ﷺ دشمن بالکل قریب آچکے ہیں اگر آپ اپنا ایک قدم اٹھائیں تو ہمیں دیکھ لیں گے، اس وقت حضور ﷺ نے نہایت پر اعتماد لہجہ میں فرمایا: ”غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے، اے ابوبکر! ان دو افراد کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔“ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک داعی میں خدا کی ذات پر بے پناہ اعتماد ہونا چاہئے، ایسے ہی حالات میں حقیقی داعی کے جوہر کھل کر سامنے آتے ہیں، اللہ کی ذات پر مکمل اعتماد سچے داعی کو ہر طرح کے خطرات مول لینے پر آمادہ کرتا ہے، مشکل حالات میں بھی وہ اپنا دعوتی مشن جاری رکھتا ہے، جب کہ پیشہ ورداعی کے لئے معمولی سا حادثہ رکاوٹ بن جاتا ہے، خدا کی بے پناہ غیبی طاقت کا احساس دین کا کام کرنے والوں کو مخالفتوں کے طوفان میں بھی حق پر جمائے رکھتا ہے، خوف و ہراس اور ظلم و زیادتی کی فضا میں صبر و استقامت عطا کرتا ہے، ناامیدی کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں امید کے چراغ روشن کرتا ہے، اس کے برخلاف موجودہ دور کے دعوتی ذمہ دار احباب بہت جلد تھک جاتے ہیں اور صبر آزما حالات میں جے رہنا ان کے لئے دشوار ہوتا ہے، کچھ عرصہ بعد یا تو میدان ہی سے ہٹ جاتے ہیں یا پھر برائے نام ان کا وجود رہتا ہے۔

سیرت رسول اور اصلاح معاشرہ

مادی ترقی نے روحانی قدروں کو پامال کر دیا

سائنس اور ٹکنالوجی کے اس دور میں مادی ترقی تو بام عروج پر ہے، لیکن روحانی قدریں زوال پذیر ہیں، انسان جیسے جیسے مادی اسباب میں اوج ثریا کو پہنچ رہا ہے روحانی اور اخلاقی اعتبار سے اسی قدر انحطاط و پستی کا شکار ہوتا جا رہا ہے، اسے پرندوں کی طرح ہوا میں اڑنا تو آیا لیکن انسانوں کی طرح زمین پر چلنا نہیں آیا، صنعتی انقلاب سے پہلے انسانی معاشرہ ویسی برائیوں کا شکار نہیں تھا جیسی برائیاں مابعد انقلاب پیدا ہوئیں، موجودہ انسانی معاشرہ برائیوں کے دلدل میں کس قدر پھنس چکا ہے اس کا کچھ اندازہ کرنا ہو تو اخبارات پر ایک اچھٹی نظر ڈالنے صفحات کے صفحات معاشرتی بگاڑ کی عکاسی کرتے نظر آئیں گے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ اخبارات نہیں انسانی بد عملیوں کے دفاتر ہیں لوٹ کھسوٹ، قلم و تشدد، قتل و غارت گری، جنسی آوارگی، فحاشی و بد عنوانی الغرض معاشرتی بگاڑ کی کوئی شکل ایسی نہیں جو موجودہ معاشرہ میں ناسور کی صورت نہ اختیار کر گئی ہو، رشتوں کی حرمت پامال کی جا رہی ہے، بھائی بہن سے منہ کالا کر رہا ہے، باپ بیٹی کے ساتھ ملوث ہو رہا ہے، بدکاری اس قدر عام ہے کہ چند لکٹوں میں آدمی باسانی ہوس کی تکمیل کر رہا ہے، آبروریزی کے واقعات روز کا معمول بن چکے ہیں کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں ماؤں بہنوں کی چادر عفت تار تار نہ ہوتی ہو، معاملات کا بگاڑ بھی روز افزوں ہے، دھوکہ، فریب، جھوٹ، حق تلفی عام ہے، ہر شخص راتوں رات مالدار بننے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے، حلال و حرام کی تمیز یکسر ختم ہو چکی ہے، زمین جائیداد کے لئے عزیزوں کی گردنیں ناپنی جا رہی ہیں، قریبی رشتہ داروں میں قتل کے واقعات اس قدر کثرت سے پیش آرہے ہیں جیسے زمین پر انسان نہیں بھیڑے رہتے ہوں، اخلاق کی مٹی پلید ہو رہی ہے، نوجوان نسل انٹرنیٹ کے سہارے فحاشی اور جنس باغلی کے دلدل میں گلے تک پھنس چکی ہے، چھوٹے بڑوں کی تمیز ختم ہوتی جا رہی ہے،

موبائل کے آزادانہ استعمال نے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان سارے حجابات ختم کر دیے ہیں، مسلم لڑکیاں غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ عشق و چارہی ہیں۔

انسانی سماج کی نجات کا نبوی نسخہ

اس ہمہ گیر معاشرتی بگاڑ سے مسلم اور انسانی سماج کو کیسے نجات دلائی جائے؟ اس کا حل صرف اور صرف اس مصلح اعظم اور پیغمبر انقلاب کی سیرت میں مل سکتا ہے جس نے ایک ایسے وقت انسانی معاشرہ کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا تھا جب فساد و بگاڑ نے ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا بعثت رسول کے وقت دنیا نے انسانیت کی اخلاقی و معاشرتی صورت حال اس قدر ویرانہ کی تھی کہ دور دور تک اصلاح کے آثار ناپید تھے۔ حضرت جعفر طیارؓ نے شاہ جیش کے سامنے زمانہ جاہلیت کی حالت زار کا جو نقشہ کھینچا ہے اس سے بہتر ترجمانی نہیں ہو سکتی، انہوں نے نجاشی کے رو برو خطاب کرتے ہوئے کہا: اے بادشاہ! ہم جاہلیت میں مبتلا تھے، بتوں کو پوجتے تھے، نجاست میں آلودہ تھے، مردار کھاتے تھے، یہودہ بکا کرتے تھے، ہم میں انسانیت اور ایمان داری کا نشان نہ تھا، ہمسایہ کی رعایت نہ تھی، کوئی قاعدہ اور قانون نہ تھا، ایسی حالت میں خدا نے ہم میں سے ایک بزرگ کو مبعوث کیا جس کے حسب، نسب، سچائی، دیانتداری، تقویٰ اور پاکیزگی سے ہم خوب واقف تھے، اس نے ہم کو توحید کی دعوت دی۔ (۱)

دور جاہلیت کے عمومی بگاڑ کا ذکر کرتے ہوئے علامہ شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں:

”بتوں پر آدمیوں کی قربانی چڑھائی جاتی تھی، باپ کی منکوہ بیٹی کو وراثت میں ملتی تھی، حقیقی بہنوں کے ساتھ شادی جائز تھی، ازدواج کی کوئی حد نہ تھی، قمار بازی، شراب خوری اور زنا کاری کا رواج عام تھا، بے حیائی کی یہ حالت تھی کہ سب سے بڑا اور نامور شاعر امرأ القیس جو شہزادہ بھی تھا قصیدہ میں اپنی پھوپھی زاد بہن کے ساتھ اپنی بدکاری کا واقعہ مزے لے لے کر بیان کرتا

ہے، اور یہ قصیدہ در کعبہ پر بھی آویزاں کیا جاتا ہے، لڑائیوں میں لوگوں کو زندہ
جلادینا، مستورات کے پیٹ چاک کر دینا اور معصوم بچوں کو تہ تیغ کر دینا
عموماً جائز تھا۔“ (۱)

ایسے ہمہ گیر معاشرتی بگاڑ کے حالات میں نبی رحمت ﷺ بعثت سے سرفراز کئے گئے اور
آپ نے ۲۳ سال کے قلیل عرصہ میں جزیرۃ العرب کی کایا پلٹ دی، معاشرہ کی اصلاح کے وہ
گراستعمال فرمائے کہ انسان نما بھیڑیے آپس میں شیر و شکر ہو گئے اور اعلیٰ انسانی صفات کے ایسے
کامل نمونے بن گئے کہ رہتی دنیا تک انسانیت ان کا نمونہ پیش نہیں کر سکتی، درج ذیل سطور میں
اصلاح معاشرہ کے ان نبوی نسخوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے، جن سے موجودہ بگڑے ہوئے انسانی
معاشرہ کی بھرپور اصلاح ہو سکتی ہے، دور حاضر کے سارے دانشور اور اصحاب قلم اس بات پر متفق
ہیں کہ آج کا معاشرہ ایک بار پھر جاہلی معاشرہ کے طرف لوٹ رہا ہے، وہ ساری خرابیاں جو جاہلی
معاشرہ کا طرہ امتیاز سمجھی جاتی تھیں موجودہ معاشرہ میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں ایسے میں عصر حاضر
کے معاشرتی بگاڑ کی اصلاح بھی اسی طریقہ سے ممکن ہے جو طریقہ مصلح اعظم ﷺ نے اپنایا تھا، اس
کے بغیر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی، یہی وجہ ہے کہ دنیا کے مختلف ازمس کو انسانوں نے آزمایا ہے،
چوٹی کے فلسفیوں اور دانشوروں نے مختلف عالمی تجاویز عالمی قائدین کے سامنے رکھیں لیکن ”مرض
بڑھتا سمجھا جوں جوں دوا کی“ کے مصداق بگاڑ مزید گہرا ہوتا گیا۔

ایمان راسخ اور یقین کامل

بگڑے معاشرے کی اصلاح کے لئے سب سے پہلا قدم جو آپ ﷺ نے اٹھایا وہ ایمان
راسخ اور یقین کامل کی محنت ہے، ۱۳ سالہ مکی زندگی میں آپ ﷺ نے حضرات صحابہ کے قلوب
میں ایمان کو اس طرح راسخ کیا کہ ان کا ایمان پہاڑوں سے زیادہ مضبوط ہو گیا، اطاعت
و فرمانبرداری پر آخرت میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا حصول اور معصیت و نافرمانی پر اخروی

سزاؤں کا ایسا یقین ان میں جاگزیں تھا کہ بڑی سی بڑی حقیقت کو جھٹلا سکتے تھے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کئے گئے خدائی وعدے اور وعیدوں کے متعلق ذرہ برابر بھی شک نہیں کرتے تھے، حضرات صحابہ کے ایمان کا یہ حال تھا کہ اگر وہ جنت و جہنم کو بھی دیکھ لیتے تب بھی ان کے ایمان میں اضافہ نہ ہوتا، بن دیکھے ان کی کیفیت مشاہدہ سے بڑھ کر تھی، ایک صحابی سے جب ان کے ایمان کے متعلق پوچھا گیا تو فرمانے لگے میرا حال یہ ہے کہ میرے دائیں جانب جنت ہے اور بائیں جانب جہنم، اور ایسا لگتا ہے کہ میں پل صراط پر کھڑا ہوں، اس ایمان راسخ کا نتیجہ تھا کہ وہ خدا اور رسول ﷺ کی نافرمانی سے حد درجہ احتیاط کرتے تھے اور گناہوں سے بالکل اجتناب کیا کرتے تھے، ان کے لئے گناہوں سے پرہیز ممکن نہیں تھا صحابہ سے تو اول شاذ و ناواری حکم عدولی ہوتی تھی اور جب کوئی ایسا مسئلہ پیش آتا تو جب تک سچی توبہ نہ کر لیتے چین کا سانس نہ لیتے تھے، موجودہ معاشرے میں معاملات و اخلاقیات اور معاشرتی زندگی میں جو حکم عدولیاں ہو رہی ہیں اس کی بنیادی وجہ ایمان بالغیب میں کمزوری اور وعیدوں کے تعلق سے بے یقینی ہے، ۱۳/ سالہ مکی زندگی میں صرف ایمان پر محنت کا نتیجہ تھا کہ پاکیزہ مدنی معاشرہ وجود میں آیا، ہجرت مدینہ کے بعد جب تفصیلی ہدایات اور اوامر و نواہی اترنے لگے تو مسلمان ان پر خوشی خوشی عمل کرنے لگے، شراب کی حرمت جب نازل ہوئی تھی تو برسہا برس کی شراب ایسی بہانی گئی کہ مدینہ کی نالیوں میں شراب ہی شراب بہنے لگی، اصلاح معاشرہ کا آغاز درستکی ایمان سے ہونا چاہئے۔

احساسِ جواب دہی

اصلاح معاشرہ کے لئے آپ نے دوسرا قدم یہ اٹھایا کہ ہر مسلمان کی تربیت اخروی جواب دہی کی بنیاد پر فرمائی، آپ ﷺ نے آسمانی ہدایات کی روشنی میں انسانوں کو بتایا کہ دنیا ان کے لئے دارالامتحان ہے، یہاں کئے جانے والے ہر عمل کا انہیں آخرت میں حساب دینا ہے، قیامت کے دن ہر شخص کے اعمال کا دفتر اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا اور اعلان ہوگا ”اقرا“

کتابک کفی بنفسک الیوم علیک حسبیا“ (۱) تو خود تیرا نامہ اعمال پڑھ لے، انسان جو کچھ اچھایا برآمد کرتا ہے اس کا آخرت میں بدلہ ملنے والا ہے: ”فمن يعمل مثقال ذرة خیرا یرہ ومن يعمل مثقال ذرة شرا یرہ“ (۲) آخرت میں جواب دہی کا احساس آدمی کو پھونک پھونک کر قدم رکھنے پر مجبور کرتا ہے، دور حاضر میں جرائم میں اضافہ کی بنیادی وجہ احساس جواب دہی کی کمی ہے، لوگ دوسرے کی حق تلفی، یاد دوسرے پر ظلم و زیادتی اس لئے کرتے ہیں کہ انہیں یہ احساس نہیں کہ آخرت میں ہر صاحب حق کو اس کا حق دلایا جائے گا، نبی ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کا یہ حال تھا کہ کسی کے حق میں معمولی جملہ سرزد ہو جاتا تو جب تک معافی تلافی نہ کر لیتے سکون سے نہ بیٹھتے تھے۔

اخوت و بھائی چارگی کی روح

حقوق العباد میں ہر قسم کی کوتاہیوں سے معاشرہ کو پاک رکھنے کے لئے نبی رحمت ﷺ نے ایمانی بھائیوں کے درمیان اسلامی اخوت کو خوب فروغ دیا کہ کلمہ کی بنیاد پر ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”المسلم اخو المسلم“ (۳) مسلمان مسلمان کا بھائی ہے ایک اور موقع پر فرمایا: ”توری المؤمنین فی تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم کالجسد الواحد اذا اشتکی له عضو تداعی له سائر الجسد بالسهر والحمی“ (۴) آپسی رحمت اور مودت میں تم مسلمانوں کو ایک جسم کی طرح پاؤ گے، جس کا ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو سارا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے۔ ہجرت مدینہ کے بعد نبی رحمت ﷺ نے انصار و مہاجرین کے درمیان رشتہ مواعیات قائم فرمایا تھا، آپ نے ان تمام جڑوں کو اکٹھاڑ پھینکا جس سے اسلامی مواعیات متاثر ہوتی ہے، چنانچہ حسد، کینہ، بغض، عداوت، غیبت اور چغلی خوری جیسے رذائل سے بچنے کی تاکید

(۲) الزلزال ۷-۸

(۱) بنی اسرائیل

(۳) بخاری باب لا یظلم المسلم المسلم حدیث ۲۴۴۲

(۴) بخاری، باب رحمة الناس والبهائم، حدیث ۶۰۱۱

فرمائی، جو آپسی محبت کو ختم کر دیتے ہیں، ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا آپس میں بغض نہ رکھو، باہم حسد نہ کرو، آپس کے تعلقات نہ توڑو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ، کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین روز سے زیادہ قطع تعلق رکھے۔ (۱) اتنا ہی نہیں بلکہ اپنے بڑوسیوں اور اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک اور فضل و احسان کرنے کی تاکید فرمائی، حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: جب تم میں سے کسی کے پاس سالن پکے تو اسے چاہئے کہ شور بہ زیادہ کر دے پھر اس میں سے کچھ بڑوسی کو بھی بھیج دے۔ (۲) ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: وہ آدمی مجھ پر ایمان نہیں لایا جو ایسے حالت میں پیٹ بھر کر سو جائے کہ اس کے پہلو میں رہنے والا پڑوسی بھوکا اور پیٹ بھر کر سو جانے والے کو علم ہو کہ پڑوسی بھوکا ہے۔ (۳) مسلم معاشرہ میں اخوت و بھائی چارگی کے یہ جذبات فروغ پائیں تو کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کی بیویوں کو حق تلفی کرے گا، اس وقت قلم و تعدی قتل و غارت گری اور حق تلفی کی جتنی شکلیں معاشرہ میں عام ہیں وہ اسلامی اخوت سے روگردانی کا نتیجہ ہے، غیر تو غیر حقیقی بھائی پر قلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں ایک خاندان سے وابستہ افراد تک باہم دست و گریباں ہیں۔

تربیت اولاد کی

اصلاح معاشرہ کا ایک اہم نبوی اصول تربیت اولاد کی ذمہ داری ہے، جو ماں باپ پر عائد ہوتی ہے معاشرہ بچوں سے ہی تشکیل پاتا ہے آج کے بچے کل کو خاندان کے بڑے بن جاتے ہیں اگر والدین اپنے بچوں کی تربیت کا روز اول سے اہتمام کریں تو پھر خود بخود صالح معاشرہ وجود میں آئے گا بچوں کی دینی تربیت سے غفلت انہیں بے راہ روی کا شکار بنا رہی ہے، آزاد اور بے لگام بچے جب جوانی کی دلیلیز پر قدم رکھتے ہیں تو خواہشات کے غلام بن جاتے ہیں اور ہر قسم کی اخلاقی خرابیاں ان میں سرایت کر جاتی ہیں، نبی رحمت ﷺ نے اولاد کی تربیت پر اس قدر زور دیا

(۱) أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال (بخاری باب الهجرة، حدیث ۶۰۷۳)

(۲) فليكثر مرقها (مجمع الزوائد باب ما جاء في الجار حدیث ۱۳۵۳۶)

(۳) الذي يثيب و جاره جائع إلى جنبه و هو يعلم به (مسند ابی یعلیٰ، مسند عباس، حدیث ۲۶۹۹)

کہ رشتہ انتخاب کے موقع پر بچوں کے لئے نیک ماں کے انتخاب کی تائید فرمائی تاکہ اس کی گود میں پلنے والی اولاد نیک و صالح بن سکے، پھر اس کی بھی تائید فرمائی کہ جب میاں بیوی کا ملاپ ہونے لگے تو اس سے پہلے دعا کا اہتمام کریں جو دراصل ہونے والی اولاد کو شیطانی اثرات سے محفوظ رکھنے کی درخواست ہے، پھر جب بچہ پیدا ہو جائے تو سب سے پہلے اس کے کانوں میں اللہ کی بڑائی پر مشتمل اذان و اقامت کے کلمات بلوانے کی تائید فرمائی، آپ ﷺ اپنے نواسوں کی تربیت کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ شیر خوار نواسہ حضرت حسینؑ جب ایک مرتبہ گھر میں پڑا ہوا گھور منہ میں ڈالنے لگا تو آپ نے فوراً تنبیہ فرمائی اور کہا کہ حسین! کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم اہل بیت کے لئے صدقہ حلال نہیں اور منہ سے گھور نکلوایا۔ ایک موقع پر والدین کو تربیت اولاد اور ماتحتوں کی دینی نگرانی پر توجہ دلاتے فرمایا "کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ" (۱) تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور آخرت میں اپنے ماتحتوں کے متعلق اس سے باز پرس ہوگی موجودہ معاشرہ کے نوجوان کے بگاڑ اور بے راہ روی کی بنیادی وجہ بچپن میں دینی تربیت کا فراہم نہ ہونا اگر ہمیں معاشرہ کی اصلاح مطلوب ہے تو تربیت اولاد پر توجہ دینی ہوگی جلسوں اور اصلاحی پروگراموں سے وقتی بلچل تو پیدا ہو سکتی ہے لیکن ٹھوس کام ممکن نہیں۔

اصلاح خواتین پر زور

خواتین معاشرہ کا نصف بہتر ہیں اور انسانی معاشرہ پر اثر انداز ہونے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتی ہیں کسی بھی معاشرہ کی اصلاح خواتین کی اصلاح کے بغیر ممکن نہیں خواتین کی اصلاح اور فساد دونوں متعدی ہیں ایک خاتون کا بگڑنا پورے خاندان کا بگڑنا ہے جب کہ ایک خاتون کے راہ راست پر آنے سے پورا معاشرہ شاہ راہ دین پر گامزن ہو جاتا ہے، خواتین کی اسی اہمیت کے پیش نظر نبی رحمت ﷺ نے شروع سے اصلاح خواتین پر زور دیا، آپ ﷺ نے ہفتہ میں ایک دن خواتین کی نصیحت کے لئے مختص کر دیا تھا، عیدین کے موقع پر خواتین سے بھی خطاب فرماتے تھے، ایک مرتبہ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے موقع پر آپ ﷺ عید گاہ تشریف لائے تو عورتوں کی ایک

(۱) بخاری باب العبد راع فی مال سیدہ، حدیث ۲۴۰۹

جماعت کے پاس بھی تشریف لے گئے (جو نماز کے لئے الگ گوشہ میں جمع تھیں) اور ان کو مخاطب کر کے فرمایا اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ خیرات کیا کرو کیوں کہ میں نے اکثر کو دوزخ میں دیکھا ہے (یہ سن کر) عورتوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اس کا کیا سبب ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”مکتون اللعن“ تم لعن طعن بہت کرتی ہو اور اپنے شوہروں کی نافرمانی و ناشکری کرتی رہتی ہو میں نے عقل و دین میں کمزور ہونے کے باوجود ہوشیار مرد کو بے وقوف بنا دینے میں تم سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا یہ سن کر عورتوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! ہماری عقل اور ہمارے دین میں کیا کمی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ایک عورت کی گواہی آدھے مرد کی گواہی کے برابر نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں ایسا ہی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اس کی وجہ عورت کی عقل کی کمزوری ہے، اور کیا ایسا نہیں ہوتا کہ جس وقت عورت حالت حیض میں ہوتی ہے تو نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے انہوں نے کہا جی ہاں ایسا ہی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا یہ اس کے دین میں نقصان کی وجہ ہے۔ (۱) موجودہ معاشرہ میں اصلاحی کوششوں کے باوجود مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہونے کی بنیادی وجہ اصلاح خواتین سے پہلو تہی ہے، بے پردگی، چست لباس، فیشن پرستی اور مردوں سے اختلاط عام ہے، جس کے برے اثرات مرتب ہو رہے ہیں خواتین کو شرم و حیا کا پابند بنانا ضروری ہے۔

کسبِ حلال کی تاکید

معاشرہ کی اصلاح کے لئے ایک کلیدی اقدام معاشرہ کو حرام خوری سے محفوظ رکھنا ہے، حرام غذا کا مادی معاشرہ کبھی نیک اور صالح نہیں بن سکتا، قرآن مجید میں پیغمبروں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا: ”یا ایہا الرسل کلوا من الطیبات و اعملوا صالحا“ (المومنون) اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ آیت میں صاف اشارہ ہے کہ نیک بننے کے لئے حلال اور پاکیزہ غذا ضروری ہے، حلال کمائی اسی اہمیت کے پیش نظر نبی رحمت ﷺ نے کسبِ حلال کو فرائض کے بعد ایک اہم فریضہ قرار دیا ہے۔ عصر حاضر میں اصلاحی کوششوں کی ناکامی کی ایک وجہ حرام غذا کا ہونا ہے والدین اولاد کی بے راہ روی پر فکر مند ہوتے ہیں لیکن وہ اس پر غور نہیں

کرتے وہ خود اپنے بچوں کی حرام غذا سے پرورش کر رہے ہیں۔

اصول اصلاح کی رعایت

نبوی اصلاح معاشرہ مہم کی کامیابی کی ایک اہم وجہ اصول اصلاح کی رعایت ہے، اصلاح کے خواہشمندوں کو چاہئے کہ وہ اصول اصلاح کی مکمل رعایت کریں آپ ﷺ اصلاح میں تدریج کا لحاظ فرماتے تھے، سارے احکام ایک ہی دفعہ لاگو نہیں کرتے تھے، نیز مخاطب کے حالات اور نفسانیات بھی ملحوظ رکھتے تھے، سارے افراد کو ایک لاٹھی سے نہیں ہانکتے تھے، ہر ایک کے ساتھ اس کے حسب حال گفتگو فرماتے تھے، فرد کی اصلاح جماعت کی موجودگی میں نام لے کر نہیں فرماتے تھے، کتب احادیث میں رسول اکرم ﷺ کی تربیت کے نمونے بکثرت پائے جاتے ہیں، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس مسجد بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں ایک دیہاتی مسجد میں داخل ہوا اور کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا صحابہ نے کہا ارے ارے کیا کرتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو پیشاب سے مت روکو اس کو چھوڑ دو، لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ فارغ ہو چکا پھر آپ ﷺ نے اس کو بلایا اور فرمایا: مسجد پیشاب اور نجاست کی جگہ نہیں ہے، یہ تو اللہ کا ذکر نماز اور قرآن کی تلاوت کے لئے ہے پھر ایک شخص کو حکم دیا جو ایک ڈول پانی لایا اور اس پر بہا دیا۔ (۱)

اس واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اصلاح کے لئے آپ اشخاص اور زمان و مکان کی بھرپور رعایت کرتے تھے، اعرابی اسلامی تعلیمات سے بالکل نااہل تھابت ہی اس حرکت کا مرتکب ہوا آپ ﷺ نے اس کے طرز عمل سے اس کے دینی معیار کو بھانپ لیا پھر اس کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ فرمایا۔ فی زمانہ اصلاح معاشرہ کی مہم لے کر اٹھنے والے اکثر لوگ اصول اصلاح کی رعایت نہیں کرتے نتیجتاً اصلاحی کوششیں رائیگاں جاتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ مصلح اعظم تھے آپ ایک کامیاب داعی تھے بہت ہی مختصر عرصہ میں آپ ﷺ

(۱) ”فجأ بدلو من ماء فشنه عليه“ (مسلم باب وجوب غسل البول، حدیث ۲۸۵)

نے ایسی اصلاحی مہم چلائی کہ دور دور تک اس کے اثرات پہنچے اور دور جاہلیت کے خونخوار انسان اخلاق و انسانیت کے اوج ثریا کو پہنچ گئے، مولانا عبدالمجید دریابادیؒ اپنے منفرد اسلوب میں اس پر یوں روشنی ڈالتے ہیں: ”لیکن دنیا میں یہ انقلاب روحانی پیدا کر دینا کہ کل تک جو رہزن تھے آج وہ اچھے رہبر ہی نہیں بلکہ بہترین رہبر بھی ہو جائیں، کل تک جن کی زندگی فسق و فجور کی نذر تھی آج وہ بلند و مقدس مرتبہ پر پہنچ جائیں کہ صداقت و پاکیزگی کو ان کے انتساب سے شرف حاصل ہو جائے، کل تک جو مردہ تھے آج وہ زندہ ہی نہیں بلکہ دوسروں کو زندہ کرنے والے بن جائیں، ایسے آفتاب کا طلوع جو ہر ذرہ کو آفتاب بنادے، ایسے مسیح کا نزول جو مردہ کو مسیح بنادے اس کی نظیر دنیا میں بجز سرور دو عالم کے صحابیوں کے، بجز محمد ﷺ کے غلاموں کے اور کہیں بھی مل سکتی ہے؟ نادانوں کا قول ہے کہ خاتم النبیین نے کوئی معجزہ نہیں رکھا حالاں کہ یہ پاک زندگی شروع سے آخر تک خود ایک معجزہ تھی، اس کا کوئی جزئیہ ایسا نہ تھا جو اپنے اندر ایک اعجازی رنگ نہ رکھتا ہو۔“

خاندانی زندگی اور اسوۂ رسول ﷺ

انسان کو دیگر جاندار مخلوقات سے جو چیز ممتاز کرتی ہے، وہ انسان کا مدنی الطبع ہونا ہے، انسان انس سے بنا ہے، بنی نوع انسانی سے نسبت اور لگاؤ اس کی فطرت میں داخل ہے، کوئی بھی فرد معاشرے سے کٹ کر تنہا زندگی نہیں گزار سکتا، چاہے عیش و عشرت کے سارے سامان فراہم ہوں، یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو جب جنت میں رکھا گیا تو وہ ہر قسم کی نعمتوں کے باوجود خود کو بے چین و بے قرار محسوس کرنے لگے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بائیں پسلی سے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا جن سے حضرت آدم علیہ السلام کو سکون و قرار حاصل ہوا۔ انسان چاہے کسی بھی خطہ کا باشندہ ہو اور کسی بھی قوم و مذہب سے تعلق رکھتا ہو اپنے خاندان اور افراد خاندان کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتا۔ خاندان اور قبیلہ انسان کی فطری ضرورت ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاندان و رشتہ داری کے نظام کو بطور نعمت کے ذکر فرمایا: ارشادِ ربانی ہے:

وہو الذی خلق من الماء بشرا فجعله نسبا وصہرا وکان ربک قدیدرا ()

وہ ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا، پھر اسے نسب والا و سرالی رشتہ والا کر دیا۔ بلاشبہ آپ کا پروردگار (ہر چیز پر) قادر ہے۔

خاندان انسانی معاشرہ کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، اس سے سماج کو استحکام حاصل ہوتا ہے، نسلیں ترقی کی منزلیں طے کرتی ہیں، اخلاق و انسانیت کی اعلیٰ قدروں کا تحفظ ہوتا ہے، جن معاشرہ میں خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے، بالعموم وہ انحطاط کی طرف تیزی سے رواں دواں ہو جاتے ہیں، مادیت و لادینیت کے مغربی رجحان نے مغربی خاندانی نظام کو درہم برہم کر کے رکھ دیا ہے۔ مغربی خاندان تیزی کے ساتھ بکھرتے جا رہے ہیں جن پر چوٹی کے مغربی دانشور تشویش کا اظہار کر رہے ہیں، جہاں بیوی اور اولاد اور والدین کے رشتے اپنی معنویت کھوتے جا رہے ہیں۔ مغربی معاشرہ کے افراد خاندانی رشتوں کو فرسودہ قرار دے کر سال

میں ایک دن منا کر خاندانی ذمہ داریوں سے بکدوش ہو رہے ہیں، خاندانی نظام کا بکھراؤ موجودہ انسانی معاشرہ کو درپیش ایک زبردست چیلنج ہے۔ اسلام چونکہ خاندانی استحکام کو غیر معمولی اہمیت دیتا ہے اس لئے اس کی تعلیمات میں خاندانی زندگی سے متعلق نہایت قیمتی ہدایات پائی جاتی ہیں، نیز پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت میں خاندانی زندگی سے متعلق بہترین اسوہ پایا جاتا ہے چونکہ آپ ﷺ کی سیرت انسانی زندگی کے سارے شعبوں کو محیط ہے، اس لئے خاندانی و عائلی زندگی بھی سیرت رسول کی رہنمائی سے خارج نہیں، خاندانی زندگی میں ایک انسان مختلف رشتوں میں بندھا ہوا ہوتا ہے، وہ بیک وقت اپنی اولاد کا باپ بھی ہوتا ہے، اور اپنے والدین کی اولاد بھی۔ وہ داماد بھی ہے اور خسر بھی، وہ کسی کا چچا تایا ہے تو کسی کا بھتیجہ۔ الغرض خاندان میں اس کی مختلف حیثیتیں ہوتی ہیں اور ہر حیثیت اس کے لئے حقوق و فرائض کا ایک مکمل نظام رکھتی ہے، سیرت رسول ﷺ میں خاندانی زندگی کی ساری حیثیتوں کے لئے اسوہ ملتا ہے، خاندانی زندگی میں استحکام اس وقت پیدا ہوتا ہے جب سارے افراد خاندان اپنی حیثیت کے حوالہ سے خود پر عائد ہونے والے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کریں، حقوق و فرائض کے درمیان توازن کی برقراری خاندانی تعلقات میں خوشگواہی کا باعث ہوتی ہے۔ آئیے سیرت رسول ﷺ کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ کس طرح نبی رحمت ﷺ نے مختلف حیثیتوں سے خاندانی حقوق کی رعایت کا اعلیٰ نمونہ پیش فرمایا۔

اسوہ رسول ﷺ بحیثیت بیٹا

انسانی تعلقات میں سب سے گہرا تعلق اولاد اور ماں باپ کا ہوتا ہے، اولاد پر ماں باپ کے حقوق سب سے زیادہ ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں اپنی عبادت کا حکم دیا ہے اس کے فوری بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی ہے۔ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے والدین کا بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔ لیکن آپ ﷺ نے اپنے رضاعی والدین، اسی طرح اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ ایک انتہائی سعادت مند بیٹے اور بھتیجے کا برتاؤ کیا۔ آپ ﷺ نے اپنی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ کے ساتھ محبت و عظمت کے اظہار میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ عمرہ حدیبیہ کے موقع پر جب آپ کا گدرا اپنے اصحاب کے ساتھ مقام ابواء کے پاس سے ہوا تو فرمایا اللہ تعالیٰ

نے محمد ﷺ کو اپنی ماں کی قبر پر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی، پھر آپ اپنی والدہ کی قبر تشریف لے گئے وہاں انہیں یاد کر کے بے اختیار رو پڑے، صحابہؓ کے دریافت کرنے پر فرمایا مجھے ماں کی ممتا یاد آگئی۔ اس لئے رو رہا ہوں۔ (۱) آپ کو جب بھی موقع ملتا، اپنی والدہ کا تذکرہ فرماتے تھے، ایک دفعہ بنی عدی کا مکان دیکھ کر فرمایا ایک ماہ تک اس میں والدہ کے ساتھ میرا قیام تھا، اس کے پاس تالاب کو دیکھ کر فرمایا اس میں والدہ کے ساتھ اتر اٹھا۔ حضرت ثوبیہ جنہوں نے حضرت حلیمہ سے پہلے آپ کو دودھ پلایا تھا، آپ انہیں اکثر کپڑے بھیجا کرتے تھے۔ (۲) جب آپ نے حضرت خدیجہؓ سے نکاح فرمایا تو ایک مرتبہ حضرت حلیمہ آپ کے پاس آئیں اور اپنے علاقہ کے پریشان کن حالات سنائے کہ قحط پڑا ہے اور جانور مر رہے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے انہیں چالیس بکریاں اور سامان لد ایک اونٹ عطا کیا۔ (۳) اس سے بھی بڑھ کر آپ نے اپنے ارشادات کے ذریعہ والدین کے حقوق کی تاکید فرمائی۔ ماں کے قدموں کے نیچے جنت اور باپ کو جنت کا بیج کا دروازہ قرار دیا۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا جو کوئی اپنے والدین کو محبت بھری نظر سے دیکھے اسے ایک مقبول نفل حج کا ثواب ملے گا۔ صحابہ نے پوچھا کہ اگر کوئی دن میں سو دفعہ دیکھے تو کیا حکم ہے، آپ نے فرمایا اللہ کے خزانے بہت بڑے ہیں۔ (۴)

بحیثیت باپ

ایک باپ کا اپنی اولاد کے ساتھ کیسا برتاؤ ہونا چاہئے، اس کا نمونہ دیکھنا ہو تو فاطمہ الزہراءؓ کے عظیم باپ کی سیرت پڑھئے۔ باپ کو اولاد سے بے پناہ محبت ہونی چاہئے، باپ کی ذمہ داری ہے کہ جہاں وہ اولاد کی دنیوی ضروریات کی تکمیل کرتا ہے وہیں ان کی دینی و اخلاقی تربیت پر

(۱) زار النبی ﷺ قبر امہ، فبکی وأبکی من حوله“ (مسلم باب استئذان النبی ﷺ و ربه عزوجل فی زیارة قبر امہ، حدیث ۹۷۶)

(۲) ماہنازلت بی امی (بل الہدی والارشاد، الباب التاسع فی عدمہ ۳۹۶/۹، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۳) ”وکان یبعث الی ثوبیة مرضعة لصلبه وکسوة“ (الشفاء، الصلۃ وحسن اللہ ۶۱)

(۴) شعب الایمان، بر الوالدین، حدیث ۷۲۷۷

بھر پور توجہ دے۔

آپ ﷺ نے نہ صرف حقیقی اولاد کے ساتھ محبت و شفقت کا معاملہ فرمایا بلکہ منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ سے اس قدر محبت فرماتے تھے کہ لوگ زید بن محمد کہنے لگے، جب زید کے والد حارثہ انہیں لینے کے لئے آئے تو زید نے کہا کہ مجھے آزادی کے مقابلہ میں رسول اللہ ﷺ کی غلامی زیادہ پسند ہے، پھر حضور ﷺ نے انہیں آزاد فرما کر اپنا متبنیٰ بنا لیا۔ (۱)

اپنی بیویوں کی اس اولاد سے بھی محبت فرماتے تھے جو آپ ﷺ سے قبل دوسرے شوہروں سے ہوئی تھی، حضرت عدیجہ آپ سے پہلے دو شوہروں سے بیمار ہو چکی تھیں، جن سے انہیں اولاد بھی تھیں، جو اپنے ددھیال میں رہتی تھی، کبھی ان کا اپنی والدہ اور سوتیلے والد محمد عربی ﷺ کے یہاں آنا ہوتا تھا تو آپ ﷺ ان سے اس قدر محبت فرماتے تھے کہ وہ حد درجہ آپ ﷺ سے مانوس ہو چکے تھے۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ کے ساتھ ان کے سابقہ شوہر کے لڑکے حضرت عمرو تھے، وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے گھر میں رہتے تھے، آپ کو کل سات اولاد ہوئیں تین لڑکے اور چار لڑکیاں، لڑکے بچپن ہی میں انتقال کر گئے، البتہ لڑکیاں بڑی ہوئیں، اور ان میں بعض صاحب اولاد بھی ہوئیں۔ آپ ﷺ کے ایک فرزند حضرت ابراہیم ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے جب ان کی ولادت کی خوشخبری آپ ﷺ کو دی گئی تو آپ ﷺ نے خوشخبری دینے والے کو ایک غلام عطا کیا۔ (۲)

اولاد کی نگہداشت ان کی پرورش کا حد درجہ اہتمام کی ضروریات فرماتے تھے ان کی زندگی کی بے حد فکر کرتے تھے، ایک مرتبہ چند صحابہ نے کچھ روٹی اور سالن آپ کے پاس بطور ہدیہ کے بھیجا۔ اس وقت آپ ﷺ نے کچھ ان صحابہ کو بھی بلوایا جو بھوک سے نڈھال تھے، پھر روٹی کے اوپر کچھ گوشت رکھ کر حضرت فاطمہ کے یہاں بھیجا اور فرمایا کہ فاطمہ کے گھر والے بھی آج بھوکے ہیں۔^۳

(۱) فاعتقه فعتبناہ (اسد الغابہ، زید بن حارثہ ۳۵/۲)

(۲) سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد فی عدد اولاد ۱۱/۱۶

(۳) یا ایوب ابلغ بهذا إلى فاطمة لأنها لم تصب مثل هذا منذ أيام (سبل الہدی والرشاد فی ص عیشہ فی الدنیاء)

آپ ﷺ کی بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ ابوالعاص کے نکاح میں تھیں، آپ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ نہ آسکیں، قریب ڈیڑھ سال کے بعد ان کے شوہر ابوالعاص نے ایک معاہدہ کے تحت انہیں مدینہ منورہ روانہ کیا اور خود وہیں مقیم رہ گئے تھے، فتح مکہ سے قبل وہ قبول اسلام سے مشرف ہو کر مدینہ منورہ آئے تو آپ ﷺ نے اپنی بیٹی کا نکاح ان سے کیا، اور اس رات وہ حضور ﷺ کے یہاں مقیم رہیں۔ (۱)

صاحبزادیوں کے ساتھ بڑی محبت کرتے تھے۔ دور جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ درگور کیا جاتا تھا۔ آپ نے اس لعنت کا خاتمہ فرمایا۔ آپ نے ایک موقع پر فرمایا لڑکیوں سے نفرت نہ کرو میں خود لڑکیوں کا باپ ہوں۔ (۲)

اولاد کی پیدائش پر اظہار مسرت فرماتے تھے، حضرت فاطمہؓ کو اولاد ہوئی تو آپ ﷺ نے خود نام رکھا، عقیقہ کیا، اور بیٹی سے فرمایا فاطمہ! ان کے بال اتارو اور ان کے ہم وزن چاندی خیرات کرو۔ (۳)

اسی طرح جب صاحبزادیاں شادی کی عمر کو پہنچیں تو آپ نے نیک شوہروں کا انتخاب فرما کر شادی کے بندھن میں باندھ دیا۔ اولاد کی دینی تربیت پر خصوصی توجہ دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ کی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہؓ اپنا ہار حضرت ہند بنت بصرہ کو دکھلا رہی تھیں کہ حضور ﷺ تشریف لائے، اور یہ منظر دیکھ کر واپس لوٹ گئے، حضرت فاطمہؓ نے حضرت علیؓ کو پار دے کر بازار بھیجا، انہوں نے ہار کو بیچ کر ایک غلام کو آزاد کیا، جب آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ بے حد خوش ہوئے۔ (۴)

(۱) فاستجار بھا (الروض الانف ۵/۱۳۵، دار احیاء التراث العربی بیروت)

(۲) لا تکرہوا البنات (شعب الایمان، حقوق الاولاد حدیث ۸۳۲۸)

(۳) و تصدقی بزنہ شعرة فضة (ترمذی باب العقیقة، حدیث ۱۵۱۹)

(۴) فباعته فاشترت غلاماً فاعتقه (مسند اسحاق حدیث ۲۱۰۶)

بحیثیت شوہر

رسول اللہ ﷺ نے اپنی عملی زندگی کے ذریعہ ایک کامیاب شوہر کا اسوہ پیش فرمایا۔ میاں بیوی خاندان کے دو اہم ستون ہوتے ہیں، خوشگوار ازدواجی زندگی مستحکم خاندان کی ضمانت ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے میاں بیوی میں سے ہر ایک کوتاہی کو تلقین فرمائی کہ وہ دوسرے کے حقوق میں کوتاہی نہ کرے، شوہروں سے کہا گیا کہ تم میں بہترین وہ ہے جو اپنے اہل کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہے، اور بیویوں پر شوہروں کی اطاعت کی تاکید فرمائی۔ جہاں تک خود آپ ﷺ کے برتاؤ کا تعلق ہے، تو آپ ﷺ اپنی تمام ازدواج کے ساتھ ایسا برتاؤ فرماتے کہ کسی کو شکایت کا موقع نہیں ملتا اور ہر زوجہ یہ محسوس کرتی کہ آپ مجھے زیادہ چاہتے ہیں، آپ منصب رسالت پر فائز ہونے کے باوجود ازدواج کی ناز برداری فرماتے، ان کے ساتھ بے تکلفی کا مظاہرہ فرماتے تھے، آپ ﷺ کی گھریلو زندگی میں اس قدر توازن تھا کہ ویسی زندگی ایک پیغمبر ہی سے ممکن ہو سکتی ہے، حضرات صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گھر میں اپنے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا، ایک حصہ عبادت کے لئے، دوسرا گھریلو ذمہ داریوں کے لئے اور تیسرا حصہ آرام و راحت کے لئے۔ آپ نبوت و رسالت کے منصب جلال پر فائز تھے لیکن گھر میں داخل ہوتے تو چہرہ متبسم ہوتا، مسکراتے ہوئے گھر میں قدم رنجہ ہوتے، سلام میں پہل کرتے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لاتے تو اہل خانہ کے درمیان اپنے لئے ممتاز مقام پسند نہ فرماتے، جب تک گھر میں رہتے کسی نہ کسی کام میں مشغول رہتے، آپ ﷺ ازدواج مطہرات کی تعلیم و تربیت کو بڑی اہمیت دیا کرتے تھے، اپنی عملی زندگی سے انہیں اصلاح کی طرف متوجہ فرماتے، انصار و مہاجرین کی خواتین ازدواجی زندگی کے مسائل لے کر ازدواج مطہرات سے رجوع کرتی، اور حضور ﷺ نے ان کے جوابات مرحمت فرماتے۔ ایک طرف ازدواج کے حقوق کا اہتمام ہوتا دوسری طرف اللہ اور اس کے دین کا مسئلہ آتا تو ذرہ برابر نرمی نہ کرتے، ازدواج کے ساتھ مشغولیت آپ ﷺ کو کسی طرح اللہ سے غافل نہ کرتی تھی، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ

جب ہم میں بیٹھ کر باتیں کرتے ہوتے تو اس قدر چاہت اور اپنائیت سے باتیں فرماتے کہ ہمیں خیال تک نہ گذرتا کہ آپ اولو العزم پیغمبر ہیں، مگر جب اذان ہوتی تو اذان کے پہلے بول کے ساتھ اس طرح بدل جاتے کہ یوں معلوم ہوتا کہ پہلے سے مختلف آدمی ہیں۔

اہل خانہ کے ساتھ حد درجہ اخلاق اور بے تکلفی کا معاملہ فرماتے بلکہ ان کی ناز برداری فرماتے، بیویوں کے ساتھ اس طرح اشتراک فرماتے کہ بعض دفعہ ان کا جھوٹا تنک محبت سے کھا لیتے، (۱) اور ان کے درمیان پیش آنے والی باتوں میں برابر شریک ہوتے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے میں نے ایک خاص قسم کا کھانا تیار کیا اس وقت حضرت سودہؓ بھی موجود تھیں، اور سرکارِ دو عالم ﷺ دونوں کے درمیان تشریف فرما تھے، بے تکلفی کا ماحول تھا، میں نے حضرت سودہؓ سے کھانے کی گزارش کی تو انہوں نے انکار کر دیا میں نے پھر اصرار کیا، اور وہ انکار کرتی رہیں، اخیر میں میں نے کہا کھاؤ ورنہ میں اٹھا کر تمہارے منہ پر مل دوں گی، پھر بھی انہوں نے نہ مانا، تو حضرت عائشہؓ نے کھانا لیکر ان کے منہ پر لیسپ دیا، نبی رحمت ﷺ بے تکلفی کے اس عالم کو دیکھ کر متبسم ہوئے پھر حضرت سودہؓ سے کہا تم بھی حضرت عائشہؓ کے منہ پر ملو تا کہ حساب برابر ہو جائے، چنانچہ سودہؓ نے ایسا ہی کیا (۲) اس طرح ایک بے تکلف شوہر کی طرح آپ ازواجِ مطہرات کی دلجوئی فرماتے تھے، ازواجِ مطہرات کے درمیان باری مقرر فرمائی تھی، ظاہری امور میں انصاف کی پوری رعایت فرماتے تھے۔ قلبی میلان میں کمی زیادتی پر اللہ تعالیٰ سے یوں دعا فرماتے تھے کہ پروردگار جو چیز میرے اختیار سے باہر ہے اس میں میری پکڑ نہ فرما۔ (۳) ازواجِ مطہرات کی ضروریات زندگی کا بھرپور خیال فرماتے تھے، مدینہ منورہ ہجرت فرمانے

(۱) كنت اشرب و انا حائض ثم انا وله النبي صلى الله عليه وآله وسلم فيضع فاه على موضع في

فيشرب. (صحيح مسلم، بحوالہ مشکوٰۃ شریف، ۵۶)

(۲) مندابي يعلیٰ سند عائشہؓ، حدیث: ۴۴۷۶، علامہ بیہقی فرماتے ہیں کہ: اس حدیث کو ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور اے رجال صحیح کے رجال ہیں، ہوائے محمد بن عمر بن علقمہ کے، ان کی حدیث حسن ہے: مجمع الزوائد، باب عشرة النساء، حدیث: ۷۸۳۷

(۳) عن عائشة أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقسم بين نسائه فيعدل ويقول اللهم هذه قسمتي فيما أملك فلا تلمني فيما تملك ولا أملك كنن الترمذي كتاب النكاح عن رسول الله ﷺ باب ما جاء في التسوي: بين الضرائر، حدیث: ۱۱۴

کے بعد مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر سے فراغت ہوئی تو ازواج مطہرات کی رہائش کے لئے کمرے تعمیر کئے، ہر کمرہ لمبائی میں دس ہاتھ اور چوڑائی میں چھ سات ہاتھ سے بڑا تھا۔ (۱)

✽ ابتدائی زندگی تو عسرت کی تھی، جب فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو ہر زوجہ محترمہ کے لئے ۸۰ / ۱۰۰ کھجور اور ۲۰۰ سق جو (اناج) سالانہ غلہ کے طور پر دیا جاتا جس کا انتظام حضرت بلالؓ فرمایا کرتے تھے۔ (۲) آپ کا معمول تھا کہ عصر کی نماز کے بعد ازواج مطہرات کے یہاں تشریف لے جاتے اور ان کی ضروریات معلوم کر کے تکمیل فرماتے تھے، ازواج مطہرات سے بڑی محبت کرتے تھے، آپ نے امت کے مردوں کو تلقین فرمائی کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ محبت سے پیش آئے، بیوی کو دنیا کی سب سے بہترین متاع قرار دیا، ساری ہی ازواج سے محبت کرتے، کسی زوجہ کی زبان سے کسی دوسری زوجہ کی عظمت و شان کے خلاف کوئی بات سننا ہرگز گوارا نہ فرماتے لیکن یہ محبت دینی امور میں اصلاح و تربیت کے لئے مانع نہ بنتی تھی، خلاف شرع کوئی بات پیش آتی تو فوراً ٹوکتے۔

محبتیت و امداد

انسانی زندگی میں سسرالی رشتہ کی بڑی اہمیت ہے، رسول اللہ ﷺ سسرال والوں کے لئے شریف داما دتھے، آپ نے گیارہ نکاح فرمائے، اس اعتبار سے آپ کے سسرالی رشتہ داروں کا سلسلہ طویل تھا، بھی رشتہ داروں کے ساتھ اخلاق کا برتاؤ فرماتے، آپ نے اپنی خوش دامن صاحبہ حضرت ام رومان (زوجہ حضرت ابو بکرؓ) کے تعلق سے فرمایا کہ اگر کوئی دنیا کے اندر حور جیسی عورت کو دیکھ کر خوش ہونا چاہتا ہے تو وہ ام رومان کو دیکھ لے۔ (۳)

(۱) طبقات ابن سعد

(۲) يعطى كل امرأة من نسائه ثمانين وسقا من تمر كل سنة (دلائل النبوة، باب ماجرى لعبد الفتح فى الكنز ۲۳۰ / ۱، دار الكتب العلمیہ بیروت)

(۳) فلينظر إلى ام رومان (مستدرک حاکم، ذکر مناقب عبد الرحمن، ۶۰۰، ۶۰۱)

جب ان کا انتقال ہوا تو قبر میں اتر کر یوں دعا فرمائی کہ اے اللہ ام رومان نے تیری راہ میں اور تیرے رسول کی خاطر کیا کیا مصیبتیں بھیلی ہیں، تجھ سے پوشیدہ نہیں۔ (۱) اپنے خسر سیدنا ابو بکر صدیق کے تعلق سے فرمایا سوائے ابو بکرؓ کے کوئی اور نہیں جس کو میں نے اسلام کی دعوت دی ہو، اور اس نے بغیر چھکچھاہٹ کے اسے قبول کر لیا ہو۔ (۲)

آپ خسر محترم کی دلجوئی کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ اگر کوئی تکلیف دہ بات پیش آتی تو فوراً متنبہ فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت سیدنا ابو بکرؓ بیمار ہو گئے، تو حضرت عائشہؓ کی درخواست پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں دعائے صحت فرمائی۔

آپ کے ایک اور خسر حضرت عمر فاروقؓ تھے، آپ ﷺ ان کے ساتھ بھی نہایت شریفانہ برتاؤ فرماتے تھے۔

بحیثیت خسر

خسر کی حیثیت سے اپنے دامادوں کے ساتھ آپ کا رویہ انتہائی مشفقانہ تھا، آپ کی چار صاحبزادیاں تھیں اور چاروں کا نکاح ہوا۔ آپ ﷺ کے سب سے بڑے داماد حضرت ابو العاص تھے جو صاحبزادی حضرت سیدہ زینبؓ کے شوہر تھے، ابو العاص کے ساتھ آپ نے بڑا کریمانہ سلوک فرمایا۔ ابو العاص ۶ھ میں قریش کے کچھ لوگوں کے ہمراہ تجارت کے مقصد سے ملک شام گئے تھے، اس وقت شام کی سرحد ایک پہاڑی علاقہ پر ابو بصیر اور ابو جندل پناہ گزیں تھے، انہوں نے اس تجارتی قافلہ کے سارے سامان کو ضبط کر لیا سوائے ابو العاصؓ کے سب کو گرفتار کر لیا، ابو العاصؓ مدینہ گئے جہاں دختر رسول ﷺ حضرت زینبؓ نے انہیں پناہ دی، جب آپ ﷺ کو علم ہوا تو آپ نے صحابہؓ سے کہا میری بیٹی نے جسے پناہ دی ہے بہتر ہے تم بھی اس کو پناہ دیدو۔ بلکہ صحابہ سے سفارش کرتے ہوئے فرمایا کہ ان پر احسان کر کے ان کا مال لوٹا دو (۳) یہ داماد کے

(۱) لم یخف علیک مالیت ام رومان فیک ورسولک (الروض الاف خیر الافک ۷/ ۳۴)

(۲) السیرۃ النبویہ لابن کثیر ۵/ ۲۳۱، دار المعرفہ بیروت

(۳) الروض الاف غرۃ بدر الکبریٰ ۷/ ۵۲

حسن سلوک کی اعلیٰ مثال تھی، ان کے علاوہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو شرف دامادی حاصل ہوا۔ ان دونوں کے ساتھ پیغمبر اسلام کے حسن برتاؤ کے واقعات کتب سیرت میں بھرے پڑے ہیں، حضرت علیؓ تو آپ ﷺ ہی کے زیرِ کفالت تھے، نکاح کے آغاز سے اختتام تک آپ کی مکمل سرپرستی حاصل تھی، دامادوں کی اپنی بیویوں کے ساتھ کسی بھی طرح کی ناپاکی پیدا ہوئی تو خوش اسلوبی سے اسے حاصل کر لیتے۔

بحیثیت سرپرست خاندان

بحیثیت نانا اور سرپرست خاندان کے آپ نے تمام اہل خاندان چھوٹوں اور نواسوں کے ساتھ انتہائی محبت اور شفقت کا معاملہ فرمایا۔ ایک طرف شفقت تھی، دوسری جانب دین و شریعت کے معاملہ میں کسی قسم کی نرمی نہیں تھی، حضرت فاطمہؓ انتہائی چہیتی صاحبزادی تھیں، آپ ان سے بے حد محبت کرتے تھے، لیکن قبیلہ بنو مخزوم کی ایک خاتون سے سرزد ہوئے سرقہ کے معاملہ میں جب اسامہ بن زیدؓ نے آنحضور ﷺ کی خدمت میں سفارش کی تو سخت ناراض ہوئے، چہرہ انور کا رنگ متغیر ہو گیا اور فرمایا کہ یہ فاطمہ محترمہ کا معاملہ ہے اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی یہ حرکت کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کٹوا دیتا۔ (۱)

اس واقعہ سے سرپرست خاندان کو یہ پیغام ملتا ہے کہ وہ اپنے افراد خاندان کے ساتھ دین کے معاملہ میں کسی طرح کی رواداری نہ برتے، اس واقعہ میں سفارش کرنے والے صحابی حضرت اسامہؓ جو آپ کے منہ بولے بیٹے حضرت زید کے فرزند تھے، آپ کو دونوں سے بے انتہا محبت تھی، اس لئے لوگوں نے سفارش کے لئے اسامہؓ کا انتخاب کیا، اسامہؓ سے بے پناہ محبت کے باوجود دین کا معاملہ آیا تو آپ ﷺ نے سخت برہمی کا اظہار کرتے ہوئے ان سے فرمایا اسامہ! اللہ کی ایک حد کے تعلق سے سفارش کرنے آئے ہو؟

آپ ﷺ بحیثیت نانا نواسوں کی تربیت اور ان کی تعلیم کا بے حد خیال فرماتے تھے، آپ

(۱) لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها (ترمذی باب ما جاء في كراهية أن يشفع في الحدود، حدیث ۱۲۳۰)

کے نواسوں میں حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء سے حضرت حسنؑ، حسینؑ، ام کلثوم وزینب پیدا ہوئے (۱) سیدہ زینبؑ سے علی بن عاص اور سیدہ امامہ پیدا ہوئیں، جبکہ حضرت رقیہ کے بطن سے عبد اللہ بن عثمان پیدا ہوئے، آپ کی نواسی امامہ حالت نماز میں آپ کی گردن پر سوار ہوتی تھی۔ (۲) نواسوں اور نواسیوں کی پرورش، تعلیم و تربیت اور دیکھ دیکھ کے واقعات کتب سیر و حدیث میں کافی پائے جاتے ہیں، آپ کے سب سے بڑے نواسے علی بن عاص پیدا ہوئے تو آپ نے عرب کی عادت کے مطابق رضاعت کے لئے ایک قبیلہ میں چھوڑا پھر اپنے یہاں رکھ کر ان کی پرورش فرمائی، فتح مکہ کے موقع پر یہی نواسے آپ کے ردیف تھے، بلوغ سے قبل ہی وفات پائی۔ (۳) نواسوں کی تربیت کا بڑا اہتمام تھا حضرت حسنؑ فرماتے ہیں کہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ بچپن میں میں نے صدقہ کی ایک کھجور اٹھا کر منہ میں ڈال لیا، آپ ﷺ نے فرمایا تھو کو تھو کو، میں نے پوچھا یہ محض کھجور ہی تو ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ہم آل محمد ہیں، ہمارے لئے صدقہ کے جائز نہیں ہے۔ (۴)

رشتہ کے بھائیوں کے ساتھ برتاؤ

آپ ﷺ نے اپنے چچیرے اور رشتہ کے بھائیوں کے ساتھ بھی اچھے برتاؤ کا نمونہ پیش کیا۔ حضرت جعفر طیارؓ آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے، اولین اسلام قبول کرنے والوں میں تھے، پہلی ہجرت کے موقع پر دیگر مسلمانوں کے ساتھ ہجرت کر گئے تھے، فتح خیبر کے موقع پر جب مدینہ منورہ واپس ہوئے تو آپ نے ان کا دالہانہ استقبال کیا، معافہ کیا، پیشانی کا بوسہ لیا اور ان کی آمد پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا میں نہیں جانتا کہ مجھے جعفر طیارؓ کی آمد کی زیادہ خوشی ہے یا فتح

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۱۲۵، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت

(۲) وحملها فی الصلاة (اسد الغابۃ، امامۃ بنت ابی العاص ۲۰/۷)

(۳) لمادخل رسول اللہ ﷺ یوم الفتح اردف علیا خلفہ (اسد الغابۃ علی بن العاص ۱۱۸/۴)

(۴) أما شعرت أنا لاناکل الصدقة (بخاری باب ما نذكر فی الصدقة حدیث ۱۴۹۱)

خیبر کی؟ پھر آپ نے انہیں اپنے مکان کے قریب رکھا۔ (۱)

حضرت زبیر بن عوامؓ آپ کے بھوپنی زاد بھائی تھے، فتح مکہ کے موقع پر جب ان کا قافلہ مکہ میں داخل ہوا اور وہ حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ ان کے لئے کھڑے ہو گئے، اور ان کے چہرے سے گرد و غبار صاف کرنے لگے۔ (۲)

حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی سیدہ عمارہ آپ ﷺ کی چچا زاد بہن تھیں، والد کی شہادت کے بعد مکہ مکرمہ میں اپنے ننھیال میں رہائش پذیر تھیں، ۷ برس کی عمر میں عمرہ القضاء سے فارغ ہو کر جب آپ مدینہ لوٹے لگے تو آپ ﷺ کو دیکھ کر پکارتی دوڑتی ہوئی آئیں، حضرت علیؓ جعفر اور زید بن حارثہ بھی وہاں موجود تھے، انہوں نے سیدہ عمارہ کی پرورش کا دعویٰ پیش کیا۔ حضور ﷺ نے حضرت جعفر کی پرورش میں دے دیا کیونکہ ان کی بیوی حضرت اسماءؓ اس بچی کی خالہ تھیں اور خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے۔ (۳)

رسول اللہ ﷺ کی مثالی خاندان زندگی کی یہ چند جھلکیاں ہیں۔ اس سلسلہ میں ہمارے رفیق محترم مولانا موسیٰ خان ندوی کی قیام کتاب ”اسوۂ نبوی ﷺ اور خاندانی تعلقات“ کے نام سے منظر عام پر آچکی ہے، زیر نظر مضمون میں استفادہ کیا گیا ہے۔ تفصیلی مطالعہ کے خواہشمند احباب اس کتاب کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو زندگی کے ہر شعبہ کے لئے نمونہ بنایا ہے، معاشرتی و خاندانی تعلقات انسانی زندگی کا ایک اہم ترین شعبہ ہے، فی زمانہ سیرت رسول کا اس پہلو سے مطالعہ اس لئے ضروری ہے کہ زندگی کا حقیقی سکون خوشگوار خاندانی تعلقات کے بغیر ممکن نہیں۔ بد قسمتی سے اس وقت سارے عالم پر مغربی تہذیب کا غلبہ ہے، جس کے اثرات بد نے خاندانی ادارہ کو ٹوٹ پھوٹ سے دو چار کر دیا ہے۔

(۱) وما أدری بأیهما أنا اشد فرحاً (اسد الغابہ جعفر بن ابی طالب ۱/۵۳۱)

(۲) اسد الغابہ، زبیر بن العوام ۲/۳۰۷

(۳) السیرۃ النبویہ لابن کثیر ذکر خروجہ علیہ السلام من مکہ ۲/۳۴۲، دار المعرفہ بیروت

اغتنامیه

نفس گم کرده می آید جنید و بایزید ایں جا

روضہ رسول پر حاضری دینے والوں کی قلبی کیفیات

نبی رحمت فداہ ابی وامی کی محبت اور آپ سے والہانہ عقیدت اساس ایمان ہے، یہ دراصل دین حق کی شرط اول ہے، اگر اسی میں خامی ہو تو پھر سب کچھ نامکمل ہے، اہل ایمان کی نگاہ میں ذات نبوی ﷺ سب چیزوں پر مقدم ہے، سچا مؤمن اپنے ماں باپ اہل و عیال و منال حتیٰ کہ خود اپنے نفس سے زیادہ رسول خدا ﷺ سے محبت کرتا ہے، اس محبت کا اثر یہ ہے کہ وہ دین اسلام اور پیغمبر اسلام کی خاطر ہر چیز بچھا کر رکھنے کے لئے تیار ہوتا رہتا ہے، اور اسے اپنے لئے بہت بڑی سعادت سمجھتا ہے، جس بندے کو عشق رسول کا چمکہ لگ جاتا ہے اس کے نزدیک دنیا و مافیہا ہج ہو جاتے ہیں، وہ اپنے محبوب نبی ﷺ کی محبت میں اس قدر ڈوب جاتا ہے کہ نبی کی ایک ایک ادا اور ان کی ایک ایک سنت کی نقل کر کے انکی یاد کی شمع کو ہر وقت دل میں جلانے رکھتا ہے، نبی کی سنتوں پر مرمٹنا ناموس رسالت کی تحفظ کے لئے جان پر کھیلنا ان کے مبارک تذکرے سے اپنی مخلوق خلوتوں اور جلوتوں کو آباد رکھنا اور ہر دن درود و سلام کی سوغات ان کی خدمت میں بھیجنا اس کا معمول بن جاتا ہے، لیکن اس سب کے باوجود اس کے جوش محبت کو قرار نہیں آتا اور اس کا دل بے چین و بے قرار رہتا ہے اور اسے اس وقت چین آتا ہے جب وہ روضہ اطہر کی زیارت سے مشرف ہو جاتا ہے، اور گنبد خضریٰ کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈی کرتا ہے، زیارت مدینہ منورہ اور روضہ اطہر پر حاضری ہر مؤمن کی دلی آرزو اور آخری تمنا ہوتی ہے، کیا امیر کیا غریب، کیا عالم کیا جاہل کیا حاکم اور کیا محکوم سب کا دل روضہ اطہر پر حاضری کے لئے مچلتا رہتا ہے اور کیوں نہ مچلے؟

روضہ اطہر کیا ہے؟

یہ وہ مقدس مقام ہے جہاں فرشتے بھی آکے سلامی دیتے ہیں جہاں کا ہر ذرہ رشک تقدیس حرم ہے اور جو بقول عزت بخاری زیر سماں عرش سے زیادہ نازک مقام ہے۔
 ادب گاہے بیست زیر آسماں از عرش نازک تر
 نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

جہاں تن من میں اجالوں کی بارات اترتی ہے جس کی بلندی کا یہ عالم ہے کہ بقول شاعر ”افلاک کو جھکتے ہوئے دیکھا ہے نظر نے“ اور جس کی تعظیم و تقدیس کا یہ عالم ہے کہ کہنے والوں نے یہاں تک کہہ دیا

لے سانس بھی آہستہ یہ دربار نبی ہے
کوچہ حبیب ہے پلکوں سے چل کے آ
اس کوچے سے آگے نہ زماں نہ زمیں ہے
آئے نہ تیرے دل کے دھوکنے کی صدا بھی
او پاؤں رکھنے والے یہ جانشینِ سر کی ہے
جہاں پہنچ کر عاشقوں نے اپنے تاثرات کا اظہار یوں کیا
”جالیوں سے چھن رہے ہیں روشنی کے آفتاب
معلوم یہ ہوتا تھا سرِ طور چلے ہیں“
پلک پلک پے سجاؤں مسرتوں کے چراغ
متنا ہے کہ فوراً بحق تسلیم ہو جاؤں
معراج کی سی حاصل سجدوں میں کیفیت ہے
جس کے راستے کے بارے میں کہنے والوں نے کہا:

یہ وہ راستہ ہے کہ فردوس سے جا ملتا ہے
اس کی بلندی کا اعتراف کسی نے
زمین کا اتنا ٹکڑا آسماں ہے کہہ کر کیا تو کسی نے کہا

اس زمین کی خاک پر عرشِ معلیٰ بھی ٹار

روضہ اطہر کیا ہے؟ یہ وہ مقام مقدس ہے، جہاں ہر روز ستر ہزار فرشتے صبح و شام نازل ہو کر
درود شریف پڑھتے ہیں، جہاں ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کا ثواب رکھتی ہے، ایک نیکی پچاس
ہزار نیکیوں کے برابر ہے، جہاں سو میں نوے رحمتیں نازل ہوتی ہیں، جہاں کا دربار فیض بار

ہے، جہاں شفاعت واجب ہوتی ہے، جہاں جنت کے باغوں میں ایک باغ ہے، جہاں تمام افکار و ہوموم دفع ہو کر دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے، جہاں سلام کرنے سے حضور بذات خود جواب دیتے ہیں، جہاں کار و رضہ مبارک عرش معلیٰ سے بھی افضل ہے، جہاں فوت ہونے والا حضور کی شفاعت کا مستحق ہو جاتا ہے، جہاں دل کا گلستان کھل اٹھتا ہے، مردہ چہرہ کو روشنی اور قلب کو تسکین ملتی ہے، جہاں آنسو محبت و احترام کے انداز سے نکلتے ہیں، جہاں دھڑکنیں شکر و سپاسی کی صورت اختیار کر لیتی ہیں، قدم رکھ جاتے ہیں، سر جھک جاتے ہیں، تاریک دل روشن ہو جاتے ہیں، زبانیں ندامت گناہ اور احساس خطا سے گنگ ہو جاتی ہے، زندگی پشیمان ہو جاتی ہے، اعمال نادم اور خطائیں شرمندہ ہو جاتی ہیں، روح کی آلائشیں ختم ہو جاتی ہیں، تقدیر بدل جاتی ہے، مقدر جاگ جاتا ہے، التجائیں آنسوؤں کا روپ دھار لیتی ہیں، آسمان سر جھکاتے ہیں، یہاں انوار و تجلیات کی بارش ہوتی ہے، ہر سمت و رفعتا لک ذکر کی تاثیر و تصویر نظر آتی ہے، ”ہر طرف باادب با ملاحظہ ہو شیار“ اور ”اے رُہرواں شوقی یہاں سر کے بل چلو“ کی منادی ہوتی ہے، یہاں زمانے کے نامور اہل تخت و تاج اور وقت کے حاکم سر بہ خیم نظر آتے ہیں، اور ارباب خرد سر گشتہ و حیران ہیں، شوق و محبت ہم نشیں ہو جاتا ہے، بصارت بصیرت ہو جاتی ہے، رخ قبلہ کے جانب اور دل سوائے محمدؐ ہو جاتا ہے، جذبہ بے ثار، جسم سراپا نیاز، اور دھڑکنیں بے اختیار ہو جاتی ہیں، یہاں ذرے ذرے میں ایک خزینہ پنہاں ہے، فرش سے عرش تک ضیاؤں کا نہ ٹوٹنے والا سلسلہ ہے، یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے جنت زمین پر اتر آئی ہے۔

بے شک وہ روضہ رسول جو مرکز انوار و تجلیات اور مبدأ فیوض و برکات ہے، جو قلب و نظر کی معراج اور نور و تجلی کا خیکر ہے، جس کی زیارت سے ایک مومن کو رقت و سوز کی دولت میسر آتی ہے، نگاہوں کا میل دھل جاتا ہے، قلوب بجلی، ذہن مصغیٰ اور باطن منزہ ہو جاتا ہے، ظاہر ہے ایسے روضہ پاک کی زیارت کے لئے کون محروم ان قسمت ہو گا جو بے چین نہ رہتا ہو، کون بد نصیب ہو گا اس گنبد خضریٰ کی دید کی آرزو نہ رکھتا ہو، جس کے لئے آسمان کی بلندیاں سرنگوں ہونے کو فخر سمجھتی ہیں اور

جس سے ہمیشہ نور کی شعاعیں پھیلتی اور پھوٹی نظر آتی ہیں اور روشنی کے دھارے بہتے رہتے ہیں جو قلب و روح کی کیفیت اور نظر کو سرور بخشے ہیں، زیارت روضہ رسول کی آرزو تو ہر دل میں مچلتی رہتی ہے لیکن وہاں حاضری کی توفیق انہی خوش نصیبوں کو ملتی ہے جن کی قسمت یاوری کرتی ہے، جو لوگ اس نعمت سے بہرہ ور نہیں ہوتے وہ بالواسطہ ہی ایسی ان خوش نصیبوں کے آثار سے اپنے دلوں کو منور کر لیتے ہیں جنہیں یہ دولت نصیب ہوئی ہے، روضہ رسول کی زیارت سے مشرف ہونے والوں پر کیا کیفیت طاری تھیں اور جب وہ مواجہ شریف میں پہنچے تو ان کے کیا احساسات تھے، اس کی تفصیلات جاننا اور ان کا مطالعہ کرنا بھی کچھ کم کیفیت و سرور اور فرحت و انبساط کا باعث نہیں ہے، ان کے آثار پڑھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم خود روضہ رسول ﷺ کے سامنے کھڑے ہوں آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں رواں ہوئی ہیں اور دل میں زیارت کی تمنا مچانے لگتی ہے، اور قلب میں محبت رسول کی چنگاریاں شعلہ جوالہ کی شکل اختیار کر لیتی ہیں، کزشتہ ایک صدی کے عرصہ میں برصغیر ہندوپاک سے شعراء، ادباء، مصنفین، علماء اور نامور شخصیات کی ایک بڑی تعداد حج و زیارت سے مشرف ہوئی اور واپسی پر انہوں نے اپنے آثار کو الفاظ کا جامہ پہنایا، یہ آثار ہندوپاک کے مختلف اخبار و جرائد میں شائع ہوئے اور بعض نے تو باقاعدہ سفر حج کی شکل میں کتاب مرتب فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے جناب متین خالد صاحب کو کہ انہوں نے اس قسم کے منتشر آثار کو بڑی عرق ریزی کے ساتھ مختلف اخبارات و جرائد اور کتابوں کی چھان بین کر کے انہیں کتابی شکل میں شائع کیا، ذیل میں متین خالد صاحب کی کتاب ”دربار رسالت میں“ سے چند مشاہیر اقتباسات اس مقصد سے ہدیہ ناظرین کئے جا رہے ہیں کہ قارئین میں سے چند نے بھی ان اقتباسات کو پڑھ کر دل میں عشق رسول کی شمع روشن کر لی اور ان کے دل میں عشق رسول کی چنگاری بھڑک اٹھی تو اس مضمون کی قیمت وصول ہے، عشق رسول ہی اس امت کے افراد کا اصل سرمایہ حیات ہے۔

سید ابوالخیر کشفی کی کیفیت حاضری

پاکستان کے معروف ادیب اور محقق سید ابوالخیر کشفی روضہ رسول پر حاضری کے وقت ان پر کیا کیفیت طاری تھیں انہیں ان الفاظ میں پیر و قرطاس کرتے ہیں:

”پہلے دن نماز فجر کے بعد روضہ مبارک پر جو کچھ بنتی وہ مجھے یاد نہیں اگر یاد بھی ہے تو اس کا تعلق حرف و بیان کی دنیا سے نہیں، سامنا کس کا تھا؟ وہ جو قرآن کے حروف مقطعات کے نقاب میں چھپ کر بھی کس قدر نمایاں ہے، وہ جو اول ہے، اور آخر بھی، وہ وقت کا معیار ہے اور ازل سے ابد تک سارا مرحلہ اس کی ایک سانس کی مسافت ہے، عصر کی نماز کا دامن نماز ظہر سے بندھ گیا، یہ پوری مدت حرم مصطفیٰ میں گزری، گرمی کی وجہ سے جب بعض ساتھیوں کو نیند آئی تو میرے لب روضہ رسول کی جالیوں پر تھے، میری آنکھیں بند تھیں اور ان بند آنکھوں پر آنسوؤں کی جھاروں کے پیچھے زمان و مکان، یہ اور وہ سب دم بخود تھے، صدیاں گزر گئیں اور حرم مصطفیٰ کی خاموشیوں کو کوئی آواز مجروح کرنے کی جرأت نہ کر سکی۔“

مولانا ابوالقلم خاموش کے تاثرات

مولانا ابوالقلم خاموش فتح پوری کے اثرات سنئے:

”روضہ کی جالیوں سے لگ کر سلام پڑھنا شروع کیا تو میرا حال ایسا ہو گیا جیسے کسی نے بے خودی طاری کر دی ہو، کچھ ہوش نہ رہا کہ عاصی کیا پڑھ رہا ہے، مجھے یوں خیال آیا کہ میں کون ہوں؟ میرے اعمال کیا ہیں؟ یہ کس کا دربار ہے جہاں میں حاضر ہوں آنسوؤں کا ایک دریا بہہ نکلا، آواز بلند ہو گئی، ہچکیاں بندھ ہو گئیں، گلجہ چاہتا تھا کہ پسلیوں کو پھاڑ کر باہر نکل جاؤں، دل چاہتا ہے کہ مجھے باہر نکال، میں تڑپ کر نثار ہو جاؤں، وہ رونا عجیب کیفیت کا رونا تھا، جب مجھ جیسے سیاہ کاریہ حال ہوا تو اللہ والوں اور نیک بندوں پر کیا واردات گزری ہو گئی۔“

امجد حیدر آبادی کے تاثرات

حیدر آباد کے مشہور شاعر امجد حیدر آبادی اپنا مآثریوں بیان کرتے ہیں:

”باب الرحمتہ سے ہوتے ہوئے جب مسجد نبوی میں حاضر ہوئے نماز ادا کی، فیروز صاحب نے کہا: چلتے سلام کے لئے چلتے، وہ ہاتھ پکڑے اس طرح کھینچ رہے تھے جیسے کوئی سپاہی کسی سنگین مجرم کو شاہی دربار میں لے جاتا ہو، پاؤں من من بھر ہو گیا ہے، نہ بھاگ سکتے ہیں، نہ پڑھ سکتے ہیں،

آنکھیں کھلی ہوئی ہیں مگر نظر کچھ نہیں آتا، دل دھک دھک کر رہا ہے، اس طرح کشاں کشاں سر جھکائے گردن ڈالے دونوں ہاتھ پھیلائے قبلہ کے رخ سے پائیں اقدس پر پہنچ کر پاؤں پھر رک گئے، اب تو قدم بالکل نہیں اٹھتا، سوچ رہا ہوں مواجہ شریف کیا صورت لے کر جاؤں، یہ محسوس ہو رہا تھا کہ اب غش کھا کے گرا جاتا ہوں، طاقت دیدار رخصت ہو رہی ہے، دنیا کی خبر نہ مافیہا کی۔

گم ہیں خرد و حواس عنقاء کی طرح
دل ہو گیا صاف ان کے کف پاکی طرح
گر نور خدا نہیں ہے جلوہ ان کا
پھر بیوں مجھے عش آگیا موسیٰ کی طرح

کل تک تو دل میں ہزاروں تناؤں کا جھوم، لاکھوں آرزوؤں کا محشر تھا، آج ایک بات بھی یاد نہیں، نہیں معلوم بھول گیا یا بھلا دیا گیا، یکا یک غیبی طاقت نے مدد فرمائی اور قرآن کریم کی آیات کریمہ یاد آئے، ان آیات قرآنی کے اثر سے جسم میں طاقت، دل میں توانائی آگئی، ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں، سنہری جالی پر نظر پڑی، جالی کے پردے پر کچھ حروف بنے ہوئے معلوم ہوئے، ان جملوں کی تاثیر اور جذب حقیقی نے مقدس جالی کے قریب تو کھینچ لیا، دل پر کسی نے ٹھنڈا ہاتھ رکھ دیا، خوف کا اثر دل سے بالکل زائل ہو گیا، دریائے رحمت جوش و خروش کے ساتھ خفنگان بخت کو چھٹنے دے دے کر جگا رہا تھا، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا ہر طرف سے پیغام لاہوتی لا رہی تھی، ہر جھونکے میں درود کی آواز آرہی تھی، محمد رسول اللہ عرش بریں پر جانے والے، روحانیت کے شہنشاہ، طالبان دید و تسکین کے لئے تمام عینی و لاتمام قلبی فرماتے ہوئے اب بھی اس مادی دنیا میں آرام فرما رہے ہیں، بقعہ نور سے چھن چھن کر نکلنے والی نور کی کرنیں مشاقان جمال کے دیدہ دل کو پر نور کر رہی ہیں، جالی شریف کا ہر حلقہ صاحبان بصیرت کے حلقہ چشم سے ہم چٹمی کر رہا ہے، جذبات کا حال کچھ یوں تھا۔

روضہ پاک کی تجلی ہے
طور سینا ہے اپنے سینے میں

سفر حج کا ماحصل ہے یہ
کعبہ والا ملا مدینہ میں

حافظ افروغ حسن کا تاثر

حافظ افروغ حسن اپنا تاثر لکھتے ہیں:

”حضور ﷺ کی جناب میں سلام عقیدت پیش کرتے ہوئے دل اور روح کو جو تسکین ملی اس کے بیان کی انسان کے ایجاد کردہ الفاظ و فقرات میں نہ تاب ہے اور نہ ان میں اتنی وسعت، روح محسوس کر رہی تھی کہ مجھ ناچیز کے سلام کا جواب حضور ﷺ کی بارگاہ رحمت سے برابر آرہا ہے، کتنا کرم تھا ان کا اپنے گناہ گار امتی پر، کتنی عنایت تھی ان کی اپنے خطا کار غلام پر، ان کی نظر محبت سے دل کو حصہ مل رہا تھا، نہایت ادب و احترام کے ساتھ دل نے عرض کیا، حضور! آپ کا غلام آپ کے درپے حاضر ہے، نظر کرم کا متمنی وہ آپ کا ایک نالائق مہمان ہے، مگر بارگاہ ایزدی میں آپ کی شفاعت کا امیدوار ہے آپ قاسم جود و عطا ہیں اس لئے وہ بھی فیض و رحمت کا طلبگار ہے“

بشری اعجازی کی زبان کا تاثر

روضہ رسول ﷺ پر حاضر کے وقت دل کی کیا کیفیت ہوتی ہے، بشری اعجازی کی زبانی

سنئے!

”جھکی نظریں اٹھنے کی ہمت نہ پاتی تھیں، سر در محبوب کو سلامی دے رہا تھا، وجود خود سے آشنا ہو چکا تھا، نہ جانے وہ کیا کیفیت تھی کہ اب تک اسے بیان کرنے کے لئے لفظ نہیں مل سکے، لفظوں کی دنیا میں جیسے کال پڑ گیا ہو، پھر سوچتی ہوں کہ الفاظ کی قسمت میں اتنی رسائی کہاں کہ وہ اس کیفیت تک پہنچ سکیں، وہ کیفیت شاید اظہار کا روپ دھار ہی نہیں سکتی، وہ صرف اور صرف محسوس کرنے کی کیفیت، وہ ماضی، حال، اور مستقبل کے زمانوں سے ہٹ کر لافانی زمانوں میں کھو جانے والی کیفیت، اس کیفیت کا کوئی نام نہیں، مگر وہ زندگی کی سب سے بڑی سچائی ہے، اس کیفیت نے اس قدر جکڑا کہ اس پاس سے قطعی بے خبر ہو گئی، دراصل رنگین لمحوں میں یوں رنگی کہ

زیست کے تمام رنگ پھیکے پڑ گئے، زندگی زندگی سے یوں گلے ملی کہ تمام جسم و روح کی ٹھکن مٹنے لگی، تن کے سب آلام فنا ہو گئے“

حافظ خالد لدھیانوی کی منظر کشی

حافظ لدھیانوی روضہ پر کی منظر کشی یوں کرتے ہیں:

”حرم نبوی میں داخل ہوتے ہی خوشبوؤں کا ایک تیز جھونکا آیا، جس سے سارا جسم معطر ہو گیا، یہ مقدس جگہ کائنات کے جمال کا مرکز ہے، خانہ کعبہ کے بعد کوئین میں اس سے افضل جگہ کوئی نہیں..... یہی وہ روضہ اطہر ہے جس پر ستر ہزار فرشتوں کا نزول طلوع آفتاب کے وقت ہوتا ہے، ستر ہزار ملائکہ غروب آفتاب کے وقت حاضری دیتے ہیں، یہی وہ دربار ہے جس کی سخاوت کائنات پر محیط ہے، یہی وہ چشمہ نور ہے جس کے جلوؤں سے سارا جہاں روشن ہے، یہی وہ مہر نبوت ہے جس کی کرنوں سے دنیا کے ظلمت کدے منور ہوتے، یہی وہ آستانہ ہے جو دلوں کو سرور، نگاہوں کو کیفیت حضور بخشا ہے، یہی وہ دربار ہے جہاں مسکوتوں کی جھولیاں بھری جاتی ہیں۔“

حافظ لدھیانوی جب گنبد خضریٰ کا دیدار کرتے ہیں تو ان کا قلم یوں گویا ہوتا ہے:

”یہ وہ گنبد خضریٰ ہے جس کی یاد دلوں کے آبگینوں میں آنسو بن کر چھلکتی ہے، یہی گنبد مبارک، ایک عالم کی تناؤں کا مرکز، ذوق و شوق کا آئینہ اور بے تابی اور اضطراب کا مظہر ہے، اسی گنبد خضریٰ کی حسرت دید میں شعراے عرب و عجم نے دلوں کے ولولوں، روحوں کے اشتیاق کی ترجمانی کی ہے، ان کی فکر کی بلندی اور تخیل کی پرواز نے اسے ہزار انداز سے بیان کیا ہے، اور اس جلوہ محبوبی کی فکر کے حسین پیرایے میں ایسا سجایا کہ پڑھنے والا عالم خیال میں روضہ اطہر کی حاضری کا لطف لینے لگتا ہے، اس کے ذکر سے کیسی کیسی متبادل کے نہاں خانے میں حسرت بن کر پھیل جاتی ہے، کتنے آنسو دعا کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ (۱)“

ریاض حسن چودھری کی حاضری

اور عاشق رسول ﷺ ریاض حسن چودھری کو دیکھتے، جب وہ مدینہ النبی میں داخل ہوتے، اور دیوانہ وار گلیوں میں آگے بڑھ رہے تھے تو ان پر کیسی کیفیت طاری تھی، لکھتے ہیں:

”ان گنت تمنّوں، آرزوؤں، حسرتوں اور خواہشوں کی غلعت فاخرہ میں لپٹا ہوا ایک روشن اور منور دن، گلیوں کی شرماسٹ کا تابندہ احساس لئے ہوئے، ایک جھلملاتا ہوا بدن، میری حیات مستعار کے ناقابل فراموش اور یادگار لمحات کا حامل قلبی کیفیات میں ڈوبا ہوا ایک شگفتہ اور گداز دن، ایک عجیب سا کیف ایک عجیب سا سرور اور ایک عجیب سا نشہ رگ و پے میں سرایت کر رہا تھا، حد نظر تک پھیلا ہوا ایک دلنواز اور دلآویز منظر مجھے میرے سفر کا احساس دے رہا تھا، اور میری کائنات شعور کو لمس اثبات سے ہمکنار کر رہا تھا، چاروں طرف انوارات سرمدی کی بارش ہو رہی تھی، نور کا باڈا بٹ رہا تھا، عمرہ کی ادائیگی اور حرم کی سرزمین پر سجدہ بندگی ادا کرنے کے بعد میں مدینہ النبی کی خاک شفا کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانے کی سعادت حاصل کر رہا تھا، ایک دیوانہ اپنے سر ہانے غلامی کی زنجیر رکھ کر سونے والا دیوانہ اپنی آنکھوں میں حیرتوں کے سمندر چھپاتے ہوئے، ہونٹوں پر درود و سلام کے گجرے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں پر عشق مصطفیٰ کے چراغ جلاتے دیوانہ وار شہر حضور ﷺ کی معطر و معتبر اور مقدس گلیوں میں آگے بڑھ رہا تھا، اس کے ڈگمگاتے قدم آہستہ آہستہ مسجد نبوی کی جانب اٹھ رہے تھے، احساس ندامت قدم قدم پر دامن گیر تھا، ماتھے پر عرق انفعال کے چمکتے ہوئے قطرے خطاؤں اور گناہوں کی ایک طویل داستان بیان کر رہے تھے، یہ روز روز عید تھا، پلکوں پر اشکوں کا میلہ سا لگا ہوا تھا، یہ عید میرے لئے اربوں، کروڑوں عیدوں سے بڑھ کر ایک ایسی عید تھی کہ جس کے دامن میں روز اول سے میرے سلگتے ہوئے آنسو جذب ہو رہے تھے، اور میں نے وادی خیال میں پیدا ہونے والے جلال و جمال کی تمام تر عنایتیاں جس عید کے انتظار میں پلکوں کی دبیز پرستار کر دی تھیں، آنکھوں نے پلکوں پر آنسوؤں کی سیاری سی لگا دی تھی، حرم دیدہ و دل میں چراغاں ہو رہا تھا، دھنک کے ساتویں رنگ ادب و احترام کی قندیل تھامے آہستہ آہستہ اتر رہے تھے، کشت آرزو میں باد بہاری چل رہی تھی، شمیم خلد مدینہ چاروں طرف

مخوام تھی، قریہ جاں کسی دور دراز گوشہ سے ایک کمزوری آواز بھری اس کمزوری آواز نے میرے پورے وجود کو ہلا کر رکھ دیا، ریاض! تمہارے نامہ اعمال میں رسوائیوں اور بد اعمالیوں کے سوا کچھ بھی نہیں، تیری فرد جرم بڑی طویل ہے، تیری دونوں ہتھیلیوں پر اس فرد جرم کے اوراق دھرے ہوئے ہیں اور اس میں تیرے ایک ایک جرم کی تفصیل درج ہے، ریاض! تیرا سینہ منافقانہ ساعتوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، تیرے من میں لذتوں کا لاوا کھول رہا ہے، تیرے ظاہر و باطن میں ہر طرف کثافت اور غلاظت کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں، تمہاری یہ ہمت کہ والی کون و مکان کے دربار گھر بار میں چلے آئے ہو، کیا منہ لے کر حضور ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں جا رہے ہو؟ بندہ گستاخ رک جاؤ، میں سہم گیا، قدم رک گئے، ذہن میں یہ خیال بجلی کی طرح کون گیا کہ میں لاکھ براہی، لیکن پھر بھی اپنے شفیق اور مہربان نبی کا امتی ہوں، میرے آقا پیکر عفو و کرم ہیں، سب کے زخموں پر مرہم رکھنے والے حضور مجھے بھی رحمت کی شال عطا کریں گے دل نے پھر ایک بار ڈو کار ریاض! سنبھل کر قدم رکھ، یہ سرزمین محبوب خدا کی ہے، دریاد دل کا ہر منظر کشور روح کا ہر پیکر کیفیت حضوری میں ڈوب گیا، ہر موئے بدن حرفِ پاس بن گیا، نظریں آسمان کی طرف اٹھ گئیں، اور ہاتھ دعا کے لئے پھیل گئے، اے قادر مطلق، اے بنجر زمینوں کی طرف کالی گھٹاؤں کو حکم دینے والے رب، میرے پلکوں پر جھلملانے والے تشکر کے آنسو قبول فرما، اے میری سانسوں کے مالک! میں تیرے محبوب کے دربار میں حاضری کے آداب سے واقف نہیں ہوں، میرے ذوق اور میرے شوق کو حد ادب میں رکھ، میرے اضطراب کو خوفِ محمل عطا کر، دل نے آہستہ سرگوشی کی ”یہاں سانس بھی آہستہ لے، یہ شہر نبی ہے“ دیکھ حضور ﷺ انہی فضاؤں میں سانس لیا کرتے تھے، ان کی مقدس سانسوں کی خوشبو آج بھی ان فضاؤں میں رچی بسی ہے، ساری عمر ارادے باندھتا رہا کہ حضور ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں پہنچ کر اپنی ساری تمنائیں طشت دیدہ و دل میں سجا کر پیش کر دوں گا، عرض کروں گا کہ آقا آپ کے غلاموں کے وطن کا ایک بازو ٹوٹ گیا ہے، حضور ﷺ میرا مشرقی پاکستان شازشوں کے بھنور میں ڈوب گیا ہے، آقا ﷺ! غلاموں کا آشیانہ شاخ نازک پر لرز رہا ہے، حضور شرمسار ہوں کہ اب میرے وطن سے آپ کو ٹھنڈی ہوائیں نہیں آتیں، ہم آپ کی تعلیمات کو بھول چکے

ہیں، تارک قرآن ہو کر در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں، ہم نے اخلاق کا جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا ہے، اپنی ثقافتی اقدار کو عملی زندگی میں نافذ کرنے کے بجائے انہیں ہم نے عجائب گھروں کے شفاف شوکیموں میں سجا رکھا ہے، حضور ہم اپنی تاریخ ہی نہیں اپنے جغرافیہ کے بھی قاتل ہیں، صنم خانے ہماری سوچوں کے نگر میں آباد ہیں، کشور دیدہ و دل میں دھول اڑ رہی ہے، ہر زاویہ نگاہ تشکیک کی گرد میں لپٹا ہوا ہے، ہم نے اپنے ذہن میں جھوٹی انا کی گمراہیوں کی مسند بچھا رکھی ہے، ہم نے تاج ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالنے والے عاصیوں کو اپنے دامن میں چھپا رکھا ہے، ہم وہ بد بخت ہیں جو فلسطین، بوسنیا اور دیگر ممالک کی بیٹیوں کے سر پر تحفظ کی ردائے دے سکے، ان کی عصمتیں سرباز الہی رہیں لیکن ہماری غیرت ایمانی پر مسلسل برف گرتی رہی، حضور ہم آپ کے مجرم ہیں، حضور ہم آپ کے مجرم ہیں، سوچا تھا حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں وطن کی ہواؤں کا سلام پیش کرنے کے بعد گھر کے ایک ایک فرد کا نام لے کر سلام عرض کروں گا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرے گھرانے کا ایک ایک بچہ ہاتھ اٹھا کر سلام کہہ رہا تھا، حضور ﷺ آپ کی کنیزیں گلاب کی سرخ پتیاں لے کر دست بستہ کھڑی تھیں، آقا! غلام زادے سر تا پا حرف سپاس بن کر سلام پیش کر رہے تھے، حضور ﷺ! میرے گھر کے درو دیوار بھی سلام کہتے تھے، حضور ﷺ! میرا قلم میری تنہائیوں کا ساتھی، حضور! ہم دونوں مل کے آپ کی محبت کے چراغ جلا لایا کرتے تھے، حضور! اس ٹوٹے ہوئے قلم کو میں اپنے ساتھ لایا ہوں ورق ورق پر سجدے لٹانے والا قلم، حضور! سلام عرض کرتا یہ لیکن تمام تمنائیں اور آرزوئیں یل اشک میں بہہ گئیں، ممکن ہے عالم بے خودی میں زبان حال سے یہ سب گزارشات حضور ﷺ کے گوش گزار بھی کر دی ہوں لیکن محسوس یہی ہو رہا تھا جیسے زبان پر تالے پڑ گئے ہیں، لفظ لڑکھڑا رہا ہے، جذبات کی بیساکھیاں ٹوٹ رہی ہیں جملے آنسوؤں میں تحلیل ہو رہے ہیں آواز حلق میں اٹک کر رہ گئی، اور روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔“

فہرست مآخذ

۱	القرآن الکریم	
۲	تفسیر ابن کثیر	عماد الدین ابی الفداء اسماعیل بن کثیر دمشقی
۳	تفسیر روح البیان	عمودش ❖ ری الآلوسی البغدادی
۴	صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل بخاری
۵	صحیح مسلم	مسلم بن حجاج بن مسلم نیشاپوری
۶	سنن ابوداؤد	سلمان بن اشعث سجستانی
۷	الفصول فی سیرۃ الرسول	اسماعیل بن عمر دمشقی
۸	البدایہ والنہایہ	اسماعیل بن عمر دمشقی
۹	سنن الترمذی	ابو عیسیٰ ❖ محمد بن عیسیٰ ❖ الترمذی
۱۰	سنن النسائی ال ❖ بر ❖	احمد بن شعیب النسائی
۱۱	سنن ابن ماجہ ❖	محمد بن یزید بن ماجہ ❖ القزوینی
۱۲	مسند احمد	ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل
۱۳	مستدرک حاکم	محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری
۱۴	موارد القممان الی زائد ابن حبان	ابو الحسن نور الدین علی بن ابی بکر عجمی
۱۵	موطأ الامام مال ❖	مال ❖ بن انس بن مال ❖ بن حاکم الاسجی
۱۶	مجمع الزوائد ومنبع الفوائد	علی بن ابی ب ❖ ر ال ❖ عجمی نور الدین
۱۷	الترغیب والترہیب	عبد العظیم بن عبد القوی المنذری
۱۸	مشکوۃ المصابیح	محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی
۱۹	کنز العمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی

٢٠	مسند أبي هريرة	
٢١	الطبقات الكبرى	عبد الوهاب الشعراني
٢٢	مسند اسحاق بن راهويه	امام اسحاق بن ابراهيم بن راهويه
٢٣	المعجم الأوسط	أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني
٢٤	الجامع لمحب الايمان	أحمد بن الحسين بن علي بن موسى السبيخي
٢٥	سنن السبيخي	أحمد بن الحسين بن علي بن موسى السبيخي
٢٦	المعجم الكبير	سليمان بن أحمد الطبراني
٢٧	سنن الدارمي	عبد الله بن عبد الرحمن الدارمي
٢٨	مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح	علي بن سلطان محمد القاري
٢٩	الجامع الصغير	عبد الرحمن بن أبي بكار، جلال الدين السيوطي
٣٠	سيرت ابن اسحاق	محمد بن اسحاق بن يسار بن خياط المدني
٣١	مسند البزار	أبوبكر بن أحمد بن عمرو البزار
٣٢	سبل الهمم والرشاد في سيرة خير العباد	عبد الله بن يوسف الصالح الشامي
٣٣	الروض الأنف	عبد الرحمن بن عبد الله المالكي
٣٤	أسد الغاب في معرفة الصحابة	أبو الحسن علي بن أبي حمزة الثمالجي
٣٥	دلائل النبوة	إسماعيل بن محمد بن الفضل السبيخي
٣٦	سيرت ابن هشام	عبد الملك بن هشام الحميري
٣٧	الاصابة في تمييز الصحابة	شيخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلاني
٣٨	فتح الباري بشرح صحيح البخاري	أحمد بن علي بن حجر عسقلاني

٣٩	اشفايتقرىف حقوق المصطف *	القاضي عياض
٤٠	السيرة النبوية	اسماعيل بن عمر الدمشقي
٤١	حاشية السدي على البخاري	محمد بن عبد الهادي سدي حنفي
٤٢	جلاء الافهام	محمد بن ابى بكر ابن قيم الجوزية
٤٣	الصارم السلول عل * شاتم الرسول	احمد بن عبد الحكيم بن عبد السلام بن تيممي *
٤٤	مدارج السال * بن	ابن قيم الجوزي *
٤٥	إعلام الموقعين عن رب العالمين	محمد بن أبي ب * را بن قيم الجوزي *
٤٦	خلق المسلم	محمد الغزالي
٤٧	سير اعلام النبلاء	شمس الدين الذبي
٤٨	حلية الاولياء	ابو نعيم اصفهاني
٤٩	الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع	احمد بن علي بن ثابت الخطيب البغدادي
٥٠	م * ارم الأخلاق	عبد الله محمد عبيد البغدادي أبوب * را بن أبي الدنيا
٥١	المقاصد الحسن *	شمس الدين أبو الخير محمد بن عبد الرحمن السخاوي
٥٢	الأدب المفرد	محمد بن إسماعيل بن إبراهيم * يم البخاري
٥٣	الأح * ام في أصول الأح * ام	أبو محمد علي بن أحمد الطاهري
٥٤	حقوق النبي صل * الله علي * وسلم عل * محمد بن علف * بن علي التميمي	
٥٥	سير حلبية	علامه علي ابن برهان الدين حلبى
٥٦	سيرة النبي	علامه شبلى نعماني مولانا سيد سليمان ندوى
٥٧	حياة الصحابة	مولانا محمد يوسف كاند هلو
٥٨	آدب الاختلاف في الاسلام	ط * جابر فياض العلواني

۵۹	تاریخ فرشتہ ✽	محمد قاسم ہندو شا ✽ استر آبادی
۶۰	معجزۃ القرآن	شیخ الشعر ابو ✽
۶۱	مجموع فتاویٰ ✽ و رسائل	فضیل ✽ شیخ محمد بن صالح العثیمین
۶۲	رحمۃ للعالمین	قاضی محمد سلیمان منصور پوری
۶۳	فتاویٰ عزیز یہ	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی
۶۴	رسول رحمت ﷺ	مولانا ابوالکلام آزاد
۶۵	سیرت مصطفیٰ	محمد ادریس کاندھلوی
۶۶	النبی الخاتم ﷺ	مولانا سید مناظر احسن گیلانی
۶۷	خطبات مدراس	علامہ سید سلیمان ندوی
۶۸	تاریخ تمدن اسلام	جرجی زیدان
۶۹	آداب عشق رسول ﷺ	حضرت مولانا حکیم اختر صاحب
۷۰	محسن انسانیت	سید واضح رشید حسنی ندوی
۷۱	اخلاق نبوی واقعات کے آمینہ میں	
۷۲	خبردار جدید دہلی	یکم تا پندرہ فروری ۱۲۰۱۳ھ